خطیب اسلام الحاج مولانا محمد بوستان القادری کے افکار کی روشنی میں اسلام کا صحیح تعارف

صدائے بوستان

مرتب:
محمد عمر حیات الحسینی بوسن

ناشر: شرعی کونسل۔ یو۔ کے۔

Marfat.com

80981

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں

نام کتاب: اسلام کے صحیح تعارف کے ضمن میں صدائے بوستان

نام مرتب: محمد عمر حیات الحسینی بوسن

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ: عمیر علی (یو۔ایف۔آر)

صفحات: ۳۵۲

قیمت:

...... ملنے کا پتہ ......

☆ 11- Serpentine Road, Aston Birmingham
B6 6SB UK 01213280837

☆ بستی بوسن اُتاڑ براستہ زکریا یونیورسٹی ملتان۔فون: 061-595117

☆ بیکن بکس سنٹر گلگشت ملتان۔

☆ منہاج القرآن پبلی کیشنز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور۔

☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور۔

Marfat.com

انتساب

ایسے فکر کے حامل لوگوں کے نام......

تو محنت کر، تے محنت داصلہ جانڑے خدا جانڑے
تو ڈیوا بال کے رکھ چا، ہوا جانڑے خدا جانڑے

اے الہ العالمین......اس تمنا کے ساتھ

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے
مٹا دے، ٹھکانے لگا دے اسے

محمد عمر حیات الحسینی بوسن
خادم سیدنا طاہر علاؤ الدین
اِسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
بستی بوسن اُتاڑ ملتان

Marfat.com

نذرِ عقیدت

اِس کاوش کو محسن اہلسنت حضرت مولانا محمد بوستان القادری کے ہمنوا علماء و مشائخ اور اِن کے شانہ بشانہ خدمتِ دین میں مصروف اہل و عیال، خاندان، دوست احباب رُفقاء، معاون تاجر و اہل خیر اور برمنگھم کی مسلم کمیونٹی کے جملہ سرکردہ حضرات کی نذر کرتا ہوں کہ جن کے دامے درمے، سخنے، قلمے تعاون و سرپرستی سے دیارِ غیر میں مساجد و مدارس کا نظام چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن تمام کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور اِن کی عزت و آبرو کی ہمیشہ حفاظت فرمائے۔ مساجد کی خوبصورتی، مدارس کا حسین اہتمام اور محافل میلاد و دینی اجتماعات اِس امر کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ دیارِ مغرب کے مسلمانوں کا نعرہ قلندرانہ یہی ہے ؎

دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
اور کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

محمد عمر حیات الحسینی بوسن

خادم سیدنا طاہر علاؤالدین اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ بستی بوسن اُتاڑ ملتان۔

Marfat.com

ابتدائیہ

دین اسلام کے جمال جہاں آراء کا رنگ اس قدر بے رنگ کر دیا گیا ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں دین کو ''اساطیر الاولین'' (پرانی کہانیاں) کہا جاتا ہے تو غیر تعلیم یافتہ طبقہ میں خاندانی رسوم روایات کا نام دین ہے۔ بصیرتِ دینی کا ماتم کیجئے کہ جاہلانہ رُسوم و آداب اور عہد زوال کی پیدا کردہ چیزوں کو اصل اسلام کا نام دیا جاتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ بلکہ ہر وہ بے دینی اور خلافِ شرع چیزیں جو مسلمانوں کے ہاتھ سے انجام پائیں اسلامی سمجھی جاتی ہیں۔ زندگی کے اکثر مسائل میں ایک غلط طرزِ خیال اور غیر صحیح طریقہ فکر مسلمانوں کے دماغوں پر چھایا ہوا ہے۔ اس سے مرعوبیت اور اسلام سے ناواقفیت نے دل و دماغ میں عجیب اُلجھن و انتشار پیدا کر رکھی ہے اور دین میں رطب و یابس کی آمیزش نے حقائق کو اُوجھل کر دیا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور وہ جذباتِ انسانی کے صحیح استعمال اور مطالباتِ فطرت کی تکمیل کا واحد ذریعہ ہے۔ دین فطرت اور فطرتِ انسانی دو مترادف الفاظ ہیں۔ متفرق و متعدد نہیں۔ دین فطرت تمام کائنات کا دین ہے۔ ذرہ، ذرہ کا دین ہے۔ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی مطیع ہے، اُسی کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ یہی تسلیم و رضا دین فطرت اور دین حق ہے۔ دین فطرت سرتاپا مرضی حق کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے کی حیثیت سے انسانوں کا دنیوی و اُخروی مفاد اسی میں ہے کہ ان کی زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق بسر ہو۔ دینِ فطرت کی خصوصیت یہی ہے کہ انسانوں کی پوری زندگی کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ بندہ پر بندہ ہونے کا اطلاق جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس کی پوری زندگی، زندگی کی ہر حرکت و سکون بندگی کی تعریف میں آجائے۔ دین فطرتِ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کو قبول کرنے میں قلب انسانی کوئی تنگی و گرانی محسوس نہ کرے۔ قلبِ انسانی میں اُنس و محبت کا جذبہ بھی ہے اور غضب و عداوت کا جذبہ بھی، اطاعت و انقیاد کا جذبہ بھی، بندگی کا جذبہ بھی حکومت و کارفرمائی کا جذبہ بھی ہے۔ دین فطرت میں ان فطری جذبات کی تربیت ہے۔

Marfat.com

اِن ہی فطری جذبات کے اعتدال و توازن کا نام عدل و احسان ہے۔ دینِ فطرت میں عدل و احسان کی بنیاد پر انسانی زندگی کی تعمیر کی جاتی ہے اِس کے بغیر اِنسان فطرت کے اصل مقاصد کو نہیں پا سکتا۔ واضح سی بات ہے کہ فطری جذبات کی تربیت اور مطالباتِ فطرت کی تکمیل خالقِ فطرت ہی کر سکتا ہے۔ خالقِ فطرت ہی رہنمائے فطرت ہے اور اِنسان خالقِ فطرت کے احکام و ہدایات کے بغیر پُر امن زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ دینِ فطرت کا کامل عملی نمونہ حضور نبی کریم ﷺ کا اُسوہ حسنہ ہے۔ سیرتِ طیبہ کا جیتی جاگتی دنیا تک محفوظ رہنا اِنسانوں کی ایک فطری ضرورت ہے۔

آج ترقی یافتہ دنیا روشن خیال تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے۔ اپنی فطرت کو بھولی ہوئی ہے۔ فطرت کے حقیقی مطالبات کو بھولی ہوئی ہے۔ سفرِ حیات کی آخری منزل کو فراموش کئے ہوئے ہے۔ بجا ہے کہ حروف اور الفاظ ڈوبنے والی قوم کو موت کی سسکیوں سے اگر بچا نہیں سکتے تو بھی سکوتِ مرگ طاری ہونے سے پہلے غمراتِ کرب کی عکاسی ضرور کر سکتے ہیں۔ اُمت مسلمہ روحانی و اخلاقی زوال کی جن حیات سوز تاریکیوں میں ڈوبتی جا رہی ہے اِسے اس کا ماضی، اس کی تاریخ اور اس کے رہنما حضرت مولانا بوستان القادری جیسے بہی خواہ اور خیر خواہ صحیح زندگی کی طرف واپس لوٹنے کے لئے آواز دے رہے ہیں۔ یہی آواز حیاتِ جاوداں کی ایک تڑپ بن کر، ایک کسک ہو کر، ایک درد کا روپ دھار کر ''صدائے بوستان'' کے اوراق پر بکھری پڑی ہے۔ لکھنے والا لکھتا جا رہا ہے اور کہتا جا رہا ہے شاید کوئی صدا منزل رسا ثابت ہو، شاید کوئی آواز دلوں سے جا کر ٹکرائے شاید کوئی رحمتوں کا جھونکا شعلہ عشق کو بھڑکا دے اور شاید کوئی دعوت مسیحائی کر جائے اور اُمت مسلمہ کے آسمانِ فکر و عمل پر کوئی صدا حیاتِ نو کا پیغام لے کر آ جائے۔ اچھے لوگوں کا شیوہ رہا ہے کہ وہ لکھنے والوں کو نہیں دیکھتے لکھے گئے میں غور و فکر کر کے رازِ دروں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ ہاں اگر کبھی منزل کا سراغ مل جائے تو صدا لگانے والے کے حرف سے محبتوں کے پیامی کو دعاؤں سے نوازا کرتے ہیں۔

''صدائے بوستان'' کے صفحات میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اُس میں دینِ فطرت کو

Marfat.com

پیش نظر رکھ کر اسلام کے تسہیل و تیسیر کے پہلو کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ اِس کتاب میں پیش کردہ خیالات کی بنیادی نہج حضرت مولانا الحاج محمد بوستان القادری سے گفتگو اور اکتسابِ فیض کے دوران مرتب ہوئی۔ اِن کی رہنمائی اور سرپرستی نے وہ فکری منہاج متعین کیا جو اپنا فکری توارد ہے۔ جن مسائل پر احقر گذشتہ پچیس تیس سالوں سے برابر غور و فکر کر رہا ہے اور جن نتائج کی طرف سفر ہوا مولانا بوستان القادری کے افکار و خیالات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔ یہ فکری توارد ہے کہ مولانا بوستان القادری نے میرے سوالات کے جواب میں میری پوری تحقیق کو اُجال کر رکھ دیا۔ مولانا کی اور احقر کی فکری و داخلی وحدت پوری طرح موجود ہے۔ ''گل ہائے رنگا رنگ'' میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے یہ اُسی کا تسلسل ہے۔ یہ سطریں کسی درجے میں اُمت کی خدمت کا سبب بنتی ہیں تو اصل میں یہ انہی کی رہنمائی کا فیض اور انہی کے شعلہ آرزو کا ایک شرر ہوگا۔ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے اور ہم سب کے لئے ذخیرہ نجات فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

محمد عمر حیات الحسینی بوسن
خادم سیدنا طاہر علاؤالدین
اِسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
بستی بوسن اُتاڑ، ملتان۔
فون: 061-595117

Marfat.com

فہرست مضامین

انتساب	۳
نذرِعقیدت	۴
ابتدائیہ	۵
تاثرات: پروفیسر ڈاکٹر محمد حسین آزاد	۱۶
علامہ مفتی مصطفیٰ رضوی	۲۶
ایم ایم ادیب	۳۴
باب ا: مولانا بوستان القادری...... فکروفن اور شخصیت	۳۸
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری۔ نصف صدی کا قصہ ہے	۴۰
شفقتوں کی رم جھم	۴۰
باب نمبر۲: تجدید واحیائے دین کا منہاج	
اسلام اور اس کا ہمیشہ رہنا	۵۰
تجدید واحیائے دین	۵۲
اصلاح وتجدید کا طریقہ کار	۵۹
اختلافِ اُمت میں نقطہ اعتدال	۶۱
اسلامی ریاست	۶۴
تجاویز اصلاح	۶۶
عقائد اور مروجہ مناظرین کا علم الکلام	۶۶
معنی و مدلول بالکل واضح ہوں	۶۷
ثبوت غیر مشکوک اور قطعی	۶۸
تصوف میں نکتہ اعتدال	۷۱
اختلافی مسائل میں توازن واعتدال	۷۲
فقہی مسالک کے وجود میں آنے کے اسباب	۷۴
فقہ حنفی	۷۵
فقہ حنفی کے اُصولِ اجتہاد	۷۵
فقہ مالکی	۷۷
فقہ شافعی	۷۷
فقہ حنبلی	۷۸
مسلک اہل حدیث	۷۸
فقہی مذاہب کا تقابلی جائزہ	۸۰
اہل الرائے اور اہل الحدیث کے درمیان مصالحت ومفاہمت کا طریقہ	۸۳
اجتہاد اور اُس کا طریقہ کار	۸۴
اسلامی قانون کی بین الاقوامی اہمیت	۸۵

Marfat.com

باب نمبر۳: مسئلہ تقدیر اور اِنسان

باب نمبر۳: مسئلہ تقدیر اور اِنسان	۸۹
علامہ اقبال اور مسئلہ تقدیر	۹۰
لفظ تقدیر کے معانی	۹۸
غلط فہمی کا ازالہ	۹۹
مصائب اپنے اعمال کا نتیجہ ہیں	۱۰۰
لکھنے کا مفہوم	۱۰۱
اللہ تعالیٰ کسی کو ناحق ذلیل نہیں کرتا	۱۰۲
اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا	۱۰۳
باطل نظریات	۱۰۴
اتفاقات کا صحیح مفہوم	۱۰۵
دوزخ میں لیڈروں اور عوام کا مکالمہ	۱۰۶
قرونِ اُولیٰ میں سلف صالحین کا طرزِ عمل	۱۰۷
ایمان داروں کو پریشانیاں کیوں لاحق ہوتی ہیں؟	۱۰۹
قوموں کا عروج وزوال	۱۱۱
قانونِ خداوندی کا مستبد حکمرانوں پر قیاس کرنا	۱۱۲
باذن اللہ کے معانی	۱۱۳
خیر وشر اور مذاہبِ عالم	۱۱۵
گوتم بدھ کا نظریہ	۱۱۵
جوگیوں کا نظریہ	۱۱۶
ہندوؤں کا نظریۂ تناسخ	۱۱۶
عیسائیت کا نظریہ	۱۱۷
مجوسیوں کی ثنویت کا نظریۂ	۱۱۷
متضاد قوتیں نہیں ہیں	۱۱۸
شوپنہار کا نظریۂ قنوطیت	۱۱۸
خیر وشر کے داخلی تاثرات کا نظریۂ	۱۱۸
پیدائشی نقائص	۱۲۰
کائنات کی ہر شے کی اصل خیر ہے	۱۲۱
مستقل اقدار	۱۲۲
ہندو پنڈتوں کا نظریۂ	۱۲۲
نیم خواندہ مذہبی لوگوں کا نظریۂ	۱۲۲
شیطان کو اپنے تابع کیا جا سکتا ہے	۱۲۳
جذبات کا غلبہ	۱۲۴
ذلت ورسوائی - تقدیر اور دُعا	۱۲۵
علت اور معلول	۱۲۵
اللہ تعالیٰ کی مدد - اسباب وذرائع	۱۲۶

Marfat.com

باب نمبر ۴: اِسلام اور اخلاق	۱۲۹
رضائے الٰہی اور خوش اخلاقی	۱۳۰
رحمان اور شیطان کے بندوں میں فرق	۱۳۱
تضاد	۱۳۳
مؤمن اور غیر مؤمن	۱۳۵
ضمیر کی آواز	۱۳۶
راہِ حق میں رُکاوٹیں	۱۳۷
مسافرانہ زندگی	۱۳۸
خلافت، امارت اور حکومت	۱۳۹
خلافت اور حکومت میں فرق	۱۴۰
ملوکیت اور شہنشاہیت کی خرافات	۱۴۴
امام ابوحنیفہؒ بطور عظیم مقنن	۱۴۴
احادیث سے کم مدد کیوں لی گئی	۱۴۵
فتوؤں کی حیثیت	۱۴۶
عبارۃ النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص - اقتضاء النص	۱۴۶
مجتہدانہ بصیرت	۱۴۷
اجتہاد کا فیصلہ کون کرے گا؟	۱۴۸
باب نمبر ۵: تاریخ فقہ اِسلامی	۱۴۹
فقہ اِسلامی کی مرحلہ وار تشکیل	۱۵۰
اِبتدائی دور	۱۵۰
مکی دور	۱۵۰
مدنی دور	۱۵۱
عہد نبویﷺ کی خصوصیات	۱۵۱
دوسرا دور	۱۵۲
پہلا مرحلہ، خلفائے راشدین کا زمانہ	۱۵۲
فقہی حالات سے تغیر وتبدل کا آغاز	۱۵۲
شریعت کے مصادر	۱۵۷
دورِ ہذا میں فقہ کے تاخر کے اسباب	۱۶۰
اصلاحی دعوت کا آغاز	۱۶۱
فقہی تحریک کے مظاہر	۱۶۲
اسبابِ اختلافِ اُمت	۱۶۵
صحابہ کے باہمی اختلافات کے وجوہ واسباب	۱۶۸
فعل رسولﷺ کی تعینِ نوعیت میں اختلاف	۱۷۰

Marfat.com

باب نمبر ۶: نماز اور اُس کے مسائل ۱۷۱
نماز کے ارکان کی تقسیم ۱۷۲
امام کے پیچھے سری نماز میں مقتدی کا تلاوت کرنا ۱۷۳
ثناء کے کلمات ۱۷۴
سجدہ کی تسبیح کے کلمات ۱۷۵
تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین ۱۷۶
رفع یدین کرنے کی حکمت ۱۷۷
امین بالجہر ۱۷۷
قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنا ۱۷۷
فرض نمازوں کی رکعات ۱۷۸
سنت مؤکدہ اور نفل میں فرق ۱۷۹
نماز کا وقت ۱۸۰
نمازِ تراویح ۱۸۰
نمازوں کی امامت کیلئے امام کی تقرری ۱۸۲
نمازِ جمعہ اور اِس کے شرائط ۱۸۲
سفر میں نمازِ قصر ۱۸۴
سفر کی رُخصت لازم ہے ۱۸۴
جمع بین صلوٰتین ۱۸۵
ہوائی جہاز میں نماز ۱۸۵
قطبین کے قریب مقامات میں نمازیں ۱۸۶
ننگے سر نماز پڑھنا ۱۸۷
جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنا ۱۸۷
حضرت عثمان غنیؓ اور اذانِ ثانی ۱۸۷
حالتِ سفر میں مسنون نوافل ۱۸۸
دعائے قنوت ۱۸۸
نماز کے بعد اجتماعی ذکر ۱۸۹
خواتین کا مسجد میں نماز پڑھنا ۱۸۹
حالتِ سفر میں تیمم ۱۹۰
نمازی کے سامنے سترہ ۱۹۰
تیمم کی حیثیت ۱۹۰
بدعمل امام کے پیچھے نماز پڑھنا ۱۹۱
رویت ہلال کی شرعی حیثیت: ۱۹۲
مہینے کے دن ۱۹۳
ایک علاقہ کی رؤیت دوسرے علاقہ کیلئے ۱۹۴
بعد کی تعریف ۱۹۵
سعودی عرب کے مطابق روزہ اور عید ادا کرنا ۱۹۶

Marfat.com

چھ ماہ یا کم و بیش مدت کے دن ۱۹۷
علم فلکیات اور عینی شہادت ۱۹۹
باب نمبر ۷: اسلام اور جدید ذہنوں کے شکوک وشبہات ۲۰۳
اسلام کا تصور جہاد ۲۰۵
عالمِ اسلام کے حالات ۲۰۶
پاکستان اور یورپ کے حالات کا تفاوت ۲۰۷
اسلام اور جبریہ شادی ۲۰۸
جبریہ شادی کی وجہ ۲۰۸
معاشی پس منظر ۲۰۸
روایتی پس منظر ۲۰۹
حکمت عملی اور معاملہ فہمی کی ضرورت ۲۱۰
اسلام کا تصور نکاح ۲۱۱
زوج کا مطلب ۲۱۲
ہم خیال ہونا ۲۱۳
با کردار ہونا ۲۱۴
اسلام جبریہ شادی کے خلاف ہے ۲۱۵
اسلام میں ولی کا تصور ۲۱۶
ایم کا مفہوم ۲۱۷
من پسند شادیوں کا حشر ۲۱۹
عورتوں پر تشدد کیوں ۲۲۱
عصر حاضر میں مسلم دانشوروں کا کردار ۲۲۴
خود احتسابی سے فرار ۲۲۶
تاریخ کا کٹھن دور ۲۲۷
طویل المیعاد پالیسی اپنانے کی ضرورت ۲۲۷
قانونِ مکافات کا ظہور ۲۲۸
باب نمبر ۸: اسلام اور مغرب ۲۲۹
تاریخی تسلسل ۲۳۰
مغرب اور اسلام کا جدید دور میں رابطہ ۲۳۱
نو آبادیاتی دور کی خرافات ۲۳۱
نو آبادیاتی دور کے مسلم علماء پر اثرات ۲۳۲
مغربی ممالک میں مسلمان آبادیاں ۲۳۳
مغربی ممالک میں مسلم آبادی کی دینی سرگرمیاں ۲۳۴
مغربی ممالک میں دعوت و تبلیغ کا منہاج ۲۳۴
مغربی ممالک میں کامیاب مسلم دانشور ۲۳۶
مغرب میں دعوت و تبلیغ کی جہتیں ۲۳۶

Marfat.com

مستشرقین کی تحقیقات کے منفی اثرات کا سدِ باب ۲۳۷
دوسروں کے افکار کو بہ چشمِ حقارت دیکھنا ۲۳۸
ناکامیوں اور تباہ حالیوں کے اسباب ۲۳۹
بنیاد پرستی اور جذبات پرستی ۲۴۲
امریکہ دشمنی کے اسباب ۲۴۳
سرمایہ دارانہ نظام اور یہودیوں کا کنٹرول ۲۴۴
بھارت کی مذہبی انتہا پسندی ۲۴۴
مجاہدین کی اہمیت ۲۴۵
صلیبی جنگیں ۲۴۵
رُوحِ مسلم کٹی ہے نہ جلی ہے ۲۴۶
امریکہ اور طالبان ۲۴۷
۱۱ ستمبر کے بعد امریکی عزائم ۲۴۸
بے جا مداخلت اور جارحیت کا مقصد ۲۴۹
جدید دور کی کرشمہ سازیاں ۲۴۹
پچھلی اور موجودہ صدی میں فرق ۲۵۰
ترقی پسند اور اِسلام پسند طبقہ ۲۵۰
ریاستوں کا انتشار ۲۵۱

باب نمبر ۹: اِسلام، نکاح اور طلاق

نابالغ بچے اور بچیوں کے نکاح کا حکم ۲۵۴
نابالغی کے نکاح نہ کرنے کی وجہ ۲۵۵
شرعاً منع نہیں انتظاماً منع ہے ۲۵۵
فقہی قاعدہ کا انطباق ۲۵۶
خاندانی نظام کی خرابیاں ۲۵۶
اباحت اور عدمِ اباحت میں مصلحتِ وقت کا لحاظ ۲۵۶
فکر پر پہرے بٹھانا ۲۵۶
طلاقِ ثلاثہ ۲۵۷
حضرت عمرؓ اور مصلحتِ وقت ۲۵۷
رجم کی تہدید ۲۵۹
حلالہ اور نکاح میں فرق ۲۶۰
حلالہ کے مفاسد ۲۶۰
تحریری تصدیق اور شہادت کے بغیر طلاق ۲۶۱
عنداللہ اور عندالقضاء کا فرق ۲۶۲
فتویٰ اور تقویٰ کا فرق ۲۶۳
قرآن کا تصورِ طلاق ۲۶۳
قانونی اور اخلاقی پہلو ۲۶۴
سوچنے کی باتیں ۲۶۵

Marfat.com

حکمین مقرر کرنے کا مقصد ۲۶۶
گواہوں کے بغیر طلاق کو صحیح تسلیم نہ کیا جائے ۲۶۷
فقہی مذاہب کی سہولتوں سے استفادہ کرنے کے اُصول ۲۷۰
اِسلام میں کفو کی حیثیت ۲۷۱
ولی کی اجازت کی اہمیت ۲۷۴
اولیاء اور سرپرستوں کی حکمت ۲۷۶
نکاح سیدہ کا غیر کفو میں نکاح کا حکم ۲۷۷
اِسلام اور قانونِ وراثت ۲۸۰
عدل اور رد ۲۸۲
عورتیں عصبہ ۲۸۳
عورت کا حصہ مرد سے نصف کیوں؟ ۲۸۴
یتیم پوتے کی وراثت ۲۸۵
اِسلام اور عورت کی حکمرانی ۲۸۸
عورت کی حکمرانی کی ممانعت نص صریح سے ثابت نہیں ۲۸۹
مردوں کی قوامیت کا مفہوم ۲۹۰
عورت کی حکمرانی میں افضل اور غیر افضل کا اختلاف ہے ۲۹۲
عورت اور جہاد ۲۹۳
فرضِ کفایہ اور فرضِ عین کا فرق ۲۹۴
اِسلام اور عورت ۲۹۵
عورت ناقص العقل نہیں ۲۹۶
قرونِ اُولیٰ کی مثالی خواتین ۲۹۶
مسلمان حکمران خواتین ۲۹۷
عورت کا نماز میں امام بننا جائز ہے ۲۹۹
ضبط ولادت کی شرعی حیثیت ۳۰۰
مانع حمل ادویات کا ناجائز اِستعمال ۳۰۱
برتھ کنٹرول اور قتل اولاد ۳۰۱
برتھ کنٹرول اور اللہ تعالیٰ کی صفت رزّاقیت ۳۰۲
عورتوں کو کھیتیوں سے تشبیہ کی حکمت ۳۰۳
ازدواجی زندگی کا بنیادی مقصد ۳۰۴
انسان کے طبعی تقاضے ۳۰۵
اِنسان اور حیوان میں فرق ۳۰۶
اختیار کا ناجائز اِستعمال ۳۰۶
نکاح اور بدکاری میں بنیادی فرق ۳۰۷
فیملی پلاننگ کا مقصد اور غرض وغایت ۳۰۸

Marfat.com

اِسلام اور کلوننگ ۳۰۹
سائنسی طریقہ تخلیق ۳۱۰
کلوننگ کے طریقے ۳۱۱
ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت ۳۱۲
مختلف صورتیں اور حکم شرعی ۳۱۳
اعضائے اِنسانی کی پیوند کاری ۳۱۵
باب نمبر۱۰: اِسلام اور معاشیات ۳۲۱
اِسلام کا عادلانہ معاشی نظام ۳۲۲
قرض صرفی اور پیداواری ۳۲۳
ربو کے متعلق وعیدیں ۳۲۴
بغیر محنت نفع آرام طلب بناتا ہے ۳۲۵
تجارتی سود ۳۲۶
مالیات کے متعلق قدیم کتبِ فقہ ۳۲۶
زمانہ جاہلیت میں تجارتی سود ۳۲۷
بلاسود بنکاری ۳۲۹
اِسلام کا معاشی نظام ۳۳۰
کمرشل انٹرسٹ، مضاربت اور ربوٰ سے تشابہ اور تباین ۳۳۲
کمرشل انٹرسٹ میں رعایتیں اور قابل لحاظ اُمور ۳۳۳
بیع سلم اور کاروبارِ تجارت ۳۳۴
بیع سلم اور کمرشل انٹرسٹ ۳۳۵
اِسلام ضابطہ حیات ہے ۳۳۶
بیمہ کی شرعی حیثیت ۳۳۷
جرمانے کی شرعی حیثیت ۳۴۲
تغیر ۳۴۳
حرمانِ ملکیت ۳۴۴
عصری علوم کی اہمیت ۳۴۶
مقلدانہ ذہنیت کا نتیجہ ۳۴۷
ایک علم کا ماہر دوسرے علم کے ماہر کو کامل تر کرتا ہے ۳۴۷
روایت پرستی اور تجدید فہم دینی ۳۴۸
ایک ہی نور کی مختلف تجلیات ۳۴۹
گلوبل سائنس ۳۵۰
زمین متحرک ہے ساکن نہیں ۳۵۱

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گلہائے رنگا رنگ پر نقد و تبصرہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد حسین آزاد
گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان

صدر ذی وقار، مہمان خصوصی، حاضرین محترم:

گلہائے رنگا رنگ کی تعارفی تقریب، ایک ایسی ہستی کے اعزاز میں انعقاد پذیر ہے جو گذشتہ نصف صدی سے، اہل مغرب میں رہ کر بین المسلکی اختلافات سے ہٹ کر رواداری کی روایت کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ عالمی سطح پر اتحادِ بین المسلمین کے پاکیزہ عمل کو فروغ دے رہے ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب ان کی مساعی جمیلہ، کوششِ پیہم اور خیالات و افکار کا خوبصورت مجموعہ ہے جسے علامہ محمد عمر حیات الحسینی نے مرتب کر کے علم و ادب کی دنیا میں اضافہ کیا ہے۔ ''گلہائے رنگا رنگ'' ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں موسموں کے تمام پھول موجود ہیں۔ یہ ایک ایسی دھنک ہے جس میں افکار و خیالات، تجربات و مشاہدات اور ندرتِ اظہار کے وہ تمام رنگ موجود ہیں جو جناب بوستان کے وجود کی گہرائیوں سے پھوٹتے محسوس ہوتے ہیں۔ موسموں کے یہ سارے رنگ ان کی ذات سے محبت کرتے نظر آتے ہیں۔ ''گلہائے رنگا رنگ'' کا سجایا گلزار، محبتوں کے رنگ بکھیر رہا ہے۔ محبتوں کی اس قوس وقزح نے آج کی تعارفی تقریب کے پھیکے لمحوں میں خلوصِ وفا کا رنگ بھر دیا ہے۔ اور یہی رنگ وہ مغرب کی دنیا میں بکھیر رہے ہیں جس کی ضرورت کو عصرِ حاضر کے تناظر میں شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے۔

الحاج مولانا محمد بوستان القادری محض ایک عالم دین ہی نہیں وہ ایک منجھے

Marfat.com

ہوئے صحافی، سلجھے ہوئے سیاستدان اور صوفیانہ روایت کے امین باعمل صوفی ہیں۔ان جملہ صفات کو مغرب زدہ معاشرے میں پھیلا رہے ہیں۔نفرت کی جگہ محبت و الفت کی فصل بو رہے ہیں۔فرقہ واریت کی بجائے اتحاد و یگانگت کے مضامین کاشت کر رہے ہیں۔شرک و تعصب کے پھیلے اندھیروں میں توحید و رسالت اور عشقِ رسول ﷺ کے چراغ جلا رہے ہیں۔مولانا کی ذات ایک ایسا ہزار رنگ موضوع ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس سے محبت کے ساتھ، ان کے فکر و خیالات اور اُمت مسلمہ کے اتحاد کا جذبہ گلہائے رنگارنگ کے صفحات پر دیتا نظر آتا ہے۔محمد عمر حیات الحسینی نے جس کمال خوبی اور فنکارانہ چابکدستی سے ان بکھرے رنگوں کو یکجا کر کے ایک گلدستہ آج کی تقریب میں سجایا ہے یہ اِنہی کا حصہ ہے۔''گلہائے رنگارنگ'' سے وہ قاری حقیقی معنوں میں لطف اندوز ہوسکتا ہے جس نے حضرت نظام الدین یمنی کے مرتب کئے ہوئے مجموعہ لطائف اشرفی کو پڑھا ہے جو درحقیقت ان کے شیخ حضرت سید جہانگیر سمنانیؒ کے ملفوظات ہیں۔

حسینی صاحب کو تحریر و تقریر دونوں میں کمال حاصل ہے۔الفاظ ہیں کہ ہاتھ باندھے ان کی بارگاہ میں عجز و نیاز پیش کرتے چلے جاتے ہیں اور خیالات ہیں کہ ان کی آمد کا سلسلہ رُکنے نہیں پاتا۔الفاظ اور خیالات جب ایک ذات میں یکجا ہو جاتے ہیں تو ''گلہائے رنگارنگ'' وجود میں آتی ہیں۔بعض حضرات الفاظ کو اہمیت دیتے ہیں اور بعض خیالات دونوں کو اپنی جگہ بقول افلاطون ایک خاص اہمیت ہے۔خیال موجود ہو اور لفظ معدوم ہوں تو اظہار ممکن نہیں ہوتا۔اس طرح لفظ موجود ہوں اور خیال غائب ہو تو اظہار بے فائدہ ہوتا ہے۔گویا الفاظ، خیالات کی تشکیل و ترسیل کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔حسینی صاحب کے ہاں دونوں رنگ موجود ہیں۔الفاظ ہی الفاظ دیکھنے ہوں تو کتاب کے ابتدائی صفحات میں ان کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔اور خیالات و الفاظ کا ملاپ اور

Marfat.com

امتزاج دیکھنا ہو تو کتاب کے درمیانی صفحات دیکھے جا سکتے ہیں۔ حسینی صاحب کو یہ ملکہ حاصل ہے کہ وہ ایک سطر کی بات کو کئی صفحات پر پھیلا سکتے ہیں کیونکہ الفاظ کی ان کے ہاں کوئی کمی نہیں۔ گلہائے رنگا کے 694 صفحات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں حسینی صاحب نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں درپیش مسائل کا احاطہ کیا ہے اور بڑے علمی انداز میں سوال کر کے الحاج مولانا محمد بوستان القادری جیسے متبحر عالم، باعمل صوفی اور جہاندیدہ شخصیت سے اس کا حل دریافت کیا ہے اور الجھی گتھیوں کو ایسے احسن انداز میں سلجھایا ہے کہ پڑھنے والا، مولانا کے علمی مرتبے اور حسینی صاحب کی دقت شناس نظر اور گہرے مطالعے کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کتاب میں اختلافی موضوعات کو بڑے خوبصورت طریقے سے بیان کیا گیا۔ مثلاً، مسئلہ تکفیر، میلاد شریف، صلوٰۃ سلام میں قیام، فاتحہ خوانی، مسئلہ توسل، مسئلہ استعانت، انبیاء و اولیاء کو حرفِ ندا سے پکارنا، حاظر و ناظر کا مفہوم، علم غیب کا مسئلہ، حیات النبی کا مسئلہ، ایصالِ ثواب کی شرعی حیثیت، آذان سے اول سلام پڑھنا، انگوٹھے چومنا وغیرہ۔ ایسے مسائل ہیں جن کے ضمن میں مولانا صاحب کا مؤقف بڑا روادارانہ ہے۔ آپ کے نزدیک یہ ایسے مسائل نہیں ہیں جن کی بحث و تمحیص میں وقت جیسے قیمتی اثاثہ کو ضائع کر دیا جائے اور نہ ہی ان مسائل میں اختلافِ رائے رکھنے والے کو کافر قرار دے دیا جائے، آپ کا کہنا ہے کہ میں وسیع الظرف ہوں، صوفیانہ ذوق رکھتا ہوں میرا آنا جانا تمام مکاتب فکر کے لوگوں سے یکساں ہے۔ بلاتفریق میں سب کو ملتا ہوں۔ اتحاد العلماء برطانیہ کا صدر ہوں میں ہندوؤں، سکھوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کی دعوتوں میں جاتا ہوں کیونکہ میں کنویں کا مینڈک نہیں ہوں اور نہ ہی میرا مسلک و مشرب آڑھتی ملاؤں کی طرح متعصّبانہ ہے۔

مولانا صاحب کی طبیعت میں رواداری کی جہاں گہری چھاپ موجود ہے وہاں

Marfat.com

وہ اختلافِ رائے کو بھی پسند کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ گلہائے رنگارنگ کے کئی صفحات پر پھیلے مسائل میں اختلاف کی گنجائش بھی موجود ہے۔ مثلاً مسئلہ طلاق میں آپ کا یہ کہنا کہ ''ائمہ اربعہ کے نزدیک بیک تین طلاقیں دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔'' حقوقِ زوجین، موسیقی، بغیر محرم کے حج کرنا جائز ہے، غیر مسلموں کے ہاتھوں پکا ہوا کھانا جائز ہے۔ رقص جو شائستہ ہو جائز ہے، داڑھی کی مقدار کا مسئلہ اور یہ حدیث کہ میری امت 73 فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، اس میں مولانا صاحب کا مؤقف پڑھنے والے کے اذہان میں کئی سوالات چھوڑ جاتا ہے۔ شاید اختلاف کی یہ گنجائش آپ نے اس لئے پیدا کر دی ہے تاکہ سوچنے سمجھنے کے در کھلے ہیں۔ تاہم مولانا صاحب کو حقائق کے دریچے میں جھانک کر حق کی بات کو اجاگر کرنا چاہیے۔ ضرورت سے زیادہ دولت بھی بعض مقامات پر مسائل پیدا کر دیتی ہے۔ مولانا صاحب نے فرقہ واریت اور دہشت گردی کے اسباب کی نشاندھی کرتے ہوئے صوفیانہ حل احسن طریقے سے پیش کیا تاہم بعض مقامات پر آپ کی شخصیت پر ایک مناظر عالم کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ ان مذکورہ مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''یہ وہ گورکھ دھندے ہیں جنہوں نے دینِ اسلام کا حلیہ بگاڑ رکھا ہے۔ جب تک مذہب کی یہ تمام رسمی و رواجی حیثیت برقرار رہے گی معاشرہ جہالت پذیر رہے گا اور ٹٹ پونجئے رہنما کہلاتے رہیں گے۔ دماغ افیون زدہ ہو جائیں گے اور ذہن کے کواڑ ایک ایک کر کے بند ہوتے جائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہب عوام کی نفرت کا باعث بن جائے گا۔

اسی طرح مولانا صاحب نسبتوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ''ہم صرف مسلمان ہیں''، ہمیں کسی اور شناخت کی ضرورت نہیں ہم تمام اہلسنت ہیں۔ وہابی، دیوبندی، بریلوی کہنا نہ درست ہے۔ سنی کی بجائے بریلوی کہلانا ایک بہت بڑی دلدل

Marfat.com

ہے۔ بریلوی کسی مسلک یا نظریہ کا نام نہیں بلکہ ایک علاقائی نسبت ہے۔

مولانا صاحب بذاتِ خود مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہیں اور ان کے علمی مرتبہ اور باکمال شخصیت کے بارے علامہ اقبال کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر مولانا احمد رضاؒ کی طبیعت میں سختی نہ ہوتی تو وہ وقت کے امام ابو حنیفہؒ ہوتے۔ مولانا صاحب کی بات ایک حد تک درست ہے کہ دیوبندی، سنی، شیعہ، وہابی، بریلوی یہ تمام نسبتیں ہیں جو کسی شخصیت یا علاقے کی بناء پر وجود میں آئی ہیں۔ فساد کی علت نسبت نہیں بلکہ وہ فروعی مسائل ہیں جنہوں نے نزاع کی صورت اختیار کر لی ہے۔ مثلاً دیوبند کی نسبت سے دیوبندی کہلانا اتنا بڑا مسئلہ نہیں جتنا دیوبندی علماء کی تحریروں نے پیدا کر دیا ہے لہٰذا لفظ وہابی کی صورت سے باعثِ نزاع لفظ وہابی نہیں بلکہ عبدالوہاب نجدی کے وہ نظریات و تعلیمات ہیں جنہوں نے اختلاف کو جنم دیا ہے۔ اگر اس تناظر میں مولانا صاحب شاہ احمد رضا خان بریلویؒ کے اعتقادات کا جائزہ لیں اور اپنے بیانات پر غور فرمائیں تو ایک طرف وہ انہیں اپنے وقت کے امام ابو حنیفہ کا قائم مقام ٹھہرا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ موصوف 55 علوم پر دسترس رکھتے تھے تقریباً ہزار کتابوں کے مصنف تھے اور 12 جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ کو علوم و معارف کا انسائیکلو پیڈیا قرار دے رہے ہیں اور دوسری جانب فرما رہے ہیں کہ بریلویت ایک دلدل ہے۔ کتاب میں یہ تضادات کئی مقامات پر ملتے ہیں۔ مثلاً نسبتوں کی حوصلہ شکنی کے ساتھ ان کی تحریریں قاری کو پڑھنے کے لئے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ سلاسل کے مشائخ سے بڑی نسبت اختیار کرنے میں حرج نہیں۔ آپ اپنے آپ کو قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی کہلا سکتے ہیں۔ یہ تضادات ہیں جو پڑھنے والے کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر مولانا محمد بوستان القادری صاحب، قادری کہلا سکتے ہیں جو کہ ایک عظیم نسبت

80981

Marfat.com

ہی نہیں بلکہ بہت بڑی سعادت بھی ہے تو اس طرح کوئی مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے محبت کرنے والا یا ان کا مرید بھی بریلوی کہلا سکتا ہے جیسے ائمہ اربعہ کے مقلدین، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں یہ نسبتیں تو محبتوں کے گلدستے ہیں جن میں گلہائے رنگا رنگ چن دیئے گئے ہیں اور جن کی خوشبو صدیوں سے اُمتِ مسلمہ کی جغرافیائی فضاؤں کو معطر کر رہی ہے۔

مولانا صاحب نے تیجا، دسواں، چالیسواں، ششماہی اور برسی کی رسومات کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے ہندوؤں کی نقالی قرار دیا ہے یہ وہ تضاد ہے جو اتحاد کی بجائے اختلاف کے کئی دروازے کھول سکتا ہے۔ ایک طرف وہ ایصالِ ثواب کو شرعی طور پر جائز قرار دے رہے ہیں اور دوسری طرف ایصالِ ثواب کی ان تقریبات کو ہندوؤں کی نقالی قرار دے رہے ہیں اس مسئلے پر نظرِ ثانی کی اشد ضرورت ہے۔ مولانا محمد بوستان القادری اتحادِ امتِ مسلمہ کے عظیم داعی اور رواداری کے سفیر ہیں۔ آپ فرقہ وارانہ دہشت گردی کے سخت خلاف ہیں۔ ان کی ہر ممکن کوشش یہی ہوتی ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں رہنے والے مسلمان علامہ اقبال کے اس فرمان کی عملی تفسیر نظر آئیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

مولانا صاحب نے اسلام اور عیسائیت کا تقابلی جائزہ لے کر قارئین کے لئے بہت بڑا علمی مواد فراہم کر دیا ہے۔ عقیدۂ تثلیث اور اس کی قباحتوں کو سلیس لیکن دلنشین انداز میں بیان کیا ہے جس کی تفصیل ایک قاری کتاب کے صفحہ 353 پر ملاحظہ کر سکتا ہے۔ عیسائیت کے ساتھ یہودیت، مرزائیت، بدھ مت اور ہندو مت پر آپ کا گہرا مطالعہ ہے۔ جسے آپ نے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے کہ کہیں تعصب کی چھاپ نظر

Marfat.com

نہیں آتی، جہاں کہیں اچھی بات دیکھتے ہیں اسے بلا خوف بیان کر دیتے ہیں۔ بھگت کبیر کا تذکرہ کتاب کے صفحہ نمبر 359 پر اس کی زندہ مثال ہے۔ لیڈی ڈیانا سے بہت حد تک متاثر نظر آتے ہیں۔ آپ کے نزدیک وہ اسلام سے کافی حد تک متاثر تھی اور وہ اسلام قبول کرنا چاہتی تھی لیکن عیسائیت کے مذہبی اجارہ داروں نے ایک سازش کے تحت اسے مروادیا۔ انہیں خوف تھا اگر وہ مسلمان ہو گئیں تو عیسائیت کو ایک بہت بڑا دھچکا لگے گا۔ مولانا صاحب کے نزدیک وہ ایک ایسی خاتون تھیں جن کے سینے میں غریبوں کے لئے دھڑکنے والا دل تھا۔ وہ سسکتے، سلگتے اور بھوک و افلاس کی بھٹی میں جلتی انسانیت کی ہمدرد تھیں ان کا کہنا ہے کہ شاید وہ مسلمان ہو گئی تھیں کیونکہ کئی مسلم ممالک میں ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ مولانا عبدالقادر آزاد مرحوم، کے بعد دوسرے مولانا محمد بوستان القادری ہیں جو اپنے شانوں پر رواداری کا دوشالہ اوڑھے، لیڈی ڈیانا جیسی غیر مسلم خاتون کے بھی کارِ خیر کو خراجِ تحسین پیش کرنے میں کنجوسی سے کام نہیں لیتے اسلئے تاہم کتاب کے تقدس اور اس کے موضوع کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے میں اتنا ضرور کہونگا کہ حیاتِ بوستان کے گلہائے رنگا میں لیڈی ڈیانا جیسے پھول کو چننا مولانا محمد بوستان اور مولانا عبدالقادر آزاد جیسے روشن خیال علماء کے لئے تو باعثِ تسکین ہوسکتا ہے لیکن علماءِ جمہور گلہائے رنگارنگ کے گلزار میں اس پھول کو کانٹے سے زیادہ اہمیت نہیں دیں گے۔ اسی طرح بےنظیر بھٹو اور ذوالفقار علی بھٹو جیسی متنازع سیاسی شخصیتوں کو کتاب میں شامل کرنا اور انہیں قائد اعظم کے بعد دوسرا عظیم لیڈر قرار دینا، کئی اختلافات پیدا کرسکتا ہے۔

علامہ حسینی صاحب نے حیات بوستان کے گلہائے رنگارنگ کی عقیدتوں کے اور بھی کئی رنگ سجادیے ہیں۔ اہلسنت والجماعت کے تعارف کے ساتھ ان سے وابستہ عظیم ہستیوں کو متعارف کرانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ حضرت عارف کھڑی

Marfat.com

میاں حضرت میاں محمد بخشؒ، مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ، خواجہ حمید الدین سیالویؒ، مفتی اعظم کشمیر مفتی عبدالحکیمؒ، مولانا محمد شفیع اوکاڑیؒ، علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ، بابا صوفی برکت علی لدھیانویؒ، علامہ سید محمد زبیر شاہؒ، ضیاء الامت پیر کرم شاہ الازہریؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ، مولانا عبدالستار خاں نیازیؒ، مولانا کوثر نیازیؒ، صاحبزادہ خورشید گیلانیؒ، ڈاکٹر حمید اللہ، سید ابوالحسن ندویؒ، مفتی عبدالقیوم ہزارویؒ، سید طاہر علاؤالدین گیلانیؒ پیر آف ڈھانگریؒ، سید نصیر الدین گولڑوی، پیر علاء الدین صدیقی اور اپنے استاذ محترم ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا تعارف ان کی سیاسی و دینی خدمات پر اس انداز سے روشنی ڈالی ہے کہ نقاشی، مصوری، زورِ بیاں، فصاحت و بلاغت اور سلاست و دلنشینی کی جملہ صفات ان کے قلم میں سمٹ کر آ گئی ہیں۔ مفتی محمد عبدالحکیم کا تذکرہ کرتے ہوئے مجھے یہ کہ ادیب کے ساتھ ماہر نقاش اور ایک تجربہ کار مصور نظر آتے ہیں۔

''مفتی صاحب، باوقار، بارعب، پرکشش، کم گو، متین، ذہین و فطین، پرعزم، بامروت، گول چہرہ، اس پر مشروع داڑھی وہ بھی گولائی لیے ہوئے، پیشانی کشادہ، موٹے موٹے خدوخال، ناک چھوٹی، پیٹ نکلا ہوا، قد نہ لمبا نہ ٹھگنا، جسم تروتازہ ایسا جسم جسے دیکھ کر دنیوی نعمتوں سے آدمی بہرہ اندوز ہو جائے، کندھے کشادہ، مزاج میں عزم، ارادہ میں پختگی، ہاتھ پاؤں مضبوط، آواز میں جذبۂ رفاقت و مروّت، ٹھہر ٹھہر کر بولنے والے، شرفاء کا لباس یعنی شیروانی پہننے والے، عمامہ سفید، لنگی اور شلوار پہننے والے اور غیروں کے لباس کو غلامی کی دلیل سمجھنے والے، سر پر ٹوپی اور رومال باندھنے والے وضع دار مسلمان تھے۔ احباب کے ساتھ بے تکلف، نکتہ سنج، سبک روح اور خوش مزاق، گفتگو میں متانت اور علمی و ادبی رنگ ٹپکتا تھا۔''

علامہ حسینی صاحب کی تحریر عوام الناس کے لئے بادِ بہاری کا ایک جھونکا ہے جو

Marfat.com

مرجھائے اور اداس چہروں کو گلاب رنگ کر دیتا ہے لیکن مذکورہ تحریر ایک محقق اور ریسرچ سکالر کی طبیعت پر بہت گراں گذرتی ہے وہ جوں جوں پڑھتا ہے اس کے ماتھے پر شکنوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ بعض مقامات پر تحریر اتنی ادق ہو جاتی ہے کہ دونوں قاری یعنی عام وخاص سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایسی تحریر کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

''انسانی بلندی کے ایک دوسرے معیار پر خذ العفو، امر بالمعروف، اعراض عن الجاہلین اور ادفع بالتی ھی احسن پر عمل کرنے اور دشمنوں سے نہ صرف درگزر کرنے بلکہ ان کو نفع پہنچانے میں مفتی صاحب فردِ فرید تھے۔''

علامہ حسینی صاحب اگر اپنی تحریر کے ان انمول موتیوں کو تحقیق کے سانچے میں، ڈھال کر سادگی وسلاست کی تسبیح میں پرو دیں تو ادب کی دنیا میں ان کی تحریریں ایک عظیم سرمایہ ہونگی۔ تاہم گلہائے رنگارنگ اپنی غیر ضروری تحریری اضافوں، بے جوڑ شعروں اور تضادات واختلافات کے باوجود علم کی دنیا میں بہت بڑا اضافہ ہے۔

کتاب کے بعض مقامات پر نہایت سادھا لیکن کوثر وتسنیم میں ڈھلی تحریر بھی پڑھنے کو ملتی ہے مولانا کوثر نیازی کو متعارف کراتے ہوئے ان کی تحریر کا انداز فقط دلنشین ہی نہیں بلکہ اثر آفرین بھی بن جاتا ہے۔ مولانا، کوثر کے نام سے پہچانے جاتے تھے ایک زمانے تک تسنیم کے ایڈیٹر رہے غالباً یہی سبب ہے کہ کوثر وتسنیم میں ڈھلی ہوئی زبان لکھتے تھے اور ان کی تحریروں کے شیدائی قند ونبات کا ذائقہ لیتے تھے۔ مولانا نے اپنے سیاسی کیرئر (Career) کا آغاز جماعتِ اسلامی سے کیا۔ مولانا مودودی صاحب کے بہت زیادہ قریب رہے۔ کئی سال جماعت اسلامی کے قیم رہے لیکن بعد میں مولانا مودودی صاحب کے خلاف ہو گئے اور پیپلز پارٹی میں شامل ہو کر مولانا صاحب کے خلاف ایسی باتیں لکھیں جو اخلاق کے تقاضوں کے مطابق نہ تھیں۔ مولانا کوثر نیازی

Marfat.com

مرتاض اور صوفی باصفانہ سہی لیکن فرقہ واریت سے کوسوں دور تھے۔ وہ کہا کرتے تھے۔ میں توحید میں وہابی، محبت رسول ﷺ میں بریلوی، طالب علم میں دیوبندی اور مودّت اہل بیت میں شیعہ ہوں۔ اس کے بعد کہتے ہیں یہی مولانا کا مسلکی مزاج ہے جو اپنے اندر جاذبیت رکھتا ہے اور ہمارے نزدیک علامہ حسینی صاحب دورِ حاضر میں اس مسلک کے لئے سرگرداں نظر آتے ہیں۔

حکیم سعید کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے خوبصورت سادہ جملے ان کے قلم سے نکلتے ہیں "روشنیوں والے شہر کراچی میں ان کا قتل، دراصل پاکستان میں شرافتِ انسانی کا قتل ہے"۔ مولانا عبدالستار خاں نیازی کے سیاسی (Career) اور ان کی خدمات کا تذکرہ اس انداز میں کرتے ہیں: "انہوں نے مجاہدانہ زندگی بسر کی کبھی سنجرو طغرل کو اپنا آئیڈیل نہیں بنایا۔ ہمیشہ سوز و سازِ رومی میں رہے۔ کبھی حسرتِ فارابی کے قائل اور گھائل نہیں رہے۔ ہمہ وقت فکرِ حکیمانہ اور جذب کلیمانہ کی طرف مائل رہے۔ کبھی عقل کی روباہی پر اعتبار نہیں کیا۔ ہر دور میں عشقِ الٰہی پر تکیہ کرتے رہے۔

عمر پوچھنے پر کہا کرتے: "زندگی کی بہاریں کیا؟ حاصل عمر جاوداں صرف وہی روز و شب اور لیل و نہار تھے جو میں نے 1953 میں قادیانی تحریک (Moramont) کے دوران حرمتِ رسول ﷺ کے حوالے سے جیل کی کال کوٹھڑی میں بسر کیے تھے۔"

علامہ حسینی صاحب کی مذکورہ بالا تحریریں قاری کے لہو میں آسودگی اور روح میں تسکین اتارتی نظر آتی ہیں۔ ان کی ایسی تحریروں کی ہر ہر سطر انسانی اذھان میں نقوش چھوڑتی چلی جاتی ہیں۔ علامہ حسینی کی تحریروں میں خیالات کی تونگری اور علم و آگہی کی گہرائی پائی جاتی ہے۔ ان کا قلم شعور کو توانا اور قلب کی کدورتوں کو صیقل کرتا نظر آتا ہے۔ وہ اتحاد و یگانگت اور محبت و الفت کی سان سے نفرت و تعصب سے زنگ آلودہ دلوں کو

Marfat.com

صیقل کرنے کا کام لیتے نظر آتے ہیں۔ میرے نزدیک ان کی وہ تحریریں جو اپنے اندر واقعات وخیالات اور علم وآگہی کی تونگری لیے ہوئے ہیں۔ ان کا حرف حرف روشنی اور لفظ لفظ منزل کا درجہ رکھتا ہے۔ تحریر کا یہ رنگ پیر کرم شاہ الازھری اور علامہ سید زبیر شاہ اور علامہ سید سعید احمد کاظمی کے تعارف میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت علامہ عمر حیات الحسینی کے قلم کو سچ، سادہ اور To The Point لکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اتحادِ اُمتِ مسلمہ کا جذبہ اور عطا فرمائے اور عمر خضر عطا فرمائے کہ یہ اہلسنت والجماعت کا وقار، علم وادب کا معتبر حوالہ اور لمحہ موجود کا قیمتی وجود ہیں۔ (آمین)

گل ہائے رنگا رنگ پر تبصرہ وتنقید

علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی

صدر شعبہ دارُ الافتاء، جامعہ اِسلامیہ انوار العلوم ملتان۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محترم المقام صدر تقریب، معزز مہمانان گرامی! اور لائق صد تکریم حاضرین کرام آج ہم ایک انتہائی بابرکت محفل میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جس میں عالم اسلام کے نامور مبلغ کی سوانح حیات کے حوالے سے لکھی گئی ایک ضخیم کتاب کی تقریب رونمائی ہونی ہے، مورخہ ۲۰ جنوری کو عزیزِ محترم فاضل نوجوان علامہ محمد عمر حیات الحسینی نے بذریعہ فون ارشاد فرمایا کہ میں نے مبلغ اسلام الحاج مولانا محمد بوستان القادری کی مذہبی، دینی تبلیغی، سیاسی اور سماجی گرانمایہ خدمات کو کتابی صورت میں مرتب کیا ہے، آپ کو کتاب مل جائے گی۔ اسے پڑھ کر آپ مقالے کی صورت میں اپنے تاثرات اس دن پیش کریں، اگرچہ میں

Marfat.com

حضرت موصوف کی شخصیت سے بالکل ناواقف تھا۔ لیکن میں نے سوچا کہ اس کتاب کو پڑھ کر چند سطور قلم بند کرنا کون سا مشکل ہوگا اسلئے میں نے حامی بھرلی، لیکن دوسرے دن جب دلکش کمپوزنگ، اعلیٰ طباعت دیدہ زیب اور خوبصورت ٹائیٹل سے آراستہ کتاب جسے گلہائے رنگارنگ کا نام دیا گیا تھا میرے سامنے آئی اور میں نے اس کا ابتدائیہ پڑھا تو میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے، کیونکہ محترم محمد عمر حیات الحسینی نے جس اچھوتے، دلنشین اور مؤثر انداز میں موصوف کے بارے میں اپنے قلم کی جولانی دکھائی ہے تو اسے پڑھ کر بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ع پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی، سماعت فرمایئے محترم حسینی صاحب رقمطراز ہیں۔ الحاج مولانا محمد بوستان القادری سینے میں سمندر سے کھلا اور بادلوں سے زیادہ فیاض دل رکھتے ہیں۔ آپ کی زبان میں شیرینی، مزاج میں انکسار، اخلاق میں وسعت اور مہمان نوازی میں عربیت پائی جاتی ہے۔ الحاج مولانا محمد بوستان القادری اسم با مسمی ہیں آپ ہر طرح کے تعصّبات سے پاک، نہایت حکیمانہ اور مجاہدانہ رنگ میں دین کی خدمت میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ آپ کے خاندانی علمائے عرفانی اور مشائخ یزدانی نے تعلیمی و تدریسی، دعوتی و تبلیغی، تصنیفی و تالیفی، تحریکی و تنظیمی اور انتظامی و اہتمامی خدمات کا ہمہ جہت اثاثہ چھوڑا ہے وہ آپ کی قیادت میں برطانیہ میں پھل پھول رہا ہے۔ آپ اپنے مشن کی تکمیل، دینی مقاصد کے حصول کے لئے اور اپنے اسلاف کی شاندار روایات کو برقرار رکھنے کے لئے ہمہ وقت مصروف عمل ہیں، آپ ایک زرخیز ذہن کے مالک ہیں، جب بات کرتے ہیں تو مسائل و افکار کی ان گہرائیوں کی نشاندہی کر دیتے ہیں جن تک عام ذہن نہیں پہنچ پاتے۔ آپ معاملہ فہم مبلغ دین ہیں، حکمت، معاملہ فہمی اور سیاسی بصیرت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔''

Marfat.com

سامعین کرام! آپ نے جناب محمد عمر حیات الحسینی کی تحریر کا یہ اقتباس سماعت فرمایا۔ اب اس کے بعد مجھ جیسے ہیچمدان کا کچھ لکھنا ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے کسی ریشمی کپڑے میں ٹاٹ کا پیوند لگا دیا گیا ہو چونکہ وعدہ کر چکا تھا اس لئے چند سطور لکھنے پر مجبور ہو گیا۔ مصروفیت شدیدہ اور وقت کی قلت کے پیش نظر اس خوبصورت کتاب کا بالا ستیعاب مطالعہ تو نہ کر سکا۔ البتہ بعض چیدہ چیدہ صفحات پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی تو ایمان کو تازگی اور روح کو سکون میسر آیا اور ساتھ ہی انتہائی خوشی اور قدرے حیرت کے امتزاج سے بھی دو چار ہونا پڑا، خوشی تو اس بات کی ہوئی کہ اس دور جدید کے بعض اہم مسائل پر کچھ پاکستانی علماء اظہار خیال کرتے ہوئے وسعت نظری سے کام لینا گوارا نہیں کرتے۔ جبکہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے عوام کے لئے اس سلسلے میں کچھ سہولتیں بہم پہنچائی جا سکتی ہیں۔ مثلاً ایک اہم معاشی مسئلہ یہ ہے کہ بعض لوگ کچھ مال تو رکھتے ہیں لیکن کاروبار کی صلاحیت نہیں رکھتے، تو اگر وہ غیر معینہ نفع پر وہ رقم کسی کو دے کر ماہانہ غیر معینہ منافع وصول کریں تو بعض علماء کرام فوراً سود کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں لیکن عالمی مبلغ جناب الحاج مولانا محمد بوستان سے اس نوعیت کا سوال کیا گیا تو انہوں نے بہت ہی خوبصورت انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے، سوال و جواب ملاحظہ کیجئے۔

سوال: اگر کوئی شخص کاروبار میں نفع نقصان کے حصے کا تعین کئے بغیر کسی دوست کا روپیہ لیتا ہے اور ہر ماہ نفع بغیر کسی تعین کے دے تو کیا یہ بھی سود ہوگا؟

جواب: ایسا نفع سود کی تعریف میں نہیں آتا کیونکہ دینے والا کم و بیش دیتا ہے اور لینے والا بھی کمی بیشی پر رضامند ہے یہ سود نہیں ہوگا، سود کی تعریف اس پر صادق آتی ہے جس میں ایک رقم مدت کے ساتھ متعین کر دی جائے اور اس کے ساتھ منافع بھی متعین کر دیا جائے خواہ کاروبار میں نفع ہو یا گھاٹا وہ فکس ادا کرے گا۔

Marfat.com

اس جواب میں بہت بڑی جامعیت ہے جس سے بات بات پر سود کا فتویٰ جاری کردینے والوں کو غور کرنا چاہیے۔ کاش! حسینی صاحب، بیمے اور مدت ملازمت کے اختتام پر یکمشت ملنے والی رقم کو بینک میں جمع کرانے اور اس پر غیر معینہ نفع ملنے کی صورت کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں بھی اگر علامہ موصوف سے پوچھ لیتے تو بہت اچھا ہوتا۔ دوسرا مسئلہ ہمارے ہاں خاندانی منصوبہ بندی کا ہے جس پر ہمارے بعض علماء بڑے سیخ پا ہوتے ہیں اور منصوبہ بندی کرنیوالوں کو اللہ تعالیٰ کی رزاقیت کا منکر اور حضور علیہ السلام کے ارشادات کا مخالف گردانتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے میری امت میں اضافہ کرو، پڑھے لکھے لوگ تو اس پر عمل کرتے وقت ہر پہلو پر غور کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگ ایسے علماء کرام کو دعائیں دیتے ہوئے کسی اور حدیث پر عمل کریں یا نہ کریں اس پر عمل ضرور کرتے ہیں، چنانچہ آج سے چند سال پہلے کی بات ہے کہ ایک شخص میرے پاس میراث کا فتویٰ لینے آیا، میں نے پوچھا مرحوم کے ورثا کون کون سے ہیں وہ بولا زیادہ نہیں مرحوم تو پچاس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے تھے صرف دس بیٹے اور بارہ بیٹیاں وارث چھوڑ گئے ہیں یہ سن کر میرا دماغ چکرا گیا کہ پچاس سال میں بائیس بچے ہوگئے اگر دس، پندرہ سال مرحوم اور زندہ رہتے تو نا معلوم کتنا اضافہ فرماتے اور یقیناً یہ بہت بڑا المیہ ہے جسے ہم محض اپنی کم فکری کیوجہ سے منصوبہ بندی کے جواز وعدم جواز پر بحث شروع کردیتے ہیں لیجئے اس سلسلے میں حضرت موصوف کا قابل قدر اور حقیقت پر مبنی مؤقف ملاحظہ فرمائیے۔

سوال: کیا اسلام فیملی پلاننگ کا مخالف ہے؟

جواب: موصوف نے اس کا جواب بہت ہی تفصیلی مرحمت فرمایا ہے چند سطور پیش خدمت ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ جس طرح زندگی کے ہر میدان میں پلاننگ ضروری

Marfat.com

ہے اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہے اسی طرح خاندان کے معاملے میں بھی پلاننگ درست ہے اور یہ پلاننگ دین کے مطابق ہے۔ فیملی پلاننگ کے بارے میں کہنا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت پر عدم اعتماد ہے ہر انسان کو اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتا ہے اس لئے ضبط ولادت خلاف شرع ہے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ پھر تو کسی انسان کو ملازمت، تجارت، کاشتکاری اور ہر سائنسی ترقی بھی اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت پر عدم اعتماد پر محمول ہوگی کیونکہ انسان یہ سب کچھ رزق کمانے کے لئے تو کرتا ہے۔ اس نوعیت کے مسائل پر مبلغ اسلام الحاج مولانا محمد بوستان القادری نے بہت ہی شستہ اور نکھرے ہوئے انداز میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے جس سے راقم الحروف کو بہت ہی خوشی ہوئی، البتہ کچھ باتیں حیرت و استعجاب کا باعث بھی بنیں جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ زیر نظر کتاب پڑھ کر خوشی اور حیرت کی ملی جلی کیفیت سے دو چار ہونا پڑا تو حیرت کی وجوہات کچھ یوں ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت موصوف نے عورتوں کی گواہی کے متعلق اپنے نظریئے کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے ''یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عہد نبوی اور دور صحابہ میں صرف ایک عورت کی گواہی پر مجرموں کو بڑی بڑی سزائیں دی گئیں، مثلاً ایک لڑکی کی شہادت پر اسکے قاتل کو سزائے موت دی گئی''، موصوف کا یہ مؤقف قطعاً درست نہیں ہے اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اسلام کا پورا نظام شہادت تہہ و بالا ہو کر رہ جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام یا صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے محض ایک عورت کی گواہی پر کسی کو بڑی بڑی سزائیں نہیں دیں، البتہ مسلم شریف میں ایک حدیث جو رواۃ کے اعتبار سے کافی قابل توجہ ہے اس میں ہے کہ ایک یہودی نے زیورات کے لالچ میں ایک لڑکی کا سر کچل دیا تھا اس لڑکی نے اپنے نزاعی بیان میں اس یہودی کا نام لیا تھا جب اس یہودی کو پکڑا گیا تو اس نے اقرار جرم کر لیا تھا تو سزا لڑکی کے بیان پر نہیں مجرم کے

Marfat.com

اعتراف جرم پر دی گئی۔ بخاری شریف میں اسی طرح مذکور ہے۔ ایک عورت تو بجائے خود تنہا چار عورتوں کو گواہی بھی شرعاً معتبر نہیں (درمختار) سنگین سزاؤں میں تو عورتوں کی شہادت قطعاً شریعت کے خلاف ہے قرآن مجید نے واضح طور پر فرما دیا ہے "واستشھدوا شھیدین من رجالکم" اسی طرح ایک خاتون جو نماز کے لئے جا رہی تھی سرراہ اس سے کسی نے زیادتی کر ڈالی اور اس خاتون کے شور مچانے پر ایک شخص پکڑا گیا، ابھی اسے سزا نہیں دی گئی تھی کہ اصل مجرم نے حاضر ہو کر اقرار جرم کیا اور اس کے اعتراف جرم کے بعد اسے رجم کیا گیا، ان دو حدیثوں کے علاوہ اور کوئی ایسا واقعہ کتب احادیث میں موجود نہیں۔

دوسری چیز جو میرے لئے باعث حیرت قرار پائی وہ مسئلہ دیت ہے، اس مسئلے پر محترم پروفیسر طاہر القادری کی امام اہلسنت اپنے دور کے غزالی علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ سے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے اور امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے مسکت جوابات کے ذریعے یہ ثابت فرمایا تھا کہ عورت کی دیت نصف ہے لیکن علامہ مولانا محمد بوستان نے اس مسئلے میں لچک پیدا کرنے اور وقت و حالات اور معیشت و معاشرہ کے لحاظ سے کمی بیشی کی اجازت دے کر ایک منصوص مسئلے کو عوام کی رائے کے سپرد فرما دیا ہے حالانکہ حدیث شریف اور فقہاء اُمت کے متعدد اقوال سے بلا شبہ عورت کی دیت نصف ثابت ہے ہدایہ میں ہے "دیت المراۃ علی النصف من دیۃ الرجل" حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث شریف مروی ہے وہ کہتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیۃ المرآۃ علی النصف من دیۃ الرجل۔ امام سرخسی، امام مالک، قاضی ابن ارشد اور دیگر بہت سے آئمہ سے یہی حکم مروی ہے۔ کیا ان نفوس قدسیہ کے سامنے دنیا کے بدلتے ہوئے حالات نہ تھے، یا انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کو نہیں

Marfat.com

سمجھا تھا۔جن مقدس لوگوں کی زندگیاں قرآن وحدیث کی خدمت کرتے گذری ہیں آج کا کوئی تعلیم یافتہ اس طرح قرآن وسنت کو سمجھ سکتا ہے؟ ایک اور مسئلہ بھی میرے لئے باعث حیرت ہوا وہ یہ کہ عورت بغیر محرم کے حج پر جاسکتی ہے، چنانچہ حسینی صاحب کے اس سوال پر مولانا محمد بوستان القادری نے فرمایا ہے''موجودہ دور میں سفری سہولتوں کی وجہ سے فتنہ کا امکان کم ہے اور سفر پرامن ہے اسلئے علماء نے رخصت دی ہے کہ عورت ان حالات میں بغیر محرم کے حج کرسکتی ہے (ص ۲۱۸)

حالانکہ موصوف کا یہ جواب فقہاء اُمت کی تحقیقات کے سراسر خلاف ہے اور اُنہوں نے بغیر محرم کے عورتوں کے حج پر جانے کی اجازت ہرگز نہیں دی، چنانچہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں۔عورت اگرچہ عفیفہ یا ضعیفہ ہو اسے بے شوہر یا محرم سفر کو جانا حرام ہے، صدرالشریعہ مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' تین دن یا زیادہ کا راستہ ہو تو محرم کے بغیر نہیں جاسکتی عورت چاہے جوان ہو یا بڑھیا (بہار شریعت)

تمام اہل علم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ سفر میں چونکہ کسی دور میں صعوبتیں تھیں اس لئے نماز قصر کا حکم دیا گیا لیکن اب مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے، پھر بھی سہولت قصر برقرار ہے معلوم ہوا کہ خود سفر کو ہی علت قصر قرار دیدیا گیا، اسی طرح خواتین کو تنہا سفر کرنے سے ایک خاص مصلحت کیساتھ روکا گیا تھا اب اگرچہ وہ مصلحت نہ بھی ہو تو بھی وہ ممانعت برقرار رہے گی۔میرے لئے یہ بات بھی باعث حیرت ہے کہ وہ کتاب جو عالمی مبلغ محترم مولانا محمد بوستان کے بارے میں لکھی گئی ہے اس کتاب میں بعض دیگر جید علماء کرام کی علمی، دینی اور مذہبی خدمات کے ذکر کے ذریعے کتاب کی ضخامت میں خواہ مخواہ اڑھائی تین سو صفحات کا اضافہ کیوں کیا گیا جبکہ ان شخصیات کا مبلغ

Marfat.com

اسلام مولانا محمد بوستان القادری سے کسی حوالے سے بھی تعلق ظاہر نہیں کیا گیا، اس حیرت میں مزید اضافہ یوں ہوا کہ اس خوبصورت کتاب میں بعض متنازعہ سیاسی اور مذہبی شخصیات کو بھی ایک بزرگ شخصیت کیساتھ نتھی کرنے کی کوشش کی گئی، جو بہر حال مناسب معلوم نہیں ہوتی۔ پھر یہ کہ ایک معروف دینی اور مذہبی شخصیت کیساتھ تو لیڈی ڈیانا کا تذکرہ اور ایک متشرع عالم دین سے اس خاتون کے بارے میں سوالات بھی حیرت و استعجاب کا باعث بنے، مثلاً ان سے جناب حسینی صاحب یوں سوال کرتے ہیں۔

ا۔سوال: لیڈی ڈیانا کا تعارف کیا ہے ۲۔مولانا یہ بتایئے ڈیانا گھریلو بے سکونی کا شکار کیوں رہی؟ سامعین کرام! انتہائی معذرت کے ساتھ، اس نوعیت کے سوالات تو ایسے شخص سے کئے جاسکتے ہیں جو اس کے گھر کا کوئی فرد ہو یا اس کا اس کے ساتھ خاندانی تعلق ہو، جبکہ ایک عالمی مبلغ اور ایک مذہبی شخصیت سے اس نوعیت کے سوالات مجھ جیسے کم فہم کے ذہن پر بہت گراں گذرے ہیں، البتہ کتاب کے نام کی مناسبت سے ایسے بے جوڑ اور غیر ضروری اضافوں کو کانٹوں کا نام دیا جاسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ پھول اور کانٹے لازم وملزوم ہیں شاید گلہائے رنگا رنگ کے ساتھ کانٹوں کا الحاق اس لئے ضروری سمجھا گیا ہو کہ یہ کتاب اسم بامسمی ہو جائے۔ بہر حال ممتاز ادیب، شعلہ بیان خطیب علامہ مولانا محمد عمر حیات الحسینی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اہل پاکستان کو ایک عظیم، اسلامی سکالر، عالمی مبلغ اور معروف مذہبی، دینی اور سیاسی شخصیت کے عظیم کارناموں سے روشناس کرایا، اور ساتھ ہی راقم الحروف اپنی اس تلخ نوائی پر مرتب کتاب اور مبلغ اسلام مولانا محمد بوستان سے بھی معذرت خواہ ہے۔

والسلام مع الاحترام

نیاز مند مفتی غلام مصطفیٰ رضوی

25-01-2004

Marfat.com

تبصرہ وتاثرات

ایم ایم ادیبؔ کالم نگار روزنامہ اوصاف

کسی شخص یا کسی کتاب پر زبانی رائے کا اظہار کرنا سہل کام ہے مگر کسی کتاب پر تحریری رائے دینا ایک کارِ ادق ہے بہرکیف میں اس پل صراط پر چلنے کی سعی اپنے دوست عمر حیات الحسینیؔ کے حسن ظن کا بھرم رکھنے کے لئے کر رہا ہوں۔

عمر حیات الحسینیؔ ایک بیدار مغز اور سلگتے احساسات کا حامل نوجوان مفکر ہے اس کی بے چین روح میں ایک آگ بھری ہوئی ہے جس کی تپش اس کے ہر ہر لفظ سے ٹپکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ زیر مطالعہ کتاب'' افکار بوستان '' میں عمر حیات الحسینیؔ نے اپنے دقیق وعمیق اور تحقیقی مطالعے کے ذریعے ایک بین الاقوامی مبلغ علامہ بوستان علی قادری کی فکر سے سوالات کے ذریعے کشید کئے گئے جوابات کو خود ہی الفاظ کی شکل دی ہے عمر حیات حسینی صاحب نے قادری صاحب کی فکر کو کھنگالا اور ذہن کو اجالا ہے، کسی عالم کے تبحر علمی سے سارے موتی چن لینا اس کی فکر کو نتھار لینا انتہائی کٹھن کام ہوتا ہے مگر حسینی صاحب نے نہایت ہنرمندی اور مکمل سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اپنے علمی ذخیرے کو بروئے کار لاتے ہوئے اس مشکل کام کو سرانجام دیا ہے ان کی یہ سعی تاریخ کے سنہری باب کی حیثیت رکھتی ہے اس کی جتنی بھی تحسین کی جائے کم ہے۔ واضح رہے کہ علامہ بوستان علی قادری گذشتہ نصف صدی سے زائد عرصہ برطانیہ و دیگر مغربی ممالک میں اسلامی فکر کے فروغ کے لئے کام رکر رہے ہیں وہ ایک ایسے ماحول اور فضا میں کام کر رہے ہیں جہاں ہر شے کو سائینٹفک دلائل کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے پھر کہیں جا کر تسلیم و رضا کی سند سے نوازا جاتا ہے۔ اسلامی فکر کوئی جامد شے نہیں ہے اور نہ ہی اسلام کوئی عام نوعیت کا مذہب ہے کہ جس نے انسان کو فقط آداب معاشرت کے سوا کچھ نہ دیا ہو بلکہ یہ تو ایک دین ہے جس

Marfat.com

نے کائنات کی تمام جہتوں کو کھنگالا اور پھر ایک نظریہ حیات عطا کیا جو قیامت تک کے انسانوں کی فلاح و بہبود اور زندگی گزارنے کا ایک ایسا پیرایہ ٹھہرا جو امتدادِ زمانہ کے تمام تر ڈھنگ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے گویا کہ دین ایک جذباتی عمل کا نام ہے جو اپنے ماننے والوں کو حیات کے تغیر و تبدل کی آگہی سے ہمکنار کرتا ہے اور یہ دین ''اسلام'' ہے جو اس کائنات کی ابدی سلامتی کا ضامن ہے اِس کی اپنی ایک فکر ہے جو انسانیت کا وہ منشورِ عظیم ہے جس نے تہذیب انسانیت کے کٹھن ترین مسائل کا فلسفیانہ اور نفسیاتی بنیاد پر حل پیش کیا ہے جس کے نتیجے میں روحانی اور مادی ترقی کی ایسی راہ ہموار ہوئی کہ جس نے پوری کائنات کی تسخیر کے در وا کر دیے۔ مذاہب عالم کی تاریخ میں فقط ''اسلام'' ہی ایسا مذہب ہے جس نے لوگوں کی نفسیات اور مزاجی کیفیات کو مدنظر رکھ کر جامہ تیار کیا اور اپنے تعمیر کردہ معاشرے کو وہ سامان مہیا کیا جو اس کی ضرورت تھی کیا یہ حقیقت نہیں کہ بعثت نبوی ﷺ کے وقت قوانین کا جو جامہ تیار کیا گیا اس میں عرب کے معاشرہ کی ساخت و پرداخت کا زیادہ دخل رہا بعد ازاں بنیادی قواعد میں ہونے والی تبدیلیوں کو سمیٹنے کی نہ صرف گنجائش و وسعت رکھی گئی بلکہ حوصلہ افزائی اور تاکید کی گئی جو کہ اسلام کی عالم گیریت کا واضح ثبوت ٹھہری۔ پھر اسلام کو کسی ایک دور میں محدود و محفوظ کرنے کی بجائے اس کی فکر کے جدلیاتی پہلو کو اُجاگر کرنے کے لئے فقہائے کرام نے معاشرتی تبدیلیوں کو سمیٹ کر دکھایا۔ جب تک یہ صورتحال رہی مسلمان افق عالم پر تابندہ ستاروں کی مانند چمکتے اور دمکتے رہے پھر مسلم قوم کے زوال نے ایک نئے دور کو جنم دیا نئے افکار و نظریات نے ایمان و اعتقاد کی بنیادیں ہلا دیں۔

معتزلہ جو قرآن کو مخلوق قرار دیتے تھے اور وحی کے بغیر توحید پر ایمان کی بات کرتے تھے۔ عقل کی فرمانروائی کے ان علمبرداروں نے چشمہ حدیث کی برکتوں کی راہ

Marfat.com

میں شاہی سرپرستی میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوششیں کیں انہوں نے شرع کی زبان پر تالے لگا دیے اور انسانی عقل ہی کو ہر شے پر فوقیت دے دی متعدد علوم اس فرقے کی بدولت عالم وجود میں آئے اموی خلیفہ یزید بن ولید بن عبدالملک کے عہد میں ظہور پذیر ہونے والا یہ فرقہ اپنی تمام تر جولانیوں سمیت جلد ہی ماضی کی گپھا میں اتر گیا تاہم ان کی فکر کی چنگاریاں خال خال رہی بعض دانشوروں کے یہاں دکھائی دیتی ہیں زیر مطالعہ کتاب کے باب ''لفظ تقدیر کے معانی'' میں بھی اس کی جھلک نمایاں ہے۔ معتزلہ کے ساتھ ساتھ ''اشاعرہ'' کی گونج بھی سنائی دینے لگی جو اشیا کی فطرت اور مزاج کا کلی طور پر انکار کرتے تھے تاہم ان کے سوچ افکار بھی اپنی موت آپ مر ہو گئے۔ پھر سقوط بغداد کا سانحہ رونما ہوتا ہے جس کے بعد مؤرخین اسلام کے مستقبل کو مایوسی سے دیکھنے لگے اور قدامت پسند مفکرین بھی مسلمانوں کے اس انحطاط کو اسلام کا انحطاط تصور کرنے لگے اور انہوں نے اپنی سارکاوشیں اس امر میں کھپا دیں کہ مسلمانوں کی حیات بھی ایک جمود کی صورت اختیار کرے بقول علامہ اقبال 'وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح ان میں مزید انتشار پیدا نہیں ہوگا، انہوں نے اس کا تدارک اس طرح کیا کہ فقہائے متقدمین نے قوانین شریعت کی تعبیر جس طرح کی تھی اس کو جوں کا توں برقرار اور ہر قسم کی بدعات سے پاک رکھا وہ چاہتے تھے جیسے بھی ممکن ہو اِسلام کی ہیئت اجتماعیہ محفوظ رہے۔'' اور اب عجمی تصوف اپنا رنگ دکھاتا ہے ظاہر و باطن کے حوالے سے تصوف کے معنی دینے والا ایک احساس ادیان عالم میں بھی پایا جاتا تھا تاہم جس طرح توحید کے ساتھ مشرکانہ عناصر کا اختلاط ہوا اور اسلام نے توحید کو اس اختلاط سے پاک کیا اسی طرح قرآن نے بھی ان عناصر کا جائزہ لیا جو تصوف کے رنگ میں بدھ مت، ویدانت وبدانت، عیسائیت اور فلاطینوس کی جدید فلاطونیت میں پائے جاتے تھے تاہم ابتدا اسلام سے نہ کہیں تصوف کا لفظ

Marfat.com

ملتا ہے نہ صوفی کی اصطلاح اور اگر کچھ معرفت الٰہی حاصل کرنے والوں نے اپنے من میں ڈوب کر سراغ زندگی پا ہی لیا تھا تو ان صوفیا نے شریعت کا دامن نہیں چھوڑا بلکہ خدمت خلق کو مقصد شریعت اصل طریقت اور حصول معرفت کا ذریعہ بنایا ان کا اس عجمی تصور تصوف سے کچھ تعلق نہیں جس میں لاتعداد غیر طبعی عناصر موجود ہیں۔ عجمی تصوف نے ''فرار عن الحیات'' کی تعلیم کو فروغ دیا اور اثبات کی بجائے نفی کو جزو جاں بنایا۔ مختصراً یہ کہ مسلمان اپنی میراث گنوا بیٹھے جس کے نتیجے میں دیگر ضعیف و ناتواں اقوام نے مسلمانوں کو روشن پہلوؤں سے روشنی اور تاریک پہلوؤں سے عبرت حاصل کر کے زمانے کی روش تبدیل کر دی اس طرح تاریخ کا دھارا کسی اور رُخ بہنے لگا۔ فکری جمود تہذیبی اور ثقافتی ارتقا کے عمل کو روک دیتا ہے وقت کی رفتار اور زمانے کی ترقیات نے مسلمانوں کے اندر اس احساس کی چنگاری کو ہوا دی کہ کیا اِسلام ان ترقیات کا مقابلہ کر سکتا ہے یا نہیں......؟ یہ ایک سوال تھا جو صدیوں سے جمود کی کیفیت میں ڈوبے مسلم دانشوروں کے ذہن میں جاگا یا ابھرا اور وہ یورپ کی خیرہ کر دینے والی ترقی کو حیرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے پھر ان کی سوچ نے جو انداز اپنایا وہ اسلامی روح سے مطابقت نہیں رکھتا تھا انہوں نے اِسلامی فکر کے ساتھ بھی وہی حشر کرنے کی سعی کی جو دوسرے مذاہب کے لوگ اپنے مذاہب کے ساتھ کر چکے تھے اور مذہبی تعبیرات میں انہوں نے اپنے مذاہب کی اصل روح کو گنوا دیا۔ لیکن اسلام میں اتنی قوت و توانائی تھی کہ یہ اپنے ماننے والوں کی فکری ٹھوکروں کے سامنے چاروں شانے چت نہ ہوا بلکہ اس کی لابدی فکر نے شعور کے سوتوں میں ہل چل مچا دی۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی یہ رہی کہ ابتلا کہ ہر دور میں دروغ مصلحت آمیز کے عروج پر ہونے کے باوجود ایک نہ ایک سچائی ضرورت زندہ رہی عمر حیات الحسینی کی یہ تصنیف اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ میرے پاس کہنے کو یہی کچھ تھا باقی آپ اس کتاب میں تلاش کریں۔

Marfat.com

باب نمبر ا:

مولانا بوستان القادری
فکر وفن اور شخصیت

Marfat.com

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری

برطانیہ میں آباد پاکستانی اور کشمیری کمیونٹی میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جو سفیر اسلام مولانا الحاج محمد بوستان القادری کے نام اور خدمات جلیلہ سے واقف نہ ہوگا۔ اُردو انگریزی اخبارات کا مطالعہ کرنے والے قارئین کے لئے مولانا کی ذات والا صفات سے پہلو تہی کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ مختلف مسائل اور افکار پر ان کی خبریں، بیانات، مضامین اور انٹرویوز اخبارات کا جزو لاینفک ہیں۔ مبلغ اسلام مولانا الحاج محمد بوستان القادری ایک پورے عہد کی تاریخ کا نام ہے۔ آپ ایک ایسی تاریخ ہیں جسے نصف صدی سے برطانیہ میں آباد پاکستانی و کشمیری کمیونٹی کے بزرگ عالم دین الحاج مولانا محمد بوستان القادری نے اپنے رفقاء، علماء و مشائخ کے ساتھ مل کر اپنے خون جگر سے تحریر کیا ہے۔ مولانا کی شخصیت کے مذہبی، سیاسی سماجی اور علمی و عمرانی اور تہذیب اسلامی کی بقاء کی خاطر کاوشوں کے متنوع حوالہ جات ہیں۔ جن پر مستقبل کا مؤرخ لکھے گا۔ تاہم مسلمانوں کے اندر اتحاد اور انسانیت کے اعلیٰ مقاصد کے لئے خلوص نیت کے ساتھ جدوجہد کرنا اور اپنی ذات کو ان مقاصد عالیہ و جلیلہ کے لئے وقف کر دینا ایک معتبر اور مستند حوالہ ہے جس کا اپنے اور بیگانے سبھی اعتراف کرتے ہیں۔ مسئلہ کشمیر ہو یا مشرق وسطیٰ کا بحران ہو، بوسنیا اور چیچنیا کے مسلمانوں کا قتل عام ہو۔ سلیمان رشدی کے خلاف صدائے احتجاج کا مسئلہ ہو یا قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کا تعاقب کرنا ہو یا پھر **امریکی ممالک** میں انسانی حقوق کی پامالی کا سوال ہو ترجمان اتحاد انسانیت الحاج مولانا محمد بوستان القادری اپنی تمام تر ذہنی، فکری، روحانی اور جسمانی توانائیوں کے ساتھ ہمہ وقت تیار ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں گونا گوں صفات عالیہ سے نوازا ہے۔ علمی و فکری توازن و اعتدال ان کی شخصیت کا طرۂ افتخار و امتیاز ہے۔ علم دوستی اور جوہر کی قدر شناسی انہوں نے گھٹی میں پائی ہے۔ ان کتب کی اشاعت کا سہرا الحاج مولانا محمد بوستان القادری کی علمی و دینی خدمات کا ایک سنہری باب ہے۔ دعوت و تبلیغ اور اشاعت و ترویج اسلام کی خاطر انہوں نے ان کتب **کو مرتب کروایا ہے۔** میں اپنے تمام احباب و رفقاء کی طرف سے ان کو ہدیہ تحسین پیش کرتا ہوں۔

Marfat.com

نصف صدی کا قصہ ہے

نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں۔ مولانا محمد بوستان القادری نصف صدی سے زائد مدت پر محیط آپ کے شب و روز ترویج و اشاعتِ دین میں گذر رہے ہیں۔ اس طرح ان کی ذات کو دعوت دین کے سلسلہ میں ایک دائرۃ المعارف کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ علم و فکر کے لعل و گوہر لٹاتے جا رہے ہیں۔ وہ ہر مسئلہ کے بارے میں وسیع تناظر میں سوچنے والے داعی دین ہیں۔ علم کی صدائیں ان کے کانوں میں رس گھولتی ہیں اور علمی کارناموں سے ہی ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ ان کی زبان ان کا ذہن اور ان کا ذہن دن رات حقائق دینی کے موتی اور جواہر لٹاتا ہے۔

شفقتوں کی رِم جھم

الحاج مولانا بوستان القادری جب غریب خانہ پر تشریف لائے تو انہیں دیکھ کر یوں محسوس ہوا جیسے ایک شفیق باپ اپنی اولاد کے درمیان آ گیا ہو۔ اگرچہ بظاہر ان کے اور میرے درمیان ایسا کوئی قریبی رشتہ نہیں ہے سوائے دین و ملت کے تعلق کے مگر واقعہ یہ ہے کہ اگر انسانوں کے مابین حقیقی احترام، محبت اور بے لوثی کا کوئی پائیدار رشتہ ہوتا ہے تو وہ دین ہی کے تعلق سے پیدا ہوتا ہے کیوں کہ اس تعلق کی بنیاد اللہ تعالیٰ سے محبت پر اُستوار ہوتی ہے۔ واضح سی بات ہے کہ دلوں کو جوڑنے کے لئے اللہ و رسول کی محبت سے بڑھ کر محکم بنیاد اور کوئی نہیں ہے۔ یہ تالیف قلوب اور ذہنی ہم آہنگی ایمان کے اُن ثمرات میں سے ہے جو خاص اللہ و رسول کی عنایت ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ مجھ احقر سے اُن کی محبت، اپنائیت اور دلی یگانگت کا مضبوط رشتہ بہت مختصر وقت میں قائم ہو گیا ہے اور جانبین سے اس خصوصی تعلق کا اظہار ہو رہا ہے۔ ان سے مل کر اور ان کی باتیں سن کر روح کو ایسا سکون ملتا ہے جیسے کسی درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں آ بیٹھے ہوں اور ملتان کی گرمیوں کی تپش و تمازت میں یکا یک بادلوں کا کوئی ٹکڑا اُتر آیا ہو۔

Marfat.com

عربی ضرب المثل ہے۔ حمضو امجالسکم یعنی اپنی مجلسوں کا مزہ بدلتے رہو۔ گاہ گاہ میں اس تحمیض کیلئے وقت نکالتا رہتا ہوں تاکہ دماغ بے کیف اور خشک مشغولیوں کے بارِ مسلسل سے تھک کر معطل نہ ہو جائے۔ تحمیض میرے لئے ذہنی عیش ونشاط کا سامان بہم پہنچایا کرتی ہے اور دماغ از سرِ نو تازہ دم ہو جاتا ہے۔ جب مولانا کا خط اور فون آجاتا ہے تو مجھے موقع مل جاتا ہے کہ قلم و تخیل کی جگہ صحبت و مجالست کے ذریعے اپنی مشغولیت کا ذائقہ بدل لوں۔ ان کی ظرافت بے داغ لطافت رکھتی ہے۔ ان کی واقعہ نگاری کی نقش آرائی کا جواب نہیں۔ فکر کا پیمانہ ہر جگہ بلند اور نظر کا معیار ہر مقام پر ارجمند ہوتا ہے۔ ان کی حکایات لذیذہ سے دل لبریز ہو جاتا ہے۔ اِن کی کانوں میں رس گھولتی آواز محبت سامعہ نواز ہوتی ہے تو پریشانیاں دم توڑ جاتی ہیں۔ مولانا بوستان القادری ایک گھنے سایہ دار درخت کی مانند ہیں کہ جس کی چھاؤں میں لوگ سکون و راحت پاتے ہیں۔

مولانا بوستان القادری اسلامی نظامِ حیات کو دنیا میں غالب دیکھنا چاہتے ہیں اور اسی کام کے لئے ان کے شب و روز وقف ہیں۔

مولانا محمد بوستان القادری عصری تقاضوں اور اپنے عہد کے مسلمانانِ عالم کے مسائل کا گہرا ادراک رکھتے ہیں۔ وہ ایسے منفرد نباض ہیں جو ہر بیماری کی بروقت تشخیص کر کے اس کا علاج بھی تجویز کرتے ہیں۔

حضور نبی رحمت ﷺ کی محبت اور عشق اِن کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ ناموسِ دین اور عزتِ رسول ﷺ پر مرمٹنا ان کا مقصدِ زندگی ہے۔ حضرت مولانا محمد بوستان القادری نے اپنے جواں حوصلوں، پاکیزہ جذبات، نیک ارادوں اور خوش خرامیوں سے اہلسنت و جماعت کے وابستگان کو عزت بخشی ہے۔ قوم وملت نے جب بھی قربانیوں کے لئے ان کی طرف دستِ طلب بڑھایا ہے یہ پیچھے نہیں رہے۔ ملت کا کوئی تقدیر ساز کارواں ایسا نہیں جس میں مولانا بوستان القادری مستانہ وار شامل نہ ہوں۔ یہ ہمیشہ قوم کی عزت کو اپنی

Marfat.com

عزت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ملی مفاد کو ذاتی مفاد سے مقدم جانتے ہیں۔ اجتماعی ارتقاء کے لئے انفرادی خوش حالی کو مؤخر سمجھتے ہیں۔ ان کا وجود محبت بانٹتا دکھائی دیتا ہے۔ اِن کا وعظ و خطاب اور کلام پیار تقسیم کرتا ہے۔ ان کے زاویہ نگاہ سے خدا پرستیوں کی روشنی طلوع ہوتی ہے۔ ان کے زیر اہتمام چلنے والے مدارس اور مساجد سے سچ وصدق کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ مولانا بوستان القادری اپنے مشائخ کی طرح قوم کو جوڑنے کا درس دے رہے ہیں۔ ان کے ہم نوا علماء اور رُفقاء و مصاحبین ملت کی نے نوازیاں کرر ہے ہیں۔ ان کے بچوں کے منہ میں عشق رسول ﷺ کے نعرے ہیں۔ اِن کی اولاد اور پوتوں کے سینے حب رسول سے گرم ہیں۔ مولانا بوستان القادری کی بچیاں عفت وعصمت کی خوشبوئیں سمیٹ رہی ہیں۔ ان کے اہل وعیال ہمہ وقت یا نبی اللہ کی صداؤں سے ایمان وعشق کو گرمار ہے ہیں۔ کیونکہ مولانا بوستان القادری کا خاندانی ورثہ سوز وساز، ان کی دولت درد وآہ، ان کی سوچیں حب ومروت، ان کے عمل دین و صبر، ان کے جذبے سلوک واحسان اور ان کا مقصد تسلیم ورضا ہے۔ مولانا بوستان القادری نے گھٹی میں اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کا عرفان پایا ہے اور تربیت میں رسالت کی تقدیس کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ اصحاب رسول کی محبت اور اہل بیت کی محبت میں جذب وجنوں کی گل پاشیاں ان کے ہی اسلاف کی تعلیمات ہیں۔ توحید میں سرشاری اور بندگانِ خدا کی تعظیم ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

قرآن اور صادب قرآن ﷺ کے نظام حیات ہونے کی بات کرنا ان کا شیوہ ہے۔ ختم نبوت کے گرد پہرہ دینا ان کا معمول زندگی ہے۔ توحید وسنت کا نغمہ ہو یا قرآن وسنت کا پرچم ہر ایک پیغام میں اعتدال وتوازن کا درس دینا ان کا وصف خاص ہے۔ تشکیک واضطراب کی برفانی سلوں کو یقین محکم کی گرمی سے پگھالتے ہیں۔ بے ترتیبی سے بچاتے ہیں۔ باخدا بن کر رہنے کا درس دے رہے ہیں۔ مبالغہ نہیں حقیقت ہے زمانہ گواہ ہے کہ مولانا بوستان القادری ہر تحریک کے ہراول دستہ میں شامل ہیں۔ عصر حاضر میں صفِ اول کے لوگوں میں شامل ہوکر

Marfat.com

پرچم اِسلام کو بلند کیا ہوا ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں نیک جذبوں کے بجائے وسواس، سوءِ ظنی، خود پرستی اور خودغرضی ہو اُن کو حضرت مولانا بوستان القادری کا وجود کھٹکتا ہے۔ کیونکہ یہ بیمار لوگ ہیں اور اِن کے دماغ ماؤف ہو چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کے اعمال میں سنت کے نور کے برعکس خرافات کی گھمبیر سیاہیاں پھیل رہی ہیں۔ دولت گیری کے مرض میں مبتلا صاحبزادگان اور مسند نشینیان کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے مفادات کی خاطر بک جانے والوں کو راہ عزیمت کی نشاندہی کرتے نظر آتے ہیں۔ دوسروں کی تاریکی کے گرویدہ ہونے والوں کو حکیمانہ انداز میں نصیحت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بادشاہوں کی دہلیز پر بوسہ دینے والوں کو اسلاف کی راہ دکھاتے ہیں۔ دام فریب میں اُلجھانے کے حیلے ڈھونڈنے والوں کو خوب متنبہ کرتے ہیں۔ مولانا بوستان القادری اُن لوگوں کا بانگ دُھل احتساب کرتے ہیں جو جاتے اتحاد کو ہیں کرتے افتراق ہیں۔ بات ایک ہونے کی کرتے ہیں اور عمل انتشار وتخریب کے بجالاتے ہیں۔ اِنہیں اِس بات کا بڑا دُکھ ہے کہ اربابِ علم و دانش کا اعتماد مجروح ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ کوئی کسی پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں کسی کو کسی پر یقین نہیں آتا۔ ہر ایک دوسرے کو مغرب اور امریکہ کا ایجنٹ سمجھتا ہے اور دوسرا پہلے کو سرخوں کا کف گیر قرار دیتا ہے۔ مولانا بوستان القادری باخبر مبلغ اور خود آگاہ خطیب اِسلام ہیں۔ جانتے ہیں کہ کون اچھا اور کون برا ہے؟ کون نیک اور کون بد ہے؟ کون سلجھا ہوا اور کون اُلجھا ہوا ہے، کہاں نیکی کا دعویٰ اور پارسائی کا ڈھنڈورہ پیٹا جاتا ہے؟ لیکن مولانا بوستان القادری کے تحمل اور بردباری کی داد دینا پڑتی ہے کہ نہ کسی کی پارسائی کا بھرم توڑتے ہیں اور نہ کسی کے خراباتی ہونے کی ہٹ کرتے ہیں نہ اپنے عالم ہونے کی جسارت کرتے ہیں اور نہ دوسروں کے جاہل ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔ مولانا چھوٹوں سے سبق سیکھنے کا درس دیتے ہیں۔ کفر و طاغوت کی چال بازیوں، منافقین اور مفسدین فی الارض کے مکروفریب کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ حضرت مولانا بوستان القادری یادگار اسلاف ہیں۔ رازیؒ و غزالیؒ کے فکر و خیال، جیلانیؒ و بصریؒ کے تقویٰ، ایوبی و قاسم کی

Marfat.com

تلواریں، ابو حنیفہؒ و باقرؒ کی بصیرتیں، خواجہ غریب نوازؒ و امامؒ ربانی کی تبلیغی حکمتیں، قرطبی و اندلسی کی نکتہ سنجیاں، بخاری و مسلم کی احتیاطیں، بہلول و منصور کے جذبے، رومی و جامی کے نالے، سیوطیؒ و سمرقندی کی قلم کاریاں اور مہر علیؒ و رضاؒ کا عشق و عرفان کی ترجمانی و وکالت اور ان کے روشن کئے ہوئے راستے پر پوری ثابت قدمی سے گامزن ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حق کی قدریں متعین اور یکساں ہوتی ہیں۔ اِن کا اُسلوب بیان متفاوت ہوسکتا ہے لیکن نظری مرکز ایک ہی ہوتا ہے اور ایک ہی رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل صدق و صفا ہر زمانہ میں اور ہر دور میں کسی ایک ہی سوچ کو قوت دیتے ہیں اور ایک ہی نکتہ پر جمع رہتے ہیں۔ فکری انتشار سچے اور کھرے لوگوں سے دور رہتا ہے۔ وہ جہاں بھی ہوں، جدھر بھی ہوں اور جیسے بھی ہوں اُمتِ واحدہ ہوتے ہیں۔ اِن کے لباس بدل سکتے ہیں۔ ان کے پیکر بدل سکتے ہیں۔ اِن کے مظاہر مختلف ہوسکتے ہیں۔ ان کی شخصیات متنوع ہوسکتی ہیں۔ اِن کی جہتیں متعدد ہوسکتی ہیں لیکن ان سب کی روح، ان سب کے دل، ان سب کے مقصد، ان سب کے ضمیر اور اِن سب کے باطن کسی ایک ہی چیز کو اُٹھانے اور قائم کرنے میں سرگرداں ہوتے ہیں۔ بلاشبہ مولانا بوستان القادری صاحب صدق و صفا مبلغ اور عالم دین ہیں۔ ان کی کاوشوں میں وحدت اور تسلسل پوری طرح قائم ہے۔ انہوں نے نہ الگ مذہب گھڑا ہے، نہ الگ مسلک بنایا ہے، نہ الگ فرقہ اور جماعت بنائی ہے۔ جمہور اُمت کے افکار و نظریات کے عالمی مبلغ ہیں۔ سچا دل رکھتے ہیں اس لئے خود پسندی سے کوسوں دور ہیں۔ اِن کا سینہ بے کینہ کدورت سے خالی ہے۔ دل سے محبت کے سوتے پھوٹ رہے ہیں۔ چاہتوں سے معمور چہرہ فیض بانٹتا ہے۔ پیار کا دریا انگ انگ سے رواں ہوتا ہے۔ الحاج مولانا بوستان القادری بڑے ظرف والے ہیں۔ اِس لئے اُنہوں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ ظرف چھوٹا ہو تو دعوے کثیر ہوتے ہیں۔ تربیت میں خامی ہو تو زندگی کی اساس محکم اُصول نہیں ہوتے بلکہ پریشان خواب، اوچھے وار، بیمار و لاچار حکمت عملیاں اور فاسد پالیسیاں ہوتی ہیں جو آئے روز گرگٹ کے رنگ کی طرح بدلتی رہتی ہیں۔ ایسی سفلی حرکات اچھے

Marfat.com

اچھے لوگوں کو دیوانہ بنا دیتی ہیں۔ شہرت کے پجاری اور نفسیاتی خوش فہم آخر تحریکوں اور تنظیموں کا سفینہ ڈبو کر رکھ دیتے ہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے ممدوح محترم مولانا بوستان القادری کو جنہیں معاصرین نے مبلغ اسلام، خطیب اہلسنت، ترجمان مسلک اہلسنت، محافظ دین اور محبوب العلماء والمشائخ جیسے القابات عطا کئے ہیں، اِن حرکات سے باخبر ہو کر کوسوں دور ہیں۔ ان کے جذبے مبارک ہیں۔ اُمنگیں عظیم ہیں۔ طلب خوبصورت ہے۔ اِن کا تقدیر بدل سفر بڑا پختہ اور نہایت واضح ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر سفر کا آغاز اخلاص سے ہوتا ہے اور اختتام تجارت پر ہوتا ہے۔ مولانا بوستان القادری کی نصف صدی سے زائد زندگی کے ماہ و سال بے لوث، بے غرض، باوفا اور باخدا دکھائی دیتے ہیں۔ سیم و زر اِن کا مقصد زیست کبھی نہیں رہا۔ اِن کی سوچ تاریخ سازی نہیں بلکہ دل سازی کی روشن دلیل ہے۔ مولانا بوستان القادری نام اور کام دونوں کا حسین مرقع ہیں۔ اِن کا کہنا ہے کہ کام کرو، کام کرنا جرم نہیں، جرم تو ریا کاری اور حبِ شہرت ہے۔ مولانا بوستان القادری دوٹوک لفظوں میں بیان کرتے ہیں کہ علم حاصل کرو علم حاصل کرنا برائی نہیں برائی تو اپنی ذات کے علاوہ سب کو جاہل سمجھنا ہے۔ اِن کے نزدیک وعظ کرو وعظ کرنا پیشہ نہیں پیشہ تو خوبصورت لب ولہجہ کو داموں یا شہرت کے عوض بیچنا ہے۔

مولانا بوستان القادری کا اندازِ تکلم ایسا ہے کہ جو مجھے متاثر کر گیا ہے۔ اپنے تمام تر علم و فضل کے باوجود طالب علمانہ انداز میں مجھ جیسے کم مایۂ و بے مایۂ کو فرمایا کرتے ہیں کہ حسینی صاحب جو رائے آپ کی ہے وہی میری ہے۔ میرے کسی سوال کے جواب میں کبھی بناوٹی گفتگو نہیں کرتے۔ یہی صاحبانِ کمال کا مزاج اور وصف ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ جستجو میں رہتے ہیں اور طالب علم بن کر رہتے ہیں۔ اپنے آپ کو ''علامہ'' سمجھنے والے دراصل خود کو علم سے دور کر لیتے ہیں۔ خود کو ''شیخ کامل اور مرشدِ برحق'' قرار دینے والے رُشد و ہدایت سے محروم رہ جاتے ہیں اور خود کو ''قادر الکلام اور ابوالکلام'' کہنے والے حسنِ کلام سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ جب کہ سچا عالم، کھرا شیخ اور بھلا متکلم عمر بھر جوہر علم، نور ہدایت اور حسنِ کلام کی تلاش میں رہتا ہے۔ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے انہیں عقل سلیم اور قلب منیب عطا فرمایا ہے۔ وافر حکمت، گہری دانش، اونچی سوچ اور پاکیزہ فکر سے نوازا ہے۔ ان کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ دیار مغرب میں نصف صدی سے مقیم ہیں اور بجا طور پر قلندرانہ آواز بلند کرتے نظر آتے ہیں کہ خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش افرنگ۔ ہمیشہ خاکِ مدینہ و نجف کو سرمہ بصیرت قرار دیتے رہے۔ اِن کے وجود میں دینِ مبین کا آبِ صافی کبھی گدلا نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اِن کے فیض کا دریائے نور کبھی خشک نہیں ہوا۔ مساجد، مدارس، تنظیموں اور تحریکوں کی صورت میں اصلاح اور خیر کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ برطانیہ کے مقیم مسلمان بخوبی جانتے ہیں کہ مولانا بوستان القادری ہر کارِ خیر میں دامے، درمے، سخنے، قلمے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں بلکہ قیادت و سیادت اور رہنمائی کا حق ادا کرتے ہیں۔ اِسلامی صحافت اِن کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اِسلام کی دعوت و تبلیغ اور تعلیم کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں وہ سرشار رہتے ہیں۔ دیارِ مغرب میں بھی مولانا بوستان القادری کا دل کشمیری و پاکستانی مسلمانوں کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ ہر مقام پر اپنی پہچان اور اپنا تشخص قائم رکھتے ہیں۔ اِن کا جسم کشمیری و پاکستانی ہے تو رُوح خالصتاً اِسلامی و روحانی ہے۔ اِن کی روح اور اِن کا ضمیر بدیسی اور پردیسی نہیں ہے۔ خالص اِسلامی ہے۔ اِس لئے ہر مسلمان ملک کے دُکھ سکھ میں عملاً شریک ہوتے ہیں۔ عالمی سطح پر کشمیری، افغانی، فلسطینی، عراقی اور دیگر مظلوم مسلمانوں کے صحیح ترمؤقف کی دوٹوک وکالت کرتے ہیں۔

مولانا الحاج بوستان القادری کہا کرتے ہیں کہ مایوسی کفر ہے اور مسلمانوں میں مایوسی پھیلانا اِس سے بھی بڑا جرم ہے۔ اِسی لئے حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا" من قال هلک المسلمون فهو اهلكهم"۔ جس نے کہا مسلمان ہلاک ہوئے گویا اُس نے خود اُنہیں ہلاک کیا۔ اِس فرمانِ عالی شان کے تحت مولانا بوستان القادری مسلمانوں کا حوصلہ بلند رکھتے ہیں اور انہیں رُوبہ کار رکھنے کی سعی بلیغ کرتے رہتے ہیں۔ اِن کے وقت میں بڑی برکت ہے۔ مولانا محمد بوستان القادری کو جب بھی دیکھو مصروف اور بے حد مصروف نظر آتے ہیں۔

Marfat.com

صحافت میں مصروف، تقریر میں مصروف، رابطوں میں مصروف، میٹنگز میں مصروف، جلسوں میں مصروف، مساجد کی تعمیر و ترقی میں مصروف، مدارس کے اجلاسوں میں مصروف، دکھی مسلمانوں کی مدد و نصرت کے لئے اجتماعی لائحہ عمل وضع کرنے کے لئے مشاورتی اجلاسوں میں مصروف غرض کہ ان کے شب و روز کا تین چوتھائی حصہ خدمتِ دین میں بسر ہوتا ہے۔ علماء، مشائخ اور اربابِ علم و دانش سے بذریعہ خط، فیکس اور فون رابطوں کا سلسلہ بھی بڑا طوالانی ہے۔ انہیں برابر حالات سے آگاہ کرتے رہنا اور اُن کے جذبوں کو مہمیز لگاتے رہنا اِن کا معمول زندگی ہے۔ مراسلت و مکاتبت میں اِن کی مصروفیت ایسی ہے کہ وقت گذرنے کا احساس نہیں ہوتا۔ اِن تمام مصروفیات کے باوجود یوں لگتا ہے کہ جیسے بوستان اہلسنت بالکل مصروف نہ ہوں۔ ہمہ وقت مستعد اور چاک و چوبند نظر آتے ہیں۔ جب بھی انہیں ملیں اور ان سے ہمکلام ہوں تو اِتنی محبت سے، اِتنے تپاک سے، اتنے پیار سے ملتے ہیں جیسے سارا خلوص آپ ہی کے لئے ہے۔ مولانا بوستان القادری سے ملنا بھی ایک چمن کی سیر کے مترادف ہے۔ جیسے ایک گلستان و بوستان و چمنستان کی سیر میں مختلف پھولوں کی مہکار و خوشبوؤں سے دماغ معطر و معنبر ہو جاتا ہے اِسی طرح حضرت سے ملاقات کر کے بھی بہاروں کا لطف محسوس ہوتا ہے۔ وہ عاشقوں، محبین و مخلصین کے عاشق ہیں اِسی لئے عشاق کے قافلے کے سپہ کارواں ہیں۔ عاشق رسول ﷺ مولانا امام احمد رضا خاں محدث بریلویؒ کے افکار و نظریات کے عالمی ترجمان ہیں۔ وہ بیعت ہوئے تو حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کے خلیفہ حضرت شاہ ضیاء الدین مدنیؒ سے۔ متعدد مشائخ نے خرقہ خلافت عطا کیا ہے۔ تمام سلاسل طریقت میں مجاز بیعت ہیں۔ صوفیاء کے مشرب محبت کے داعی ہیں۔ کوئی عالم اور دانشور ایسا نہیں جو آپ کی محبتوں اور چاہتوں کی خوشبو سے سرشار نہ ہوا ہو۔ مولانا بوستان القادری کا فیضان اندرون و بیرون ملک جاری و ساری ہے۔ مولانا کے احوال و آثار پر باقاعدہ ٹھوس کتاب کا مواد تیار ہو رہا ہے۔ اِن کے فکر و فن اور شخصیت پر لکھا جا رہا ہے۔ چیدہ چیدہ عنوانات ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

(1) مولانا بوستان القادری معاصرین کی نظر میں

(2) مولانا بوستان القادری اپنے رفقاء واحباب کی نظر میں

(3) مولانا بوستان القادری علماء ومشائخ کی نظر میں

(4) تلامذہ ومریدین ومتوسلین سے حسن سلوک

(5) بحیثیت معلم

(6) بحیثیت خطیب

(7) بحیثیت منتظم

(8) بحیثیت معاون

(9) بحیثیت طالب علم

(10) بحیثیت صحافی

(11) بحیثیت ناشر

(12) بحیثیت مشیر

(13) بحیثیت مربی ومرشد

(14) بحیثیت تنظیمی وتحریکی رہنما

(15) بحیثیت دانشور

(16) بحیثیت مکتوب نگار

غرض کہ مولانا بوستان القادری کی پرت در پرت جگمگاتی شخصیت کے بے شمار پہلوؤں پر مواد اکٹھا کیا جارہا ہے۔ تاکہ مبلغ اسلام کی حیات ظاہری میں لکھ کر انہیں خراج تحسین پیش کیا جاسکے۔

Marfat.com

فکر اقبال کے عالمی ترجمان مولانا محمد بوستان القادری

صدر اتحاد العلماء کونسل برطانیہ

Marfat.com

والد گرامی حکیم نور عالم القادریؒ

برادر اکبر ڈاکٹر غلام ربانیؒ

برادر اصغر ڈاکٹر محمد زمان القادری

برادر اصغر الحاج حکیم محمد سلیمان القادری

صاحبزادہ فاروق احمد القادری آزاد کشمیر کے چیف جسٹس محمد یونس رکھوی کے ہمراہ برطانیہ میں۔

مولانا بوستان القادری درمیان میں کھڑے ہیں دائیں بائیں بیٹوں اور پوتوں سے ہرا بھرا بوستان مہک رہا ہے جن میں صاحبزادہ فاروق احمد القادری، صاحبزادہ ممتاز القادری، صاحبزادہ نعیم القادری، صاحبزادہ طاہر القادری اور پوتوں میں عمر فاروق القادری، فیصل ممتاز القادری، احمد القادری، مرتضیٰ ممتاز القادری، بدر القادری اور فیضان بوستان القادری تصویر میں کھڑے نظر آرہے ہیں جبکہ پوتی صائمہ القادری جواب بارایٹ لاء بیرسٹر ہے

مولانا بوستان القادری اپنے بیٹوں اور پوتوں کے ہمراہ براجمان ہیں۔

ڈاکٹر غلام ربانی اپنے بھتیجے داماد صاحبزادہ فاروق احمد القادری کی شادی کے موقع پر۔

صاحبزادہ فاروق احمد القادری کا بیٹا صاحبزادہ عمر فاروق القادری

مولانا بوستان القادری کے پوتے محمد بدر نعیم بوستان القادری فیضان بوستان القادری، پسران محمد نعیم بوستان القادری محمد نعیم سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں مولانا بوستان القادری اکثر و بیشتر ابو نعیم کنیت بھی اسی نام سے کرتے ہیں

برٹش پارلیمنٹ میں پہلے کشمیری نژاد پاکستانی مسلمان ممبر آف پارلیمنٹ مرزا خالد محمود کے ہمراہ مولانا بوستان القادری اور صاحبزادہ فاروق احمد القادری رنگارنگ جھنڈوں کے جھرمٹ میں کھڑے ہیں

Marfat.com

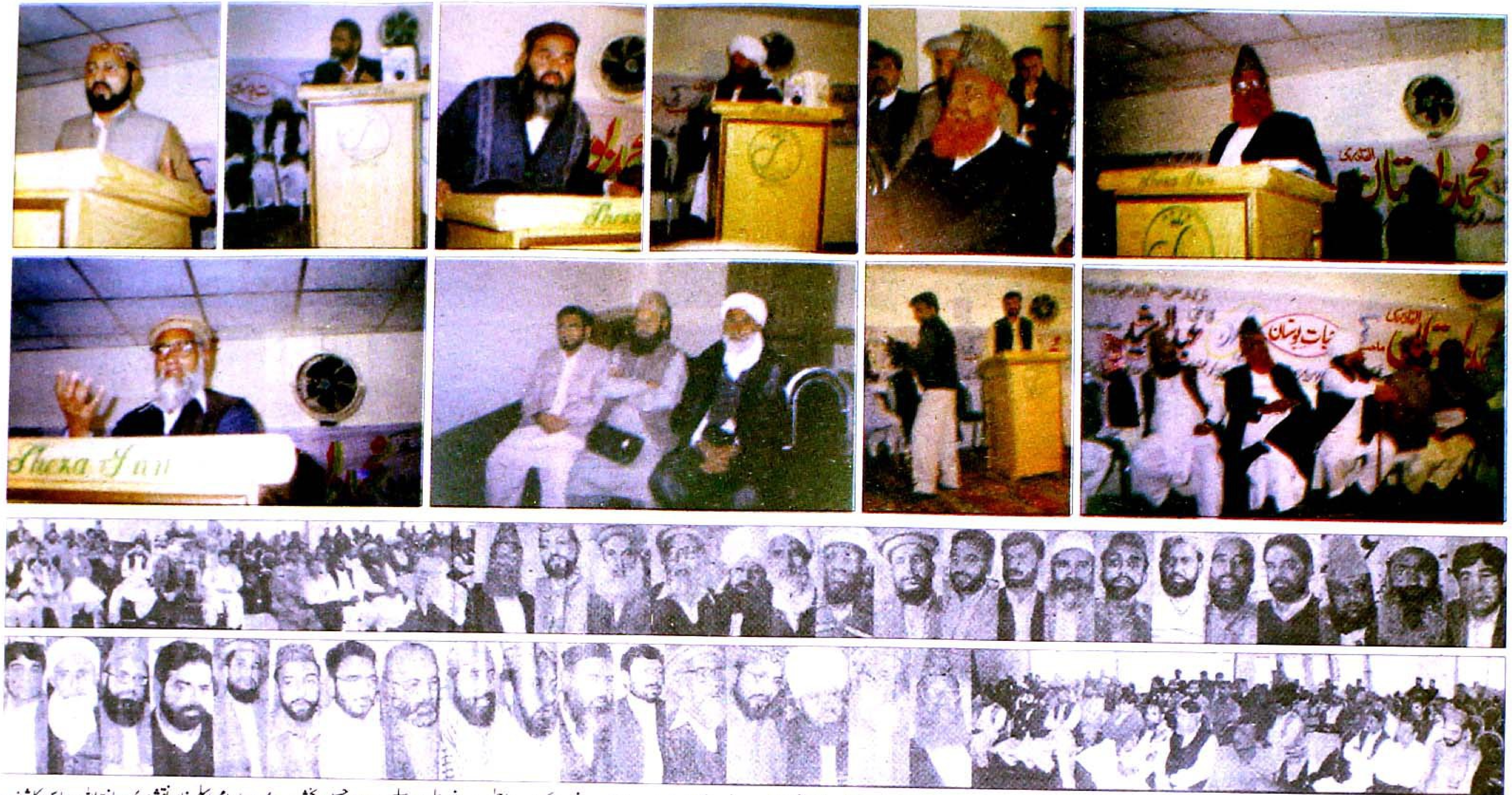

حیات بوستان کے ''گلہائے رنگا رنگ'' کی تقریب رونمائی 26 جنوری 2004ء ملتان کے مشہور ہوٹل شیزاان میں منعقد ہوئی جس میں مفتی غلام مصطفیٰ رضوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف سیالوی، پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن، پروفیسر علی اصغر سلیمی، مولانا حسین بخش سروری، مولانا محمد اسلم خان نقشبندی، حافظ اللہ دتہ بوسن کاشف،
میاں انتظار حسین قریشی، پروفیسر ڈاکٹر محمد حسین آزاد، ڈاکٹر محمد طاہر خان خاکوانی، سید خالد محمود بخاری، خواجہ ظہور احمد بٹ، مفتی ہدایت اللہ پسروری اور مرتب کتاب محمد عمر حیات الحسینی نے اظہار خیال کیا جبکہ صدارات صاحبزادہ قاضی عبدالرشید نے کی اور مہمانان گرامی میں حاجی سکندر حیات خان بوسن پیر سید محمد اشفاق احمد بخاری،
حاجی ملک لیاقت علی خان بوسن اور مولانا بوستان القادری نمایاں ہیں

Marfat.com

تقریب رونمائی کے شرکاء میں علامہ غلام شبیر سواگی، مفتی خورشید احمد نظامی، ضیاء بلوچ کالم نگار روزنامہ نیا دن، ایم ایم ادیب کالم نگار روزنامہ اوصاف
حاجی حکیم محمد معصوم، پروفیسر فضل کریم، مفتی عبید الرحمٰن، خالد محمود نمایاں ہیں

ڈاکٹر سید طالب حسین قادری "مُلمّعائے رنگا رنگ" کا مطالعہ کر رہے ہیں

المرکز القادریہ بستی بوسن ملتان۔ صاحبزادہ سید خالد محمود بخاری مہمانانِ گرامی کیلئے دُعا کر رہے ہیں

سید طاہر علاؤالدین اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بستی بوسن ملتان کی لائبریری میں مولانا بوستان القادری کتب کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

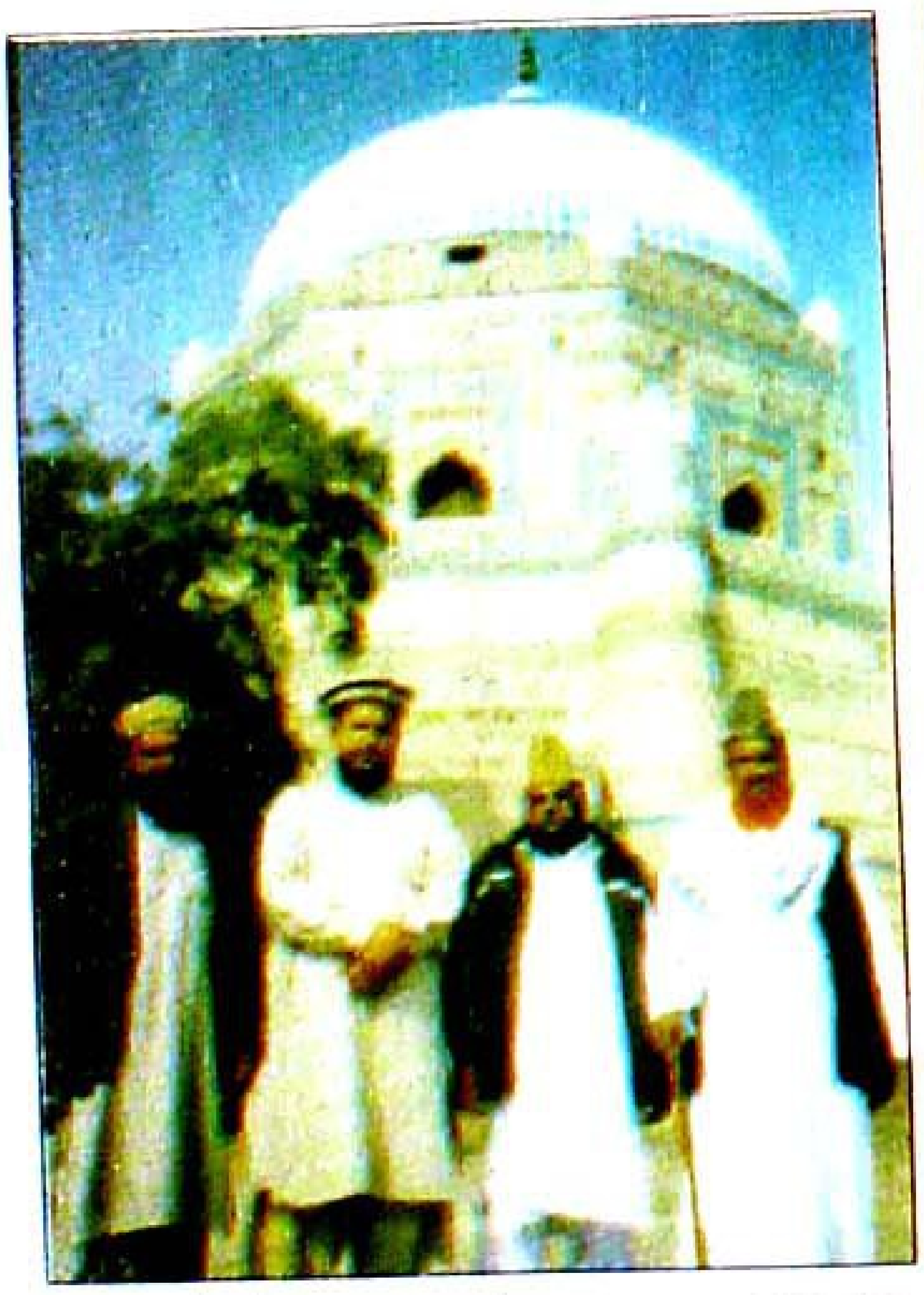

جنوری 2004ء دورہ مدینۃ الاولیاء ملتان کے دوران دربار عالیہ شاہ رکن عالم حاضری کے موقع پر صاحبزادہ قاضی عبدالرشید، مولانا محمد اسلم خان نقشبندی اور مولانا بوستان القادری

ملک بشیر احمد بوسن، ملک حاجی محمد قاسم بوسن، ملک محمد حسنین بوسن، ملک سبطین بوسن اور ملک ناصر نواز، مولانا بوستان القادری کے ہمراہ کھڑے ہیں

Marfat.com

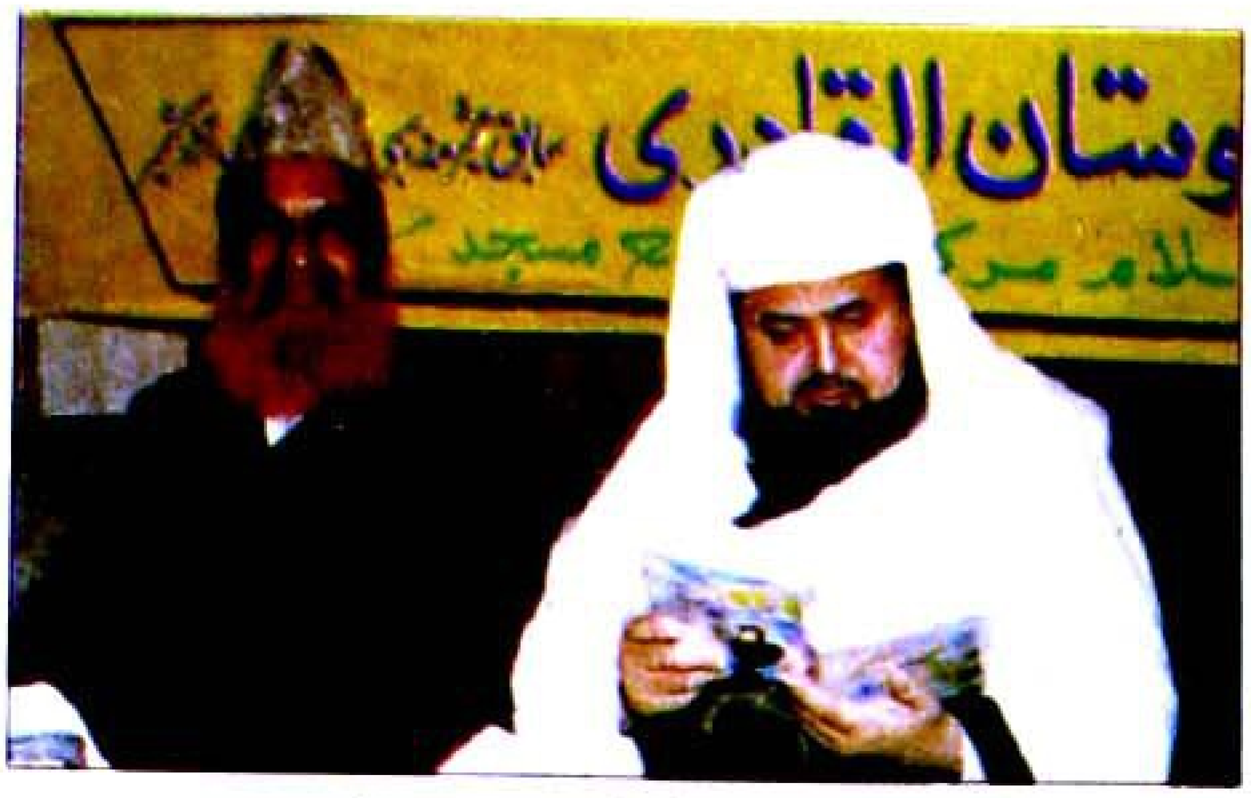

تقریب رونمائی کے دوران صاحبزادہ پیر عتیق الرحمٰن کتاب "حیات بوستان" کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

"حیات بوستان" کی تقریب رونمائی 31 جنوری 2004ء میرپور آزاد کشمیر کے سرمد ہوٹل میں منعقد ہوئی صدارت مولانا بوستان القادری نے کی تلاوت کے فرائض ... نے سر انجام دیئے ... پروفیسر محمد اشتیاق ہاشمی نے اظہار خیال کیا ... بھی موجود ہیں۔

دھیرکوٹ 2004ء مولانا بوستان القادری مولانا فضل الرحمٰن کو "حیات بوستان" کی کاپی پیش کر رہے ہیں ان کے ساتھ مولانا ... کھڑے ہیں۔

سابق وزیر اعظم پاکستان محترمہ بینظیر بھٹو مولانا بوستان القادری "حیات بوستان" کی کاپی پیش کر رہے ہیں ان کے ہمراہ ...
آصف علی، چوہدری ... صاحبزادہ فاروق ... القادری بھی ساتھ ہیں۔

اگست 1995ء میرپور آزاد کشمیر میں اسلامی یکجہتی کونسل کے قیام کے موقع پر میلاد و سیرت مصطفیٰ کانفرنس مولانا بوستان القادری کی صدارت میں منعقد ہوئی علامہ سید عبدالرحمٰن بخاری، مفتی روئیس خان ایوبی، پروفیسر محمد رفیق، پروفیسر محمد یوسف فاروقی، عبدالخالق انصاری ایڈووکیٹ، چوہدری محمد ریاض، علامہ حفیظ الرحمٰن غزالی، مفتی محمد امین، محمد عمر حیات الحسینی، پروفیسر طارق امین قاسمی اور مولانا نذیر احمد مرحوم اظہار خیال کر رہے ہیں۔

حراکیڈمی میرپور آزاد کشمیر میں مولانا بوستان القادری انٹرویو دیتے ہوئے۔ انٹرویو پینل میں مرتب کتاب محمد عمر حیات الحسینی پیرزادہ محمد یوسف، محمد علی خضر، صاحبزادہ قاضی عبدالرشید، مولانا نذیر احمد شامل ہیں

مولانا بوستان القادری بانی اسلامی یکجہتی کونسل میرپور کی قیادت میں تمام مکاتب فکر کا ایک نمائندہ وفد وزیر اعظم سردار عبدالقیوم خان سے امتناع قادیانیت کے موضوع پر اظہار خیال کر رہا ہے۔

Marfat.com

مولانا بوستان القادری مولانا شاہ احمد نورانی مرحوم کو کتاب "علماء و مشائخ برطانیہ" پیش کر رہے ہیں۔ رجب سلیم اختر ساتھ کھڑے ہیں

مفتی عبدالقیوم ہزاروی دورہ برطانیہ کے دوران مفتی گل رحمن قادری اور مولانا بوستان القادری کے ہمراہ ایک نشست میں۔

دورہ ساؤتھ افریقہ کے دوران مفتی محمد اکبر ہزاروی اپنے ادارہ کی جانب سے کنزالایمان کی تفسیر انگلش زبان میں شائع کی گئی ہے وہ مولانا بوستان القادری کو پیش کر رہے ہیں۔

ہاؤس آف لارڈ لندن میں منعقدہ ایک کانفرنس کہ مذہب اسلام رواداری امن و آشتی کا درس دیتا ہے ہاؤس آف لارڈ کے مسلم کشمیری نژاد رکن لارڈ نذیر احمد، مولانا بوستان القادری، امریکہ کے نوجوان مبلغ الشیخ حمزہ یوسف، چوہدری عظیم، حافظ جمشید موجود ہیں۔

برمنگھم انٹرنیشنل سی کانفرنس کے موقع پر مولانا بوستان القادری، کویت کے سابق وزیر اوقاف یوسف ہاشم الرفاعی، سید ہاشمی میاں، مسعود الازہری، مفتی محمد افضل، پیرزادہ سردار احمد قادری ایک نادر و نایاب قرآن کریم کی رونمائی کر رہے ہیں۔

لندن میں مختلف المذاہب کی منعقدہ کانفرنس کے بعد مولانا بوستان القادری آرچ بشپ آف کنٹربری اور چوہدری محمد عظیم

ڈاکٹر محمد زمان القادری (برادر اصغر مولانا بوستان القادری) بزم رضا برمنگھم کے زیر اہتمام منعقدہ جشن میلاد النبی کے ایک بڑے جلسہ کی صدارت کر رہے ہیں انکے ساتھ حاجی محمد بشیر، ڈاکٹر حبیب احمد پیرزادہ، مولانا محمد رفیق چشتی، صوفی محمد اسلم پر تشریف فرما ہیں۔

مرکز اہلسنت جامع مسجد رضا کے بانی و مہتمم مولانا محمد بوستان القادری کی زیر صدارت جلسہ دستار فضیلت، مقابلہ حسن قرات کے مہمان خصوصی قاری خوش محمد الازہری اظہار خیال کر رہے ہیں۔ اسٹیج پر مفتی محمد عبدالمالک اور خطیب مسجد مولانا سراج الحق فیضی موجود ہیں۔

Marfat.com

حضرت صاحبزادہ پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی مولف کتاب محمد عمر حیات الحسینی بوسن کے گھر (بستی بوسن اُتاڑ ملتان) دعوت کے موقع
پر اور آپ کے ہمراہ علامہ ممتاز احمد چشتی، سید محمد کاظم بخاری، سیّد کلیم اللہ بخاری، سیّد سعید احمد بخاری موجود ہیں

فتاویٰ حکمیہ اور ''حیات بوستان'' کی تقریب رونمائی 31 جنوری 2004ء میر پور آزاد کشمیر کے معروف ہوٹل جبیر میں منعقد ہوئی صدارت مولانا بوستان القادری نے کی نظامت
کے فرائض کے، ڈی چوہدری نے انجام دیئے مہمانان گرامی میں پیر عتیق الرحمٰن فیض پوری، پیر قاضی عبدالرشید نمایاں ہیں۔ ریاض عالم ایڈووکیٹ، مولانا نذر حسین سروری،
علی محمد چاچا مرتب کتاب محمد عمر حیات الحسینی اور مولانا اسلم خان نقشبندی، پروفیسر محمد اشفاق جلالی نے اظہار خیال کیا۔ جبکہ مولانا محمد بشیر مصطفوی اسٹیج پر موجود ہیں۔

Marfat.com

پی این اے کے صدر مولانا مفتی محمود صاحب نے 1977ء میں برطانیہ کا دورہ کیا برطانوی برانچ پی این اے کے صدر مولانا محمد بوستان القادری استقبالیہ کمیٹی کے ہمراہ مہمان خصوصی کا استقبالیہ ہال میں آمد پر استقبال کر رہے ہیں۔

پی این اے کے صدر مفتی محمود صاحب بریڈفورڈ کے سینٹ جارجز ہال میں ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کر رہے ہیں اسٹیج پر مولانا محمد بوستان القادری، مولانا سیف الرحمٰن کے علاوہ دوسرے زعماء اسٹیج پر براجمان ہیں۔

پی این اے کے صدر مولانا مفتی محمود صاحب استقبالیہ نشست کے دوران مولانا محمد بوستان القادری کے سوالات کا جواب دے رہے ہیں۔ مولانا سیف الرحمٰن کے علاوہ ایستادہ یعنی کھڑے احباب میں مولانا جیلانی صدیقی برادر اکبر مولانا شاہ احمد نورانی دوسرے احباب کے ہمراہ حکیم محمد یوسف رانا بھی اسٹیج پر موجود ہیں

Marfat.com

باب نمبر۲:

تجدید واحیائے دین کا منہاج

Marfat.com

اِسلام اور اِس کا ہمیشہ رہنا

سوال: کیا اسلام کا تسلسل ماننا ضروری ہے؟ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: اِسلام اگر ایک زندہ دین ہے تو تاریخ کے ہر دور میں اِس کا زندہ رہنا ضروری ہے۔ زندگی تسلسل کے بغیر زندگی نہیں اور اِس کے سب دَور آپس میں زنجیر کی کڑیوں کی طرح مربوط و منظّم ہونے چاہئیں۔ دین اِسلام تاریخ کے ہر دور میں رہا خواہ کسی پیمانے میں رہا اور ناسازگار حالات میں سے اِسے کیسے ہی کیوں نہ گذرنا پڑا! دینِ اِسلام کی شاہراہِ حیات ہر دور میں موجود رہی اور اِس پر کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا کہ اِس کی اساسی حیثیت کلیتاً مٹ چکی ہو اور آئندہ پھر نئے سرے سے اِسلام کا طلوع ہوا ہو۔ دینِ اِسلام کی غایتِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی معرفت، اُس کی رضا جوئی اور اُس کے احکام کی تعمیل ہے۔

وہی ذات واجب الوجود اِس شاہراہِ مسلسل کی آخری منزل ہے۔ تمام انبیاء و رسل عظام علیہم السلام اِسی ایک ذاتِ احدیت کی طرف دعوت دیتے رہے اور اِسی کی جستجو ہر دینی کاوش کا منتہیٰ رہی۔ جس نے اِسے پالیا اُس نے سب کچھ پالیا۔ اِس کی طرف لوٹنا نجات اور اِس سے ٹوٹنا انشقاق و اضطراب کی آگ ہے۔ یہ شاہراہِ مسلسل اِسی ذاتِ واجب الوجود سے چلتی اور اِسی کی طرف لوٹتی ہے۔ تمام نبیوں رسولوں کی دعوت کا اجتماعی نقطہ وہی ایک ذات ہے، جہاں تمام دینی محنتیں اور تمام مذہبی کاوشیں ختم ہو جاتی ہیں، وہی منزلِ حقیقی ہے، جو اِسے پالے پھر اُس کا انتقال بھی وصال ہو جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا مرکزی نقطہ یہی توحید ہے اور اِس خالص توحید میں سرشاری آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاملِ نسبت کے بغیر حاصل بھی نہیں ہو سکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اِس ''دعوتِ توحید'' کی شاہراہ کے داعی صحابہ کرامؓ اور اہلبیتؓ تھے، وہ اپنے اپنے دائرہ عمل و رُسوخ میں بندگانِ خدا کو اس کی دعوت دیتے رہے اور آئندہ آنے والے لوگ ''صحابہ و اہلبیت''

Marfat.com

ہی سے اس راہ دعوت کا نشان لیتے رہے۔ نجومِ ہدایت اور سفینہ نوح اِس راہ میں چلنے والوں کی روشنی اور حضور نبی رحمت ﷺ کے مشن کی عالمی رحمت تھے۔ اِن کا اختلاف بھی رحمت تھا۔ جس سے زندگی کے ہر خاکے میں رنگ آیا اور زندگی کے ہر گوشہ عمل نے صحیح راہ پائی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا تمام انبیاء و رسل عظام کا اجتماعی نقطہٴ تھا۔ تمام اُمت کو حضور نبی کریم ﷺ کے نقشِ قدم پر لانا بھی تمام صحابہؓ و اہلبیتؓ کا اجتماعی نقطہٴ رہا اور ر اِن نفوسِ قدسیہ کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ آئندہ آنے والے لوگ اِن کے نقشِ قدم پر چل کر اس شاہراہ پر مسلسل گامزن ہوں جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث ہے۔ تمام انبیاء و رسل عظام کی دعا رہی کہ اِسلام کا ہر قافلہ اپنے اور آنے والوں کی پیروی سے اپنے پہلوں کے ساتھ متصل رہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کی یہ دعا۔ ''وَاجعلنا للمتقین اماماً (الفرقان) اے اللہ ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنا دے۔ یعنی ایسا بنا دے کہ لوگ ہماری پیروی کر کے متقی بن جایا کریں۔ امام بخاری اِس دعا کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''ائمۃً نقتدی بمن قبلنا ویقتدی بنا من بعدنا'' (صحیح بخاری: ۲/۱۱۳)

ترجمہ: اے اللہ ہمیں ایسے پیشوا بنا کہ ہم تو اپنے پہلے ائمہ کرام کی پیروی کریں اور ہمارے بعد آنے والے ہماری پیروی کریں اور ہمارے ساتھ مسلسل ہوں۔

حضرت سعید بن المسیبؒ متوفی ۹۳ھ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ آخری حج میں جب منٰی سے واپس ہوئے تو راستے میں وادی بطحا میں ٹھہرے، زمین پر چادر بچھائی، اس پر بیٹھے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر کہا: اَللّٰھُمَّ کبرت سنّی وضعفت قوتی وانتشرت رعیتی فاقبضنی الیک غیر مضیع ولا مفرط۔

ترجمہ: اے اللہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں، قوی کمزور ہو گئے اور میری رعیت بہت دور تک

Marfat.com

پھیل چکی ہے۔ اب تو مجھے اپنی طرف بلالے کہ میں بغیر کسی زیادتی اور کمی کے تیرے ہاں حاضر ہو جاؤں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ''صحابہؓ و اہلبیتؓ '' کے ذریعے حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ والا صفات اور آپ ﷺ کی دعوت کے ساتھ ربط و تعلق کو جوڑنا مقصودِ حقیقی ہے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کوفہ کی مسندِ تدریس پر درس دیتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ متوفی ۱۵۰ھ اپنے وقت میں اِسی مسندِ علمی کے وارث بنے۔ عالم اِسلام کے تین ہی بڑے علمی مرکز رہے ہیں۔

۱۔ حجاز ۲۔ شام ۳۔ اور عراق

حجاز میں امام مالکؒ ۱۷۹ھ رونق افروز ہوئے، شام میں امام اوزاعیؒ ۱۵۷ھ حدیث وفقہ کا مرجع ہوئے اور عراق کی مسندِ علمی امام ابوحنیفہؒ اور آپؒ کے اصحاب سے آباد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم ازلی و ابدی میں یہ بات موجود تھی کہ دین میں اُٹھنے والے علمی فتنے زیادہ تر عراق سے اُٹھیں گے۔ اعتزال اور انکارِ قدر کی تحریکیں یہیں سے سر اُٹھائیں گی۔ رافضیت و خارجیت اور ناصبیت کا مرکز بھی یہی زمین تھی۔ یہ وجہ ہے کہ امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ صحابہؓ و اہلبیتؓ کی بات کو حجت قرار دینے میں وہ شدت اختیار نہیں کرتے جو کوفہ کی درسگاہ کے امام ابوحنیفہؒ نے اختیار کی۔ اور دیگر کسی درس گاہ میں عقائد اِسلامی کا وہ اُصولی تجزیہ نہیں کیا گیا جو امام ابوحنیفہؒ نے فقہ اکبر میں کیا ہے۔ حدیث وفقہ کے ساتھ کلامی مسائل مین یہ اہتمام اور اِن میں اصولِ سنت کا پورا تحفظ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا وہ عظیم مؤقف ہے۔ جو رہتی دنیا تک ہر بدعت وخرافات کے سامنے مضبوط قلعہ بنا رہے گا حضرت امام ابوحنیفہؒ سمجھ چکے تھے کہ علمی فتنوں کی اِن تند و تیز آندھیوں میں سلامتی کی یہی اک راہ ہے کہ صحابہؓ و اہلبیتؓ کے نقش قدم کی پوری پابندی کی جائے اور اِسلام کی شاہراہِ مسلسل کو لازم پکڑا جائے۔ یہ اِسلام کی علمی میراث اور

Marfat.com

اِس کا تہذیبی ورثہ ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ سے صحابہؓ و اہلبیتؓ سے تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کو پہنچا۔ اسلام کی شاہراہ مسلسل ہے۔ اِسلام کی چودہ صدیوں میں ہر صدی میں کچھ ایسے لوگ اُبھرتے رہے جنہوں نے اِسلام کے اُصول وعقائد اور اساسِ اعمال کو ہر قیمت پر زندہ رکھا اور اِس کی تاریخ میں کوئی ایسا دور نہیں آیا جب قرآنِ حکیم کی تعبیر اور اِسلام کی تعبیر تماماً تحریف کی نذر ہو چکی ہو۔ ورنہ دینِ اِسلام ایک زندہ مذہب نہ رہتا۔ ایک مجموعہ وساتیر بن جاتا اور زندگی کے تسلسل کا ساتھ نہ دے سکتا۔ حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں ایسے افراد پیدا کیے جن کی زندگی اظہارِ حق اور ابطالِ باطل کے لئے وقف رہی۔ ناساعد حالات اور آزمائش کی لہریں انہیں ایک انچ بھی شاہراہ مسلسل سے نہ ہٹا سکیں۔ درست ہے کہ یہ نفوسِ قدسیہ گو علی انفراد معصوم نہیں؟ مگر اِن کا مجموعی مؤقف ضرور معصوم رہا ہے۔ یہی اسباب کی وہ دنیا ہے، جس کے ذریعے دین کی ابدی حفاظت ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوتا ہوا آیا۔ اِنّا نحن نزلنا الذکر و انا لہ' لحافظون (الحجر) بے شک ہم نے ہی قرآن اُتارا ہے اور ہم ہی اِس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ قرآن کے الفاظ و معانی دونوں کی حفاظت ہر دور میں ہوتی آئی ہے۔ قرآن حکیم کی صحیح مرادات بتلانے والا طبقہ ہر دور میں موجود رہا۔ پس قرآنِ حکیم کی وہی تعبیر صحیح ہوگی، جس کا حال اُس کے ماضی سے منقطع نہ ہو اور ہم صرف اُسی تعبیر کو اختیار کر سکتے ہیں جو اِسلام کی اساس سے کہیں نہ ٹکرائے۔ اِسلام کے تسلسلِ حیات اور حفظ دین کی خصوصیت اِس کا اسنادی پہلو ہے۔ اور تاریخ کے ہر موڑ پر اِسے تھامے رہنا اِسلام کا ایک معجزہ ہے۔ اسباب کی دنیا میں اِس کا باعث علمائے ربانی اور مشائخ یزدانی ہی رہے ہیں۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کرنا اور اِسے ازبر کر لینا نہایت ضروری ہے کہ اِسلام کی طویل اور پر آشوب تاریخ میں کوئی قلیل سے قلیل مدت بھی ایسی نہیں آئی جب دینِ اِسلام کی حقیقی

Marfat.com

دعوت بالکل بند اور دب گئی ہو، حقیقتِ دین بالکل چھپ گئی ہو، اُمت کا ضمیر بالکل بے حس ہو گیا ہو اور تمام عالم اِسلام پر ظلمت و تاریخی چھا گئی ہو۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جب کبھی اِسلام کے لئے فتنہ نمودار ہوا، اس کی تحریف اور اِس کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی یا اِس کو غلط طریقے پر پیش کیا گیا تو کوئی طاقتور شخصیت ایسی ضرور میدان میں آگئی جس نے اِس فتنہ کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور اُس کو میدان سے ہٹا دیا۔ یہ ایسی تاریخی صداقت ہے کہ جس کا اعتراف غیر مسلم دانشوروں اور مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ کہ اِس اُمت کا کوئی قرن مصلحین اور مجددین سے خالی نہیں رہا۔ ائمہ علوم وفن، ائمہ ہدایت اور ائمہ کمالاتِ ظاہر و باطن کی کسی دور میں نفی نہیں ہوئی۔ العلماء ورثۃ الانبیاء کا مصداق ہر دور میں رہے ہیں۔ اِن وارثانِ نبوت میں کوئی طبقہ نسبتِ ایمان کا محافظ رہا، کوئی نسبت احسان کا، کوئی الفاظ قرآن کا، اور کوئی سنتِ صاحب قرآن ﷺ کا اور یہ تمام طبقے اپنے عصری تقاضوں کے ساتھ تا قیامت باقی رہیں گے۔ یہی اِسلام کی زندگی اور یہی اِسلام کا تسلسل ہے۔ یہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کا دین تاریخ کے ہر دور میں زندہ ہے۔ دسویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ علامہ حسن شرنبلالیؒ صاحب نور الایضاح لکھتے ہیں: **امرنا بحفظ النظم و المعنیٰ جمیعاً فانه دلالة علی النبوة** (النفعة القدیر / ۳) ہم لوگ قرآنِ حکیم کے الفاظ و معنیٰ دونوں کی حفاظت پر مامور ہیں اور یہی نبوت کا معجزہ ہے۔

علامہ ابراہیم بن عبد الرحمٰن القدری کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"یحمل هذا العلم من کل خلفٍ عدوله' ینفون عن تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاهلین (کتاب المدخل/۳۲)

ترجمہ: اس علم کو ہر صحیح جانشین سے آگے ثقہ لوگ لیتے رہیں گے وہ اُس سے غلو کرنے

Marfat.com

والوں کی تحریف، جھوٹوں کی من گھڑت باتوں اور جاہلوں کی تاویل کو ہمیشہ دور کرتے رہیں گے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے یہ نوید مسرت سنائی ہے کہ میری اُمت کا ایک طبقہ امرِ الٰہی پر برابر قائم رہے گا، جو انہیں ذلیل کرنے کی کوشش کریں گے یا ان کی مخالفت کریں گے وہ اُنہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے اور وہ طبقہ لوگوں پر ظاہر رہے گا۔ فطرتِ سلیمہ کے خلاف چلنے اور حق سے ٹکرانے والے اگر قیامت تک رہیں تو ایسے مسلمانوں کا بھی ایک طبقہ ضرور رہے گا جو اپنے خالق و مالک رب کی وفاداری اور اطاعت میں اِس کے رحم و کرم اور رضوان و غفران کا مظہر ہوں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جب یہ بتلایا کہ آپؐ کی اُمت گمراہی کے کئی حصوں میں بٹ جائے گی تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ایک طبقہ جو میری سنت اور میری جماعت کے مطابق ہوگا، وہ حق پر ہوگا اور وہی راہِ نجات ہوگی۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حق پر قائم رہنے والا طبقہ قیامت تک باقی رہے گا اور کوئی آندھی حق کے درخت کو اپنی جڑ سے نہ اُکھاڑ سکے گی۔ بقول ظفر علی خان ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

حق اور باطل کی معرکہ آرائی برابر جاری ہے اور جاری رہے گی۔ جس طرح ہدایت مسلسل رہے گی اِسی طرح گمراہی بھی برابر چلے گی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب اِن کا امتیاز کیسے ہوا؟ جواباً عرض کرتا چلوں کہ خطِ مستقیم صرف ایک ہوتا ہے خطوط ہائے منحنی یعنی ٹیڑھے میڑھے خط کئی ہوتے ہیں۔ اور باطل کی راہیں کئی ہیں۔ قرآن حکیم نے ظلمتوں کو جمع کی صورت میں اور نور کو واحد کی صورت میں ذکر کیا ہے۔ ''من الظلمات

Marfat.com

الـــی الـنـور" پس ہدایت کو باقی رہنے میں مسلسل رستے کی بقا ہے اور گمراہی کے باقی رہنے میں کسی ایک طریق کی بقا ضروری نہیں ۔ ہوسکتا ہے کبھی کوئی گمراہی سر اُٹھائے کبھی کوئی ایک دوسرے سے مختلف ہوسکتی ہے جیسے ٹیڑھے خط آپس میں مختلف ہوتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ گمراہ اپنے طریق کو کبھی ایک دوسرے کی طرف اسناد نہیں کرتے ۔ مگر اِس کے برعکس حضرات انبیاء کرام و اولیاء سب ایک دوسرے کے مصدق اور ایک ہی راستے کے داعی تھے ۔ رُشد و ہدایت میں آپس کا اسناد و اعتماد ہوتا ہے ۔ ہر دور کا مصلح اور مجدد وہ پہلے متوارث دین کا داعی اور اپنے متقدمین اہل حق کی پیروی کو ہی راہِ نجات سمجھتا ہے ۔ حق ایک مسلسل راہِ ہدایت ہے جس کا ہر رُکن آپس میں اسناد و اعتماد رکھتا ہے ۔ اور باطل کی راہیں گو ہر دور میں موجود رہیں ، لیکن وہ آپس میں مسلسل اور مربوط نہیں ۔ حق کا امتیاز اُس کا اسنادی پہلو ہے ۔ حق ایک راہ ہے جو مسلسل چلی آ رہی ہے ۔ یہی صراطِ مستقیم ہے ۔

تجدید و احیائے دین

سوال: تجدید و احیائے دین کا مفہوم کیا ہے اور اس کا منہاج کیا ہے؟ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: تجدید دین کا صحیح ترین مفہوم یہ ہے کہ دینِ اسلام کو چند اعتقادات اور عملیات کے مجموعہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک فطری ضابطہ حیات کی حیثیت سے اس طرح ثابت کیا جائے کہ تمام اِنسانوں کا یہی ایک دستور العمل ہے ، اسی کو قبول اور اختیار کرنے ہی سے اِن کی زندگی کامیاب ہوسکتی ہے ۔ انسان نادانی سے اپنی زندگی کا خود کو مالک و حاکم اور مختار سمجھتا ہے اور زندگی کے مسائل کو اپنی ناقص عقل سے حل کرنا چاہتا ہے ۔ اپنی فطرت کے باطنی میلانات و مطالبات سے غافل رہ کر صرف اِس عارضی زندگی کو مستقل زندگی سمجھتا ہے ۔ اِنسان کے یہی تصورات باطل اور تمام امراض کی جڑ ہیں ۔ حق کو اِسی

Marfat.com

باطل سے آویزش ہے حق کی لڑائی ہمیشہ اِسی باطل سے رہی عصر حاضر میں اِسی باطل کا شور وغوغا نوعِ انسانی کو غلط راستہ پر لے جارہا ہے۔ اہلِ حق کو اِنہی باطل افکار وخیالات سے نبرد آزما ہونا ہے۔ حق اِنسان کے جاہلانہ غیر فطری افکار ونظریات سے مخاطب ہے۔ وہ دو بنیادی حقائق جن کو ہر عہد میں اِنسان فراموش کرتا رہا ہے۔ وہ یہی ہیں کہ انسان اپنے خالق و مالک رب کا بندہ ہے اور اِس کا یہ تعلق بندگی فطری اور ابدی ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک دائمی و ابدی ہمہ خیر و بامراد زندگی بندے کی فطرت کا ایک اصلی و حقیقی مطالبہ ہے۔ لذات وشہوات کی دنیا میں گم ہوکر جب اِنسان اپنی فطری حیثیت بندگی خدا کو بھلا دیتا ہے تو اُخروی زندگی کے مطالبات کو بھول جاتا ہے اور دنیا کے عارضی زندگی کے تعیّشات، نمود ونمائش، کھیل تماشا، سیم و زر کے ذخائر اِس کے مطلوب و مقصود ہو جاتے ہیں۔ یہ اصلی اور حقیقی حرص ہے۔ اِسی کے متعلق حضور نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”حب الدنیا رأس کل خطیئة“ دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔

تجدید ایمان اور احیائے دین کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ سب سے پہلے مرض کی تشخیص صحیح ہو اور اصلاح اِس انداز سے ہو کہ مرض بیخ و بن سے اُکھاڑ دیا جائے، جب تک مرض اور اِس کے اثرات دل کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہونگے دین وایمان کی لذت آفرینی تلخ ہی معلوم ہوگی اور دین کا وہ والہانہ جذبہ ہرگز پیدا نہ ہوگا جو سلف صالحین کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ صحیح تجویز علاج یعنی اصلاح اور تجدید یہی ہے کہ مسلمانان عالم کی زندگی حضور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا نمونہ ہو۔ مصلح اور مجدد دراصل امراض کا حاذقِ حکیم، ماہر طبیب اور مثالی سرجن ہوتا ہے۔ تجدید دین کا قرآنی طریق یہی ہے کہ ابدی ہمہ خیر زندگی حاصل کرنے اور محبت الٰہی کے باطنی وفطری جذبہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی جائے۔ دین کی سادہ اور فطری تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر ابدی زندگی

Marfat.com

کو بہتر سے بہتر بنانے کا شوق بحال کیا جائے۔ کلامِ تصوف کی اصطلاحات کے بجائے دین کے حقائق و معارف کو قرآن وسنت کی روشنی میں ذہن نشین کرنے کا ٹرنڈ بحال کیا جائے۔ مجدد و مصلح کے لئے ضروری ہے کہ وہ اصلاح وتجدید کی بنیاد قرآن وسنت کو قرار دے اور اِس کی ہر فکر ونظر کا مآخذ صرف قرآن وسنت کے محکمات ہوں۔ وہ اپنی تمام تر سعی و جدو جہد میں دینِ حق اور فطرتِ اِنسانی کی ہم آہنگی کو بصیرت نبویؐ میں تلاش کرے۔ اس وقت جو تعلیمات مسلمانوں میں رائج ہیں اِن میں عجمی قوموں کی آمیزش پائی جاتی ہے جس کے باعث یا اسلام کی فطری تعلیمات پر ایک پردہ سا پڑا ہوا ہے۔ اِسی کے متعلق علامہ نے کہا تھا ؎

تمدن، تصوف، شریعت، کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام

ہر صورت میں ذاتِ حق ہی جلوہ فرما ہے، معلوم کی صورت میں عالم ہی موجود ہے یہ حقیقت جب منکشف ہو جائے تو بت کو سجدہ نہیں اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کیا جاتا ہے اب اِستعانت غیر اللہ سے نہیں، اللہ تعالیٰ ہی سے ہے، اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا، اللہ تعالیٰ سے اِستعانت، مخالفت شریعت نہیں ہے۔ ایسی نام نہاد متصوفانہ تقریریں اور تحریریں لکھنے کے نتیجے میں آج باطل دین وایمان پر ضربیں لگا رہا ہے۔ واضح سی بات ہے کہ دینِ اسلام میں غیر اللہ کو ہر طرح کا سجدہ کرنا حرام ہے غیر اللہ سے حقیقتاً اور اصلاً اِستعانت بھی غلط ہے۔ مخلوقات کی صورت میں وجودِ حق وتوابعاتِ وجود صفات حق نہیں ہیں۔ موجودات، عالم اپنی ہستی و بقاء میں ہر آن اللہ تعالیٰ جلّ شانہ کے محتاج ہونے کی تحقیق یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن کی صورت میں موجود ہے اور نہ یہ حقیقت ہے کہ مخلوقات میں جو وجود و صفات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی اصلی صفات ہیں یہ عرفان حق نہیں ہے وہم وگمان ہے، ہوش

Marfat.com

کی باتیں نہیں بے ہوشی کی باتیں ہیں۔ یہ بیداری کی باتیں نہیں، خواب کی باتیں ہیں۔ تو ہی تو ہے یا "تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم" کا نعرہ غلبہ شوق و محبت کی ایک والہانہ صدا ہے نہ کہ حقیقت نفس الامری۔ ایسے غلبہ عشق کی باتیں کم از کم عوام میں کرنا انتہائی غلط ہیں۔ لا الٰہ اِلاَّ اللہ کا معنیٰ لا معبود اِلاَّ اللہ ہے۔ لاموجود اِلاَّ اللہ کی تعبیرات کرنا کہ وجوداً خالق و مخلوق ایک ہے۔ اِسی تصور کو جاہل عوام نے اختیار کر کے بزرگوں کو حاجت رواء، مشکل کشا سمجھتی ہے اور اس کو توحید سمجھتی ہے۔ اور اس سے منع کر کے قرآن و سنت کی طرف بلانے والے مبغوض ٹھہرائے جاتے ہیں۔ آج اِسی اعلیٰ مقام کو اہل باطل اپنا مورچہ بنا کر دین و ایمان پر حملہ کر رہے ہیں۔ دوئی کو مٹانا توحید کا قرآنی و نبویؐ مفہوم نہیں ہے یہ عاشقانہ غلبہ حال کی باتیں ہیں جنہیں ہر کس و ناکس میں بتلانا غلط ہیں۔

اصلاح وتجدید کا طریقہ کار

(1) ایک مصلح و مجدد کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے ماحول کی صحیح تشخیص کرے، حالات کا پورا پورا جائزہ لے اور اس بات کا پورا شعور و ادراک حاصل کرے کہ جاہلیت کہاں کہاں اور کس حد تک سرایت کر گئی ہے۔ کن کن راستوں سے در آئی ہے، اور اس کی جڑیں کہاں کہاں کتنی گہری اور پھیلی ہوئی ہیں اور اِسلام اُس وقت ٹھیک کس حالات میں ہے۔

(2) اصلاح کی تجویز بھی از حد ضروری ہے۔ یہ متعین کیا جائے کہ اِس وقت کہاں کاری ضرب لگانے کی ضرورت ہے۔ تاکہ خرافات کی گرہ کو توڑا جا سکے۔

(3) اصلاح وتجدید کا کام کرنے والے مصلح کا خود اپنے حدود و ابعاد کا تعین کرنا، اپنے آپ کو میزانِ علم و عمل میں تول کر صحیح اندازہ لگانا کہ میں کتنی قوت رکھتا ہوں اور کس راستے سے اصلاح کرنے پر قادر ہوں۔

Marfat.com

(4) ذہنی، فکری اور اعتقادی انقلاب کی کوشش کرنا۔ تاکہ لوگوں کے خیالات بدلیں، عقائد کو صحیح رُخ دینا، نظامِ زندگی کی اصلاح اور علوم اِسلامی کا احیاء کرنا تاکہ مسلمان بحیثیت اجتماعی اِسلامی ذہنیت کے لئے ازسرنو تیار ہو جائیں۔

(5) آوے کا آوا بگڑا ہوا ہو ہر ایک نے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کر رکھی ہو، استبداد کے حمام میں سب ننگے ہوں تو پھر ایسے حالات میں کام کے لوگوں پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے۔ جو ہر قابل کی تلاش کر کے اُس کو صیقل کیا جائے۔

(6) اصلاح و تجدید کا سارا کام شاہی حکومت سے بالکل آزاد ہو کر کیا جائے۔ حکومت کی امداد و اعانت اور جی حضوری کے بغیر ہو۔ اُس میں حکومت کی مداخلت اور بے جا دخل اندازی اُس میں شامل ہرگز نہ ہو۔

(7) مذہبی فرقوں اور ان کے اختلافات کا اچھی طرح جائزہ لے کر فساد کی بنیادیں اور تفرقہ کے اسباب معلوم کئے جائیں اور پھر اُن کا علاج تجویز کیا جائے۔ صاف صاف واضح کیا جائے کہ اِسلام کے واقعی عقائد کیا ہیں؟ اور کن چیزوں کو خواہ مخواہ دینی عقائد میں شامل کر لیا گیا ہے۔

(8) تکفیر سازی کے اسباب کا گہرا تجزیہ کرنا ضروری ہے، اور اِس کے تدارک کے لئے ٹھوس لائحہ عمل بنانا ضروری ہوتا ہے۔

(9) اُصول اور فروع میں فرق روا رکھنا اور اُس کے حدود کا تعین کرنا اصلاح اور تجدید کا ایک باب ہے۔ تاکہ ہر گروہ اور ہر طبقے کی افراط و تفریط نکھر کر سامنے آجائے۔

(10) معاصر علماء و مشائخ اور اُمراءِ و سلاطین اور عوام سب کی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا

Marfat.com

جائے۔ اُن کے اخلاق کا اچھی طرح جائزہ لیا جائے اور ہر ایک کی اخلاقی حالت پر تنقید کی جائے اور ایک ایک برائی پر انگلی رکھی اور ہر برائی کے اسباب کا کھوج لگایا جائے اور اِسلام کے صحیح اخلاقی معیار پر سب کو جانچا پرکھا اور اِس کی طرف لانے کی کوشش کی جائے۔

(11) اُس وقت کی خانقاہوں میں رائج نظام کو پرکھنا بھی ضروری ہوتا ہے، دیکھا جائے کہ تصوف کے نام پر طفلانہ توہمات تو نہیں پائے جاتے۔

اختلافِ اُمت میں نقطہ اعتدال

سوال: عصر عاضر میں دینی اختلافات کے اندر کون کون سے پہلو افراط وتفریط پر مبنی ہیں اوران میں صحیح تر اعتدال وتوازن کا کون سا راستہ ہے؟

اس سوال کے جواب کا تمہیدی مقدمہ ہے اُس کو سمجھے بغیر یہ حقیقت عیاں نہیں ہو سکتی۔اس لئے پہلے مقدمہ عرض کرتا ہوں پھر تفصیلاً سوال کا جواب دیتا ہوں۔تاکہ یہ بات نکھر کر سامنے آسکے اور ہم نقطۂ اعتدال کو پاسکیں۔

جواب: دینِ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔سیاست، معیشت، حکومت، معاشرت اور اخلاقی حدود وقوانین کے مجموعہ کا نام اِسلام ہے۔ اِسلام اِنسانی زندگی کے تمام شعبہ جات میں اِنسان کی رہنمائی کرتا ہے اور اپنے پیروکاروں کو اِس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر ہر معاملے میں اس کی بتائی ہوئی تعلیمات واحکامات پر عمل کریں اور دنیا و آخرت دونوں میں سرخروئی حاصل کریں۔ اِسلام نے اِنسانوں کو آپس میں باہمی زندگی گذارنے کے لئے ہر قسم کی ضرورت کے احکامات دیئے ہیں۔رہن سہن کے لیئے اخلاقی تعلیمات دیں۔لین دین کے معاملات کے لیے معاشی احکامات دیئے۔ اِسلامی ریاست کے لیے قوانین دیئے اور ریاست میں حکام کے ردوبدل کے لئے سیاسی وانتظامی تعلیمات

Marfat.com

دیں۔ بندے کے اپنے خالق و مالک رب سے تعلق کے لئے عبادات کا طریقہ بتایا۔ سوسائٹی و معاشرے میں اخلاقی اقدار کے فروغ اور اِسلامی ریاست کی نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور احتساب کا دستور و لائحہ عمل دیا اور اِسلامی ریاست کی سرحدوں کی حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے منکرین حق اور بغاوت و سرکشی کرنے والوں سے جہاد کا حکم دیا اور اِن تمام شعبہ جات کے احیاء ہی سے مکمل دین کا احیاء ہوسکتا ہے۔ کسی ایک مخصوص شعبے کے احیاء سے پورے دین کا احیاء نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اِسلامی معاشرے میں دینی مدارس کا وجود بھی ضروری ہے کہ تفقہ فی الدین کا فرض ادا ہو سکے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے مبلغین و خطباء و علماء کا ہونا بھی ضروری ہے تا کہ لوگوں کو اپنی اصلاح پر اُبھارا جا سکے۔ اور اُن میں تجدید ایمان و یقین پیدا کیا جا سکے۔ ایسی جماعتوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو دین اسلام کی غلط عقائد ونظریات کی آمیزش اور کفر و الحاد کے حملوں سے بچا سکیں اور ایسے بندگانِ خدا کا وجود بھی انتہائی ناگزیر ہے جو لوگوں میں تعلق مع اللہ اور خلوص وتقویٰ اور احسان کا نور پیدا کریں۔ عوام وخواص کو اخلاقِ رذیلہ سے دور کر کے انہیں صفاتِ حمیدہ اور اوصافِ حسنہ و جمیلہ سے مزین کریں۔ ایسی تحریکوں تنظیموں کا ہونا بھی ازبس ضروری ہے جو ملک میں اِسلامی تعلیمات اور احکام دینی کے نفاذ کے لئے سعی وجدوجہد کریں اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر اُس کا قانون نافذ کرانے کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کر دیں۔ کیونکہ خدا کی دھرتی خدا کے قانون کے نفاذ ہی کے لئے ہے۔ اسی طرح اُن جان باز مجاہدین کا ہونا بھی از حد ضروری ہے جو اپنے سر دھڑ کی بازی لگا کر اِسلامی ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کریں۔ غرض کہ یہ سب دینی و مذہبی فرائض ہیں اور اِن میں سے کسی ایک کو بھی یکسر ترک کر دینے کی صورت میں پوری اُمت گنہ گار ہوگی۔ لیکن شومئی قسمت دُکھ کی بات یہ ہے کہ آج ہر دینی کام کرنے والے

Marfat.com

لوگوں میں سیاسی رقابتوں کا سا مزاج پایا جاتا ہے۔ وہ اپنی ہی جماعت وتحریک وتنظیم اور دعوت کو برحق سمجھتے ہیں اور اپنے اپنے دائروں میں اِن کا انہاک و اِستغراق وتوغل اس قدر بڑھا ہوتا ہے کہ اپنے دائروں اور شعبوں کی حمایت کے لئے دیگر اعمال کے بارے میں آنے والے فضائل ومناقب کو بھی لے لیتے ہیں اور اُنہیں اس وثوق وتعین سے بیان کرتے ہیں کہ گویا اِن فضائل ومناقب وحی کا نزول وورود اِن ہی کے دائرے اور شعبے کے لئے ہوا ہے جس سے اصلی اشیاء اور مقصود چیزوں کی افادیت واہمیت گھٹ جاتی ہے اور اُن کے فضائل و مناقب نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ دیکھئے جہاد کے فضائل کو مجاہدہ نفس اور وعظ و نصیحت پر چسپاں و منطبق کرنا، غریبوں کی حالت سُدھارنے اور جہاد و قتال کے لئے اسباب مہیا کرنے کے لئے خرچ کرنے اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب پر آنے والی آیات واحادیث کو اپنی اپنی جماعتوں، تنظیموں اور تحریکوں پر صرف کرنے کے لئے کلیتًا موڑنا وغیرہ۔ اپنی اپنی جماعتوں، تحریکوں اور تنظیموں کے فضائل کو تقابلی انداز میں پیش کرنا اور دوسروں پر بہتان تراشنے اور انہیں بدنام ورُسواء کرنے سے بھی دریغ نہ کرنا۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انتہائی مخلص اور دردمند مسلمان دین کے کسی ایک شعبہ کو اپنا لیتے ہیں اور دیگر دوسرے شعبوں اور دائروں میں کام کرنے والوں کی تردید اور ابطال کرنا شروع کر دیتے ہیں اور بزعم خویش یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اصل کرنے کا کام تو وہی ہے جو وہ کررہے ہیں۔ دوسرے لوگ غلط راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے دین کی سچی تڑپ رکھنے والے لوگ بھی ایک دوسرے سے نفرت وکدورت کرنے لگتے ہیں۔ باہمی عداوتیں جنم لینے لگتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ موجودہ پرفتن اور مادیت زدہ دور میں اگر کوئی عام مسلمان بھول کر اپنی اصلاح کرنا بھی چاہے تو افتراق اور گروہ بندی کو دیکھ کر اپنا خیالی ترک کر دیتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی وجہ سے عداوتیں پروان چڑھ رہی ہیں۔ وسعت نظری، صحیح

Marfat.com

سوچ اور صائب فکری کا فقدان ہو رہا ہے۔ لہٰذا ضرورت اِس امر کی ہے کہ حقائق کا ادراک کیا جائے۔ اب بالترتیب غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاتا ہے۔ اور نکتہ اعتدال واضح کیا جاتا ہے۔

اِسلامی ریاست

اِسلام غالب ہو کر رہنے والا دین ہے۔ مغلوب ہونا، دب کر رہنا اس کی فطری ساخت کے منافی ہے۔ اِسلام کے پیروکار کبھی بھی غیر اللہ کی حاکمیت دل سے قبول نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ مسلمان اپنے دین پر اُسی وقت باطمینان عمل کر سکتے ہیں جب ریاست وحکومت کی طرف سے انہیں کسی مشکل کا سامنا نہ ہو۔ حدود و قصاص، بیع و شراء پر تو عمل ہی اُس وقت ہوسکتا ہے اور نتائج ہی تب مرتب ہو سکتے ہیں جب ریاست پوری مسلمان ہو۔ حرام کے تمام دروازے بند ہوں اور حلال کے تمام راستے آسان فراہم کئے گئے ہوں۔ لہٰذا جو لوگ میدانِ سیاست میں اسلامی قوانین کی بالادستی اور نفاذ کے لئے کوشش کر رہے ہیں اور اپنی تمام تر توانائیں طرزِ حکومت کو دُرست کرنے میں صرف کر رہے ہیں تو قابل صد احترام ہیں۔ ہم تمام مسلمانوں کو اِن کا شکر گذار بھی ہونا چاہیے اور اِن کا صدقِ دل سے احترام بھی کرنا چاہیے۔ مگر اُفسوس کی بات ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اِس شعبہ سیاست سے وابستہ ہو کر اِس درجہ غالی ہو گئے ہیں کہ انہوں نے دوسرے تمام شعبوں کو بے کار سمجھ لیا ہے۔ اور اِن کے خیال کے مطابق دوسرے شعبہ ہائے زندگی گویا بالکل فضول ہیں اور ان کو سنبھالنے والے لوگ سب سے زیادہ ناکارہ اور مولوی ہیں۔ پھر ایسے لوگوں نے پوری اِسلامی تعلیمات کو ایک مخصوص رنگ میں پیش کیا ہے۔ اور اِسلام کے ہر حکم سے اِسلامی ریاست کے قیام ہی کو مراد لیا ہے۔ ایسے لوگوں نے بعض اوقات اپنے مقصود کو ثابت کرنے کے لئے قرآن وسنت میں ایسی ایسی تعبیرات کی ہیں جو دوراز کار تاویلا دکھائی دیتی ہیں۔ وہ

Marfat.com

لوگ اِسلامی عبادات کو سیاست کے تابع رکھتے ہیں۔ اِن کے نزدیک نماز فوجی ٹریننگ ہے۔ روزہ فوجیوں کی طرح مشقتیں برداشت کرنے اور ضبط نفس کا عادی بناتا ہے۔ حج عالم اسلام کے مسلمانوں کا باہمی سیاسی رابطہ ہے۔ ہمارے نزدیک یہ طرزِ سیاست اصلاح طلب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین و شریعت میں عبادات اور سیاسیات دونوں اپنی جگہ مستقل اہمیت کی حامل ہیں۔ اور دونوں کی حدود اور دائرہ کار بھی جدا جدا ہیں۔ اِس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے اِتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ عبادات میں اللہ اور بندے کا تعلق بلا واسطہ ہوتا ہے۔ جو درحقیقت بندے کے دین میں مخلص ہونے اور خدا کے حقیقی فرمانبردار ہونے اور اُس سے قلبی لگاؤ اور محبت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اِس کے برعکس سیاسیات و معاملات میں براہِ راست تعلق مخلوق سے ہوتا ہے اور بالواسطہ خدا سے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شعبے میں عموماً دلچسپی بھی زیادہ لی جاتی ہے کیونکہ اس کے ذریعے اپنی دنیا سنوارنے اور شہرت و جاہ کے حاصل ہونے کے مواقع بھی بے حد و شمار ہوتے ہیں۔ عبادات کو صحیح طور پر ادا کرنے کے بعد مسلمان سیاست کے شعبے میں بھی صحیح طور پر کام کرسکتا ہے۔ عبادات سے مسلمان محبت الٰہی کا وہ خزانہ اور زُہد دنیا کا وہ انمول تحفہ حاصل کرتا ہے جس کے بعد وہ صحیح معنوں میں مسلمان حکمران بننے کا اہل ہوسکتا ہے اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی لالچ یا ترغیب، حسین سے حسین دلفریبی بھی اِسلامی تعلیمات سے انحراف پر مجبور نہیں کرسکتی۔ حصولِ اقتدار کی خاطر بے دینوں اور دشمنانِ اِسلام سے اتحاد اور مسلمانوں کی جماعتوں سے دوری کے اسباب و محرکات کا تجزیہ کیا جائے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ دین کے روحانی اور عباداتی پہلو میں رسوخ نہیں ہے۔ جو لوگ شعبہ سیاست کو سنبھالے ہوئے ہیں اِن کی خدمت میں دو گذارشات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

Marfat.com

تجاویز اصلاح

(1) پہلی بات تو یہ ہے کہ اِس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے کہ اوّل حکومت سدھرنی چاہیے یہ خیال ترک کر دینا چاہیے کہ اگر حکومت سدھر گئی تو عوام بھی سدھر جائے گی۔ اس لئے عوام پر محنت کرنے کے بجائے حصولِ اقتدار یا تبدیلی اقتدار کی کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ جو لوگ عوام کی اصلاح کے لئے کام کر رہے ہیں انہیں برا نہ سمجھا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ کسی دعوت و تبلیغ کی ضرورت نہیں۔ بس صرف حکومت بدل دو تو لوگوں کو حکومت خود بدل دے گی۔ یہ مفروضہ انتہائی تباہ کن ہے۔ کیونکہ حکومت چلانے کے لئے افراد تو آخر عوام ہی میں سے آئیں گے۔ اگر پیشگی ان کی تربیت نہیں ہوئی تو حکومت کیسے ٹھیک چل سکتی ہے۔ اگر عوام کا ذہن و مزاج پہلے نہ سدھارا جائے تو وہ حکومت کے راستے میں رکاوٹیں اور مشکلات کھڑی کر سکتے ہیں۔ اِس طرح اِس کے بالکل برعکس اگر یہ خیال کہ اولاً عوام کو سدھارو، حکومت تو خود بخود سدھر جائے گی۔ لہٰذا عوام کا ایمان و یقین اور کلمہ نماز درست کراؤ۔ ساری توجہ اسی پر صرف کرو۔ جب عوام سدھر جائیں گے تو حکومت کے افراد آخر کو انہی میں سے پیدا ہوں گے۔ تو یہ افراط و تفریط ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں چیزیں آپس میں ایک دوسرے کے لئے بہت ضروری ہیں اور اِن دونوں کا آپس میں کوئی تضاد نہیں۔ لہٰذا کسی ایک کو غلط قرار دینا یا اس پر بے جا تنقید کرنا دُرست نہیں ہے۔ دونوں کو بیک وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

عقائد اسلام ......اور مروجہ مناظرین کا علم الکلام

عقیدہ اعمال اِنسانی میں وہی مقام رکھتا ہے جو گاڑی کے لئے انجن۔ اگر انجن ہی خراب ہو تو گاڑی نہیں چل سکتی۔ اِسی طرح اگر عقیدہ دُرست نہ ہو تو فرد کے اعمال اور اُس کی زندگی کی گاڑی ٹھیک نہیں چل سکتی۔ دین میں عقائد کی صحت و دُرستی پر سب، سے

Marfat.com

زیادہ زور دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کا نچوڑ عقائد کی تصحیح ہے۔ کیونکہ تعلیم عقائد صالح اعمال کو مستلزم ہے۔ بلاشبہ اِنسان کی توہم پرستی اور جہالت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اکثر اوقات عقائد پر سب سے پہلے حملہ آور ہوتا ہے۔ ان کو بگاڑنے کے بعد پھر اُسے مزید محنت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ ہر دور میں علمائے ربانی کے ایک گروہ نے اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں عقائد اِسلام کو باطل کی آمیزش سے محفوظ کرنے میں صرف کر دیں۔ جس کی وجہ سے علم کلام جیسا عظیم الشان فن معرضِ وجود میں آیا اور یہ انہی نفوس قدسیہ کی مخلصانہ محنت اور جدو جہد کا نتیجہ ہے کہ آج بھی ہمارے پاس عقائد اِسلام ہر قسم کی آمیزش سے محفوظ اور خالص قرآنی و نبویؐ مزاج کے مطابق آب زلال کی طرح صاف ستھرے موجود ہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اسلاف اُمت میں سے جن علمائے ربانی نے علم کلام کو میدانِ تحقیق اور اپنی سعی و کاوش کا مرکز بنایا اُن کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی معبود نہیں اور ایک اللہ سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ انبیاء کرام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ اوّل الذکر کو ایجابی عقائد اور ثانی الذکر کو سلبی عقائد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(2) معنیٰ ومدلول بالکل واضح ہوں:

دوسری قسم کے عقائد وہ ہیں جن کے معنیٰ و مدلول بالکل واضح ہوں اور جن کے بارے میں آنے والے نصوص میں بھی بظاہر کوئی تعارض وتناقض اور ٹکراؤ نہ ہو۔ مگر یہ کہ اِن کا ثبوت ظنی ہو۔ یعنی نہ تو وہ قرآنِ کریم کی آیات سے ثابت ہوں اور نہ ہی احادیث متواتر سے بلکہ صرف اخبار اُحاد وغیرہ سے اِن کا علم ہوتا ہو۔ مثلاً جنت کی نعمتوں کی تفصیلات عالمِ برزخ کے حالات اور عذاب دوزخ کی بعض جزوی تفصیلات وغیرہ۔ اس قسم کے ذیل میں آنے والے امور نہ دین میں سے ہوتے ہیں اور نہ یقینیات میں سے۔ چونکہ اِن میں

Marfat.com

ضعف اِن کے ثبوت میں ظن یا شک کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور ظن و شک رکھتے ہیں۔ اِس لئے اِس کے دلیل میں آنے والے امور کا منکر بھی گمراہی کے مختلف درجات کا حامل ہوتا ہے۔ بعض بہت زیادہ اور بعض اِس سے بھی کم، بلکہ بعض کا ضعف اِس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ انہیں واقعہ کے طور پر تسلیم کرنے والے اور اِن کا انکار کرنے والے یکساں و برابر ہو جاتے ہیں۔ دونوں میں سے کوئی بھی لائق ملامت نہیں ہوتا۔ اس قسم میں گمراہی کبھی بھی اِتنی شدید نہیں ہوتی کہ وہ درجہ کفر تک پہنچ جائے کفر و ایمان ہمیشہ ضروریات دین میں آتے ہیں۔

(3) ثبوت غیر مشکوک اور قطعی:

تیری قسم اُن عقائد کی ہے جن کا ثبوت غیر مشکوک اور قطعی ہو مگر معنی و مفہوم کے ذو جہات ہونے کی وجہ سے اِن میں مختلف احتمالات معتبرہ ہوں۔ یا جن کا ثبوت ظنی ہو اور معنیٰ میں مختلف احتمالات ہوں۔ یا اُن کے بارے میں آنے والی نصوص بظاہر باہم متعارض کی وجہ سے اِن کے بارے میں علمائے اُمت کا اختلاف رہا ہو اور اُنہوں نے اجمالاً کسی ایک قول کو ترجیح نہ دی ہو۔ جیسے سماعِ موتی یا مشرکین کی اولاد کا انجام اخروی جبکہ وہ بلوغ سے قبل مرجائیں وغیرہ۔ اس قسم کے ذیل میں آنے والے مسائل کیونکہ اجتہادی ہوتے ہیں اور اِن پر ایمان کا دار و مدار بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اِن میں دلائل کی بناء پر کسی ایک مجتہد یا صائب الرائے عالم کی رائے کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔ مگر اِن مختلف فیہ اور اجتہادی مسائل میں یہ بھی ضروری ہے کہ انہیں اپنی حدود تک رکھا جائے اور وسعتِ نظری اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے باہمی لعن طعن، گروہ بندی اور جنگ و جدال سے گریز کیا جائے۔ جیسے کہ سلف صالحین کا رویہ اِن اجتہادی مسائل میں ہوتا تھا۔ سوختہ بختی اور شومئی قسمت کی بات یہ ہے کہ دورِ حاضر میں قلتِ علم اور کم ظرفی کی وجہ سے اِن فروعی مسائل میں بعض لوگ اس قدر تشدد اختیار کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کو کافر و مشرک تک کہہ ڈالتے ہیں اور اس طرح ملتِ اسلامیہ

Marfat.com

میں اِنتشار و افتراق پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ بعض ایسے اُمور جو سلف صالحین میں قطعاً غیر اختلافی رہے ہیں۔ انہیں بھی اختلافی اور متنازعہ بنا دیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن حکیم میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ کوئی بھی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ کریم ﷺ کی محبت دنیا کی ہر قیمتی سے قیمتی چیز حتیٰ کہ خود اپنی جان سے بھی زیادہ نہ ہو۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنی زیادہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے نبی کریم ﷺ کی محبت بندے کو حاصل ہوتی جاتی ہے تو اتنا ہی اس کے لئے اوامر پر چلنا اور نواہی سے رُکنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کی اہل بیت اور صحابہؓ سے وابستہ اشیاء کی محبت اور عظمت اُمت میں ہمیشہ ہی مطلوب و مستحسن رہی ہے۔ اس لئے ترغیب دی گئی ہے کہ آپ ﷺ سے منسوب ہر چیز کی تعظیم کی جائے۔ مثلاً حضور نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک، لباسِ مبارک، لعاب دہن اور صحابہؓ و اہلبیتؓ، ازواجِ مطہرات اور وہ تمام حضرات جو رسولِ کریم ﷺ کی نیابت کے معیار پر پورے اُترتے ہیں۔ یہ امر اجماعی ہے کہ اِن کی محبت و عظمت اور تعظیم مطلوب دین ہے۔ مگر اِس معاملے میں حد درجہ افراط و تفریط سے کام لیا جا رہا ہے اور اس کی بنیاد پر اُمت کو سخت نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ اِس معاملے میں اِتنے آگے بڑھ گئے ہیں اور اس درجہ غلو سے کام لیا کہ محبت کے نام پر ناجائز افعال کو رواج دیا اور عقیدت و احترام و تعظیم اِتنی بڑھائی کہ بسا اوقات حدودِ شرک میں داخل ہو گئے۔ مثلاً نور و بشر، حاضر و ناظر، اختیارات، اِستعانت بالغیر، ایصال ثواب، نذر و نیاز، درود و سلام اور زیارتِ قبور وغیرہ مسائل ایسے ہیں کہ اِن میں بعض ایسی ایسی تاویلات کی گئی ہیں کہ جن کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اِسی لئے عوام نے اِن مسائل میں افراط برتی اور اِس قدر غلو کیا کہ توازن و اعتدال جو رُوحِ دین اور مطلوب و مقصودِ اسلام ہے اس کے برعکس مظاہرہ

Marfat.com

کیا۔ اس عوامی اور غالی قسم کے لوگوں کے ردِ عمل کے منطقی نتیجے میں بعض لوگوں نے بالکل متضاد رویہ اختیار کیا اور اُنہوں نے اپنے زعم میں ردِ شرک اور خالص توحید و سنت کا بول بالا کرنے کا بیڑا اُٹھایا مگر افسوس کہ ایسے لوگ شرک کی تردید میں اس قدر غالی اور متشدد و سخت ہو گئے کہ ان کی نظر سے ''شرک و توحید'' کا فرق ہی اُوجھل ہو گیا اور اُنہوں نے عینِ توحید کو شرک قرار دے دیا۔ اور اہانت و تنقیص انبیاء و اولیاء کا ارتکاب کیا۔ یہاں تک دعویٰ کیا جانے لگا کہ خود نبی کریم ﷺ کی حیات زیارتِ گنبد خضریٰ اور ایصالِ ثواب اور مطلقاً علم غیب اور آپ ﷺ کی نورانیت و روحانیت کی اہلِ ایمان و عرفان میں جلوہ گری تک کو گمراہی و بدعقیدگی کہا گیا۔ بشریت و مثلیت پر ایسا اصرار کیا کہ عامیانہ انداز ہو گیا۔ یہ لوگ اپنی مزعومہ توحید جسے وہ عین اسلامی توحید سمجھنے میں اتنے سرزور ہو گئے ہیں کہ بڑی سے بڑی گستاخی سے بھی نہیں چوکتے اور انبیاء و اولیاء کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں کہ جو ان کے ساتھ صریح عداوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے اعلانِ جنگ کے مترادف ہے۔ چنانچہ ردِ شرک کے لئے جب ان کی زبانیں اور قلم چلنے شروع ہوتے ہیں تو صدرِ اوّل سے لے کر آج تک بڑے بڑے عالم، محدث، فقیہ اور صوفی بھی انہیں شرک سے خالی نظر نہیں آتے اور عہد رسالت سے آج تک کا تقریباً ہر شخص مشرک معلوم ہونے لگتا ہے۔ ادبِ رسالت جیسے واجب التعظیم احترام پر بھی ان کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے ہیں۔ اور یہ بھی انہیں شرکیہ عمل محسوس ہونے لگتا ہے۔ حالانکہ ادب و تعظیم وہ بنیادی چیز ہے کہ جو اس سے بھی محروم ہو وہ کبھی بھی روحانی ترقی نہیں کر سکتا اور نہ ہی شریعت کی اصل رُوح تک پہنچ کر اُس کے باطنی برکات و ثمرات اور لطائف سے متمتع و مشرف ہو سکتا ہے۔

انبیاء و اولیاء اور اہل اللہ کے احترام میں شرک کے جراثیم تلاش کرنے کی کوشش کرنا انتہائی جسارت و گستاخی کا ارتکاب ہے۔ گویا ایسے غالی لوگوں کے ہاں احترام و تعظیم کا

Marfat.com

مستحق صرف خدا تعالیٰ ہے۔ اولیاء اللہ سے دُعائیں لینا اور اِن کے ہاں سنت کے مطابق احترام بجالانے پر مشرکین کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کا کلی انطباق کرنا عجیب بھونڈا انداز ہے۔ حالانکہ واضح ہے کہ مشرکین بتوں اور غیر اللہ کو سجدہ کرتے تھے اور اُن کے نام کی منتیں مانتے تھے اور اُنہیں سے اولاد اور اموال مانگتے تھے۔ اور ایسی آیات میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تقرب اور اُس سے شفاعت کرانے کے لئے مخلوق کی عبادت کرتے تھے۔ اِن آیات سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اہل اللہ سے محبت رکھنا اِن سے دعا کرانا اور اِن کے ہاں احترام بجالانا شرک و بدعت ہے۔ اورانہی لوگوں نے محبت اور اطاعت کے ساتھ عبادت کو خلط کر دیا۔ روایات کا ایک ایسا ذخیر کتب احادیث میں موجود ہے جس کا مقصود و مطلوب انبیاء و اولیاء کی تعظیم و احترام اور ادب ہے۔ ایسا طریقہ ادب جو مشروع اور مستحسن ہو اُسے کسی درجہ میں شرک کے زُمرے میں داخل کرنا دُرست نہیں ہے۔ اِس باب میں جہلا کی جہالتوں اور غیر مشروع بدعتوں کو چھوڑنا جہاں ضروری ہے وہاں متشدد لوگوں کی بے ادبی اور جسارت کو ترک کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ میانہ روی اختیار کی جائے۔ نہ توحید ایسی کہ ہر جائز و مشروع کام شرک ٹھہرے اور نہ تعظیم و احترام ایسا کہ بدعت و شرک کا شائبہ آئے۔

تصوف میں نکتہ اعتدال

تصوف و سلوک کے باب میں سب سے زیادہ افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ اس کی اصل حقیقت رُوح کی صفائی، قلب کی جلا، اخلاق کی پاکیزگی اور تزکیہ باطن ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اِسے بدنام کر رکھا ہے۔ مختلف قبروں اور مزاروں پر جو حرکات دیکھنے میں آتی ہیں یہ سب اَن پڑھ اور جاہل لوگوں کی خرافات کا نتیجہ ہیں۔ برہنہ رہتے ہیں، صفائی ستھرائی کا کوئی اہتمام نہیں کرتے۔ شریعت کے تقاضے پورے نہیں کرتے، ترکِ دنیا کا لبادہ

Marfat.com

اُوڑھ رکھا ہے۔ نماز روزہ سے اِن کا کوئی سروکار نہیں۔ گردنوں میں مالائیں ڈالے، کپڑے کے چھوٹے چھوٹے رنگین ٹکڑوں سے سلی ہوئی چادر اوڑھے، ہاتھ میں لاٹھی پکڑے، بکھرے ہوئے بال، میلے کچیلے بدن والے یہ فقیرو درویش بڑے اللہ والے سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ درویشی کا یہ معیار قائم کرنا درست نہیں۔ فقرودرویشی کا اصل معیار اتباعِ سُنت ہے۔

اختلافی مسائل میں توازن واعتدال

سوال: فرقہ پرستی کے بنیادی اسباب کیا ہیں؟ اِس کے بارے میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

جواب: اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے اتحاد و اتفاق کا حکم دیا ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے ہونا یا گروہ در گروہ ہو جانے کا بنیادی سبب ہمارا تضاد ہے۔ تضاد یا ابہام دین میں نہیں ہے۔ تضادات درحقیقت انسان کی اپنی خواہشات سے جنم لیتے ہیں۔ جب ہر شخص اس بات پر اصرار کرے کہ اُس کی کہی ہوئی ہر بات لازماً حق ہے۔ اِس میں سرے سے غلطی کی کوئی گنجائش نہیں اور دوسرے فریق کی بات لازماً شرعاً غلط ہے۔ اِس طرزِ عمل سے گروہ بندی پیدا ہوتی ہے۔ اِس کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ ہر مکتبہ فکر کا ہر شخص یہ تسلیم کرے کہ حق صرف اور صرف قرآن وسُنت ہے اور اُس شخص کی بات میں صحیح یا غلط دونوں طرح کے احتمال اور امکان ہو سکتے ہیں۔ آپس میں باہم تبادلہ خیال، مذاکرہ اور افہام وتفہیم سے اتحاد و یک جہتی کی فضا ہموار کی جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے دین اُمت کو دو صورتوں میں ملا ہے۔ ایک قرآن حکیم کی صورت میں جو دنیا کی ہر چیز پر حاکم اور معیارِ حق و باطل ہے۔ دوسری چیز حضور نبی کریم ﷺ کا وہ عملی طریقہ جس پر تاجدارِ کائنات ﷺ ساری زندگی کا ربند رہے اور صحابہ کرامؓ کے درمیان اِسے رواج دینے کے لیئے غیر معمولی اہتمام فرمایا۔ یہی اُمور دراصل سُنت کہلاتے ہیں۔ لہٰذا کسی بھی اِنسان کے مسلمان ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن وسُنت کے سامنے غیر مشروط طور پر سرِ تسلیم خم کر دے۔ پورے صدق دل

Marfat.com

سے یہ اعلان کرے کہ قرآن وسنت ہی حق ہے اور اس کے کسی لفظ اور کسی عمل کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن وسنت پر مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے اور اصلاً اس میں کوئی اختلاف ہے بھی نہیں۔ کیونکہ یہ اُمتِ مسلمہ کو صحابہ کرامؓ کے کامل اجماع سے پہنچا ہے۔ البتہ قرآنِ حکیم کی کسی آیت کا مفہوم سمجھنے میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ سے قرآن وسنت کی تفہیم کے بارے میں اُمت تک جو حدیث پہنچی ہے اِس کا مقصود ومدعا سمجھنے میں اختلاف ممکن ہے، ایسا اختلاف علمی و تحقیقی ہے اِسے گوارا کرنا اور اِس کے لئے وُسعت کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ایسے اختلافات خلوص پر مبنی تھے اور یہ جزی وفروعی اختلافات عہد صحابہؓ میں بھی موجود تھے۔ ان کو مٹانا درست نہیں ہے۔ ایسے اختلاف میں خلوص اور جذبہ اطاعت موجود ہوتا ہے اور اگر اس میں کوئی بات سمجھنے میں غلطی ہو جائے تو ۔۔۔۔۔۔۔ پوری صلاحیت استعمال کرنے کے بعد ایک غلط مؤقف کو صحیح جان کر اپنایا جائے تو اِنشاء اللہ اللہ تعالیٰ اِس پر جزا دیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل کی بنیاد نیت ہی پر ہوتی ہے۔ عہد نبویؐ میں بھی اِسکی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً غزوہ خندق کے دوران میں یہودیوں کے قبیلے بنی قریظہ نے غداری کا ارتکاب کیا تھا۔ اس لئے جنگ کے فوراً بعد آپ ﷺ نے قریظہ کے قلعے کا محاصرہ کرنے کے لئے ایک دستہ بھیجا۔ دستے کو روانہ کرتے وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہاں پہنچنے تک عصر کی نماز نہ پڑھنا۔ راستے میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اس پر ایک گروہ نے یہ کہہ کر نمازِ عصر پڑھ لی کہ رسولِ کریم ﷺ کا حکم منشاء یہ نہیں تھا کہ اگر واقعتاً کسی مجبوری کے تحت راستے میں عصر کا وقت ہو جائے تو اُسے قضا ہونے دیا جائے۔ بلکہ اصل منشاء یہ تھا کہ ہم تیز چلیں۔ تا کہ عصر کی نماز تک وہاں لازماً پہنچ جائیں۔ جبکہ دوسرے گروہ نے یہ رائے اختیار کی کہ آپ ﷺ نے صاف طور پر یہ حکم دیا تھا کہ عصر کی نماز منزل ہی پر پہنچ کر پڑھی جائے۔ لہٰذا انہوں نے بنی قریظہ کے قلعے پر پہنچ کر

Marfat.com

قضا نماز ادا کی۔ جب رسولِ رحمت ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ دونوں نے ٹھیک کیا۔ دونوں گروہوں کا مؤقف بالکل خلوص پر مبنی تھا اور دونوں اپنے اپنے خیال میں رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت کر رہے تھے۔ اِس لئے نبی کریم ﷺ نے دونوں گروہوں کو اپنے رویئے میں درست قرار دیا۔ چنانچہ دونوں ہی اللہ کے ہاں اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اس بنیاد پر پورے اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولِ برحق ﷺ کی اطاعت واتباع کی نیت سے ہر حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی اور دوسرے فقہی مسالک باوجود باہمی اختلاف کے اجر وثواب کے مستحق ہیں۔ بشرطیکہ وہ اپنا اختلاف بیان کرنے میں دین کے بنیادی اُصولوں کا خیال رکھیں۔ مخالفت اور مخاصمت کا رویہ نہ اپنائیں۔ ملتِ اِسلامیہ سے اپنے آپ کو الگ نہ کریں اور سب کے ساتھ مل کر رہیں اور شعائر دینی کی مکمل پاسداری اور پابندی کریں۔

فقہی مسالک کے وجود میں آنے کے اسباب

سوال: فقہی مذاہب کیسے وجود میں آئے؟ اس کے کیا اسباب تھے؟

جواب: نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد ایک سو سال بعد تک فقہی مسالک وجود میں نہیں آئے تھے۔ پورا عہد صحابہ فقہی مسالک سے خالی تھا۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں دین کے بنیادی مآخذ دو تھے۔ قرآن اور سنت۔ جن مسائل کا براہ راست قرآن وسنت میں حل نہ ملتا اس میں خوب غور وفکر کر کے اجتہاد کیا جاتا۔ کیونکہ غور وفکر بھی دراصل قرآنِ حکیم ہی کا حکم ہے۔ ایک سو سے زائد آیات ایسی ہیں جن میں عقل سے کام لینے، فکر سے کام لینے اور سوچ سمجھ سے کام لینے پر اُبھارا گیا ہے۔ ریاست کی سطح پر حکمران اپنی مجلس شوریٰ میں اجتہاد کے ذریعے گردوپیش کا جائزہ لیا لیتا ہے۔ اس طرح اجتہاد کے مطابق قانون سازی ہوتی رہی اور حالات کے ساتھ ساتھ اجتہاد بھی بدلتا رہا۔ جب اِسلام تیزی سے پھیلنا شروع ہوا تو کچھ

Marfat.com

فقہائے اُمت نے سوچا کہ دین کی مختلف جزئیات کو قانونی زبان میں دو جمع دو چار کی طرح بیان کر دیا جائے۔ تاکہ اُس کے سمجھنے میں سہولت اور آسانی ہو۔ اِسی غور و فکر کے نتیجے میں علم فقہ وجود میں آیا۔ یوں تو بہت سے فقہائے اُمت گذرے ہیں مگر زمانے نے چھ فقہی مسالک کو شہرتِ دوام بخشا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) فقہ حنفی (۲) فقہ مالکی
(۳) فقہ شافعی (۴) فقہ حنبلی
(۵) فقہ جعفریہ (۶) فقہ اہلحدیث

فقہ حنفی

سوال: فقہی مذاہب کے بانیوں کا کیا تعارف ہے اور ان کے اُصول اجتہاد کیا ہیں؟

جواب: عالمِ اسلام کا سب سے بڑا حصہ فقہ حنفی سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس کے بانی امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اِن کے عہد میں کوفہ علم و فضل کا مرکز تھا اور بے شمار صحابہ کرامؓ وہاں رہائش پذیر تھے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اپنی زندگی کے اِبتدائی گیارہ بارہ برسوں میں صحابہ کرامؓ کو دیکھا اور مساجد میں نماز پڑھتے اور درس دیتے ہوئے ان کا مشاہدہ کیا۔ اِس اعتبار سے آپؒ تابعی کہلاتے ہیں۔

فقہ حنفی کے اُصولِ اجتہاد

فقہ حنفی کا پہلا ماخذ قرآنِ حکیم ہے۔ دوسرا ماخذ سنت ہے۔ فقہ حنفی میں اِسے سنتِ معلومہ اور سنتِ مشہودہ کہتے ہیں۔ اِن کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ تھی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو ایک سو دس برس ہو چکے ہیں۔ اِن سو برسوں میں مسلمانوں کی عبادات اور دوسرے عملی اُمور میں ایک دن کے لئے بھی انقطاع نہیں آیا۔ اس لئے اُمت کو

Marfat.com

ہم جس چیز پر عمل پیرا دیکھتے ہیں۔ یہی طریقہ آپ ﷺ سے براہِ راست ہم تک منتقل ہوا ہے۔اور اِس میں کسی قسم کی کوئی ملاوٹ اور آمیزش نہیں ہوئی۔اس لئے دین کو جاننے سمجھنے کا ایک اہم ذریعہ یہی سنت مشہودہ ہے۔فقہ حنفی کا تیسرا ماخذ حدیث ہے۔اِس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک بات مستند طریقہ سے حضور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور وہ قرآنِ حکیم اور سُنتِ معلومہ کے خلاف نہیں ہے تو وہ دین کا ایک حصہ ہے۔تاہم ایک خاص معاملہ میں مسلک حنفی روایات کو زیادہ اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں۔وہ یہ ہے کہ جس معاملہ کا تعلق بہت سے افراد سے ہو اور روزمرہ زندگی میں لوگوں کو عام طور پر پیش آتا ہو اُسے اصطلاح میں عموم بلویٰ کہتے ہیں اس کے متعلق محض ایک یا دو ذریعوں سے ملی ہوئی روایت کی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔کیونکہ اس معاملے کا تقاضا یہ تھا کہ اِس کے متعلق بہت سے واسطوں سے بہت سی روایات ملنی چاہیے تھیں۔اگر ایسا نہیں ہے تو کسی اہم اور روزمرہ سے متعلق معاملہ میں کوئی خبر واحد میں محدود یا پابند نہیں کرسکتی۔ایسے معاملہ میں واضح اور صحیح راستہ یہ ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کیا جائے۔اجتہاد کی شرعی بنیاد مسلمہ ہے جبکہ کوئی روایت یا خبر واحد،سدق اور کذب درنوں کا احتمال رکھتی ہو۔فقہ حنفی کا چوتھا ماخذ اجماع ہے،یعنی کسی زمانے کے مجتہدین کا کسی ایک حکم پر متفق ہو جانا۔فقہ حنفی کا پانچواں ماخذ قیاس ہے۔قیاس کا مفہوم یہ ہے کہ جن اُمور میں قرآن وسنت سے کوئی بات واضح طور پر منقول نہ ہو ان کے متعلق قرآن وسنت سے کوئی بات واضح طور پر منقول نہ ہو اِن کے متعلق قرآن وسنت کے اُصولوں کی روشنی میں اور ان کی رُوح کے مطابق کوئی فیصلہ کرنا۔گویا یہ اجتہاد کا عمل ہی کہلاتا ہے۔فقہ حنفی کا چھٹا ماخذ استحسان ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص معاملہ میں قیاس سے تھوڑا ہٹتے ہوئے ایک ایسا فتویٰ دینا ہے جس میں عامۃ المسلمین کے لئے آسانی و سہولت ہو۔فقہ حنفی کا ساتواں ماخذ عرف و عادت ہے۔جس کا مطلب یہ ہے قرآن وسنت

Marfat.com

کے دائرے میں رہتے ہوئے معاشرے میں جو کچھ بھی عام طور طریقے رائج ہیں اِن کی بنیاد پر حکم دیا جائے اور لوگوں کے لئے اجنبی اور مجہول راستے نہ نکالے جائیں۔

فقہ مالکی

فقہ مالکی کے بانی امام مالکؒ جو ۹۳ھ میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ امام مالکؒ امام ابوحنیفہ کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے۔ فقہ مالکی میں قرآن وسنت کے بعد ''تعاملِ اہل مدینہ'' کو ایک اہم اُصول کی حیثیت حاصل ہے۔ امام مالکؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ ساری عمر مدینہ طیبہ میں رہے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت وفات نبی ﷺ کے بعد بھی مدینہ طیبہ ہی میں موجود رہی۔ اس لئے دین جتنا خالص شکل میں مدینہ طیبہ میں موجود ہے، اتنا اور کہیں نہیں۔ لہٰذا اگر اِس وقت میں کوئی عمل، اہل مدینہ کے ہاں رائج ہے تو یہ دین کے ہم تک پہنچنے کا ایک قابلِ اعتماد ذریعہ ہے۔ کیونکہ اہل مدینہ نے یہ طریقہ براہِ راست صحابہ کرامؓ سے اور صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم ﷺ سے سیکھا۔ فقہ مالکی کے ہاں حدیث کا درجہ عملِ اہل مدینہ کے بعد ہے۔ اِس لئے کہ عمل اہل مدینہ کی حیثیت ہزاروں احادیث کے برابر ہے۔ اِس کے مقابلے میں ایک آدھ روایت یا چند اخبار اُحاد کی کوئی اہمیت نہیں۔ لہٰذا اِن کے نزدیک احادیث کو عمل اہل مدینہ کی روشنی میں دیکھا جائے گا اور اِن کی تاویل کی جائے گی۔ فقہ مالکی میں مصالح مرسلہ جس کو اِستصلاح بھی کہا جاتا ہے بڑی اہمیت دی جاتی ہے اس کا مفہوم تقریباً وہی ہے جو مسلک حنفی میں قیاس کا ہے۔

فقہ شافعی

فقہ شافعی کے بانی امام شافعی ہیں جو ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اس طرح امام شافعیؒ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ستر سال بعد پیدا ہوئے۔ مسلک شافعی کے اُصولوں میں قرآن حکیم کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ فقہ شافعی میں سنتِ مشہودہ اور عملِ اہل مدینہ کی کوئی اہمیت

Marfat.com

نہیں۔ مسالک حقہ کا اُصول یہ ہے کہ اگر کسی معاملے میں کوئی ایک بھی صحیح حدیث مل جائے تو وہ حجت ہے یعنی اُس پر عمل کرنا لازم ہے۔ یہ بڑا اہم اور بنیادی اختلاف ہے۔ مسلک حنفی میں ''استدلال'' جائز ہے جو درحقیقت فقہ حنفی کی اصطلاح ''قیاس'' ہی کا دوسرا نام ہے۔

فقہ حنبلی

فقہ حنبلی کے بانی امام احمد بن حنبل ہیں جو ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا حنفی مسلک سے بڑا اختلاف یہ ہے کہ وہ اجتہاد کو بالکل نہیں مانتے اور صرف قرآن و حدیث کو سند مانتے ہیں۔ حدیث سے ان کی مراد صرف صحیح حدیث ہی نہیں بلکہ مرسل یعنی وہ روایات جن کی سند میں ایک کڑی ٹوٹی ہوئی ہو اور ضعیف یعنی نا قابلِ اعتماد ذریعوں سے پہنچی ہوئی روایات بھی ہیں۔ اِن کے نزدیک اگر ضعیف سے ضعیف روایت بھی موجود ہو تو اس کے مقابلے میں اجتہاد نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث کے معاملہ میں امام احمد بن حنبلؒ انتہا پسندانہ مؤقف رکھتے تھے۔ ان کے ہاں ''اِستحصاب'' نام کی ایک اصطلاح بھی اِستعمال کی جاتی ہے جس کا مطلب و مفہوم ''مصالح مرسلہ'' سے قریب تر ہے۔

مسلک اہلحدیث

اِن کے نزدیک کسی متعین امام کی تقلید شرعاً جائز نہیں ہے۔ جو انتہائی مبالغہ پر مبنی رائے ہے۔ اِن کا کہنا ہے دین قرآن و حدیث کا نام ہے۔ یہ سنتِ مشہودہ یا عمل اہل مدینہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اِس لحاظ سے اِن کے اُصول کافی حد تک مسلک شافعیؒ و حنبلیؒ سے قریب ہیں۔

فقہی مسالک کے گروپوں کی تقسیم

سوال: فقہی مذاہب میں تطبیق و توفیق کیسے کی جا سکتی ہے؟ اور کس طرح انہیں ہم آہنگ

Marfat.com

کیا جاسکتا ہے؟

جواب: مذکورہ بالا فقہی مسالک کے تعارف کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اِن فقہی مسالک کو دو بڑے گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک گروپ میں فقہ حنفی و مالکی ہیں جو صحابہ و تابعین کے متواتر و مسلسل عمل کو حجت قرار دیتے ہیں اور اِسے ہم تک دین پہنچنے کا سب سے اہم ذریعہ قرار دیتے ہیں باقی تمام معاملات میں وہ اجتہاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ اِن کے مدمقابل دوسرے گروپ میں مسلک شافعی مسلک حنبلی اور اہل حدیث شامل ہیں جو روایات کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اِن کے نزدیک کسی بھی روایت سے خواہ اُس کا راوی بس ایک فرد ہو دین ثابت ہوتا ہے۔ اِس کے مقابلے میں کسی دوسری چیز کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس لئے پہلے گروہ کو اہل الرائے اور دوسرے گروپ کو بلحاظ مجموعی اہل الحدیث بھی کہا گیا ہے۔ اِن گروپوں کے اختلاف کا نمایاں فرق مندرجہ ذیل مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔ مسلک حنفی و مالکی کے مقلدین نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے ہیں جبکہ دوسرا گروہ رکوع میں جاتے وقت۔ رکوع سے اُٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت بھی رفع یدین کرتا ہے۔ اس بارے میں مسلک حنفی و مالکی کی دلیل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے کوفہ میں اور امام مالکؒ نے مدینہ میں تابعین کو بالاتفاق صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین پر عمل پیرا دیکھا۔ اِس لئے معیاری طریقہ یہی ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ تابعین کے وقت میں دین اِتنا مسخ ہو چکا ہو کہ وہ دین کا ایک اہم حصہ بھول گئے ہوں۔ اس لئے عمل متواتر اور عملِ اہل مدینہ سے صرف یہی ایک تکبیر اولی کے وقت رفع یدین ثابت ہے۔ اس کے برعکس مسلک شافعی و حنبلی اور اہلحدیث کا مؤقف یہ ہے کہ صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت بھی رفع یدین کیا ہے۔ اس لئے اِن موقعوں پر بھی رفع یدین لازم ہے اور اِس

Marfat.com

کے نہ کرنے سے نماز میں نقص واقع ہوتا ہے۔

تقابلی جائزہ

سوال: فقہی مذاہب کے اُصولوں کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو کون سا زیادہ وزنی دلائل پر مبنی مذہب دکھائی دیتا ہے؟

جواب: فقہ کے اُصولوں پر غور کیا جائے تو قرآن و سنت کے علاوہ مزید جتنی بھی اصطلاحات اِستعمال ہوتی ہیں وہ دراصل اجتہاد ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ گویا اصلی حقیقت صرف تین چیزوں کی ہے۔ قرآن، سنت اور اجتہاد۔ صحابہ کرامؓ کا طریقہ بھی یہی تھا۔ بلاضرورت مشکل بنانا مناسب نہیں ہے۔ عصرِ حاضر میں یہی طریقہ کار اختیار کرلیا جائے کہ دین صرف اور صرف قرآن وسنت کا نام ہے اور فقہی مسائل کے حل کے لئے اجتہاد سے کام لیا جائے۔ فقہی مسالک میں اجتہاد ہی کی مختلف شکلوں کو بلاضرورت مشکل بھی بنایا گیا ہے۔ مثلاً فقہ حنفی کا قیاس و استحسان، فقہ مالکی کا مصالح مُرسلہ و اِستصلاحِ فقہ شافعی کا اِستدلال اور فقہ حنبلی کا رفع حرج اور سدِ ذریعہ وغیرہ۔ اِن فقہی مسالک کے فروغ کا فائدہ یہ ہوا کہ ان کی دلچسپی، استدلال کی قوت اور ندرت فکر کی وجہ سے انہوں نے بے شمار اہل علم کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ ان کے اشغال سے بالواسطہ دین کو بہت فائدہ پہنچا۔ تاہم علم فقہ میں حددرجہ دلچسپی کی وجہ سے کچھ مشکلات بھی پیدا ہوئیں۔ پہلی مشکل تو یہ پیدا ہوئی کہ فقہی مسالک کے باعث دین پیچیدہ بن گیا۔ کیونکہ ہر فقہ میں سینکڑوں اصطلاحات وجود میں آگئیں جن سے قرآن وسنت کی فہم مشکل ہوتی گئی۔

پھر ہر مسلک نے ہر اصطلاح کو اپنے فہم کے معنیٰ پہنائے جس کے نتیجے میں ہر اصطلاح گنجلک بن گئی۔ اس وجہ سے ہر جگہ اور ہر قدم پر اتفاق کے بجائے اختلاف کا دائرہ پھیلتا گیا علم فقہ کے فروغ میں یہ مشکل بھی پیدا ہوئی کہ اِس طرح دین محض قانون بن گیا۔

Marfat.com

جس کی وجہ سے دین کا سیکھنا اور سکھانا درحقیقت قانون کا سیکھنا سکھانا بنتا گیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ زندگی کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہی قانون سے تعلق رکھتا ہے اور زندگی کا بڑا حصہ تو تصورات، آداب، طور طریقوں، اخلاقیات اور عقلِ عام پر مبنی ہے جسے کسی طرح بھی قانون کے شکنجے میں جکڑنا مناسب نہیں ہے۔ قانونی زبان میں بیان کرنے کا نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ مثلاً وضو کے باب میں جتنی بحثیں فقہ میں موجود ہیں یہ دین کے بجائے عقلِ عام سے تعلق رکھتی ہیں۔ روزانہ کروڑوں مسلمان پانچ وقت کی نمازوں کے لئے وضو کرتے ہیں اور انہیں وضو کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی لیکن اِن آسان چیزوں کو فقہی مسالک کی کتبِ فقہ کی روشنی میں سمجھنا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔ عقلِ عام کی چیزوں کو قانونی شکنجوں میں کس کر سمجھانا پیچیدہ ہو جاتا ہے اور ایک عام مسلمان اور نو مسلم شخص کو اگر فقہی کتب کی مراجعت کرائی جائے تو خاصی دشواری پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ فقہی بحثوں میں سے اکثر حصہ کا تعلق اصلاً دین سے نہیں بلکہ عقل عام سے ہے۔ اِس لئے اِن فقہی اختلافات میں عام مسلمانوں کو ہرگز ہرگز نہیں اُلجھانا چاہیے۔ یہ فقہی بحثیں مستند جید علماء کے پڑھنے پڑھانے کی ہوتی ہیں۔ یہ عوام کے لئے نہیں ہوا کرتیں۔ اِن کی رہنمائی تو آسان انداز میں کی جائے کہ جس سے یہ دین سے روشناس ہو جائیں۔ مثلاً عامۃ المسلمین کو وضو کے فرائض، واجبات سنتیں، مباحات، ارکان اور شرائط کی تعداد بالترتیب لفظاً یاد نہیں رہ سکتیں اور ہمارے عام علماء کا تصور یہی ہے کہ عامۃ الناس اِنہیں ازبر کریں حالانکہ اِنہیں سادہ لفظوں میں وُضو کا عملی طریقہ بتا دیا جائے تو زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔ علم فقہ کے فروغ کے رواج نے بھی خاصا تاثر پھیلایا ہے کہ دین ظاہر پرستی کا نام ہے۔ کیونکہ فقہ ایک ٹیکنیکل اور مکینیکل مضمون بن گیا اور تمام عبادات کو اس طرح جکڑ کر رکھ دیا گیا کہ اس کی روح اصلی ماند پڑتی گئی اور ظواہر کے مسائل زیادہ اہمیت اختیار کرتے چلے گئے۔ عہد نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں

Marfat.com

دین بالکل واضح اور سادہ تھا۔ اُس وقت بھی اِن فقہی مسالک کے بغیر دین کامل واکمل تھا۔ اس لئے نومسلموں کو اِسے سیکھنے میں کوئی مشکل اور دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ فقہی مسالک کے فروغ میں تعصب کا پیدا ہونا ایک منطقی نتیجہ تھا۔ اِن فقہی مسالک کے بانیوں نے تو انتہائی خلوص دل سے کوشش کی کہ صحیح دین تک پہنچا جائے اور وہ لوگوں کو سمجھایا جائے۔ لیکن ان کے بعد ہر فقہ کے متبعین نے اپنے مسالک کے ارتقاء میں اِن کو پیچیدہ بنا دیا۔ اب ہر شخص کے فقہ کو جاننا سمجھنا سیکھنا آسان نہیں رہا خاصا مشکل ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عملاً دین و دنیا کی دوئی کا فسانہ تراش لیا گیا ہے۔ اِسی لئے تعلیمی اداروں میں دوئی پیدا ہوتی چلی گئی۔ عام لوگوں نے دین کو براہِ راست سمجھنا مدارس کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ تقلید کا تصور پیدا ہوا۔ واضح سی بات ہے کہ تقلید کا منطقی نتیجہ تعصب کی صورت میں پیدا ہوا اور پھر پھیلتا چلا گیا۔ فقہی بحثوں میں حد درجہ اشغال کی وجہ سے علمائے دین قرآنِ حکیم کے براہِ راست تدبر سے بے گانہ ہوتے گئے۔ چونکہ فقہ کی کتب میں دسترس حاصل کرنا اور جزئیات سمیت ازبر رکھنا ہی سب سے بڑا افتخار ٹھہرا۔ اس لئے مدارسِ عربیہ نے اپنے نصاب میں کتب فقہ کو اولیت دی۔ براہِ راست قرآنِ حکیم میں غور وفکر کرنے کا تصور ڈھیلا پڑ گیا۔ حالانکہ ہر مسلک فقہ میں بنیادی مآخذ قرآنِ حکیم ہی ہے۔ لیکن قرآنِ حکیم تو بنیادی طور پر نظریات وافکار اور تصورات سے بحث کرتا ہے تاکہ ذہن وفکر کو جلا بخشے اور سوچنے کی راہیں ہموار کرے جبکہ فقہی مسالک کی بحثیں "چند فقہی احکام کے استدلال واستنباط والی آیات پر خاص نقطۂ نظر سے مرکوز ہوتی گئی ہیں۔ ہمارے مدارسِ عربیہ کے ماحول میں یا تو محض تلاوتِ قرآن حفظ و ناظرہ کی صورت میں رہ گیا ہے یا پھر چند فقہی واعتقادی اختلافی مسائل کے حل کے لئے قرآن کا پڑھنا سمجھنا رہ گیا ہے۔ آج کل مختلف مدارسِ عربیہ میں دورہ تفسیر قرآن جس انداز میں کرایا جاتا ہے۔ اُس میں قرآنِ حکیم میں براہِ راست غور وفکر کرنے کا شعور پیدا نہیں کیا

Marfat.com

جاتا بلکہ دور از کار تاویلات کے لئے پڑھایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے قرآنی آیات سے فروعی مسائل کا بعض اوقات ایسا بھونڈا استدلال کیا جاتا ہے کہ رُوح کانپ اُٹھتی ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ قرآنِ حکیم کے سیکھنے سکھانے کے لئے مدارس عربیہ کے تدریسی اوقات میں اِس کو خاص اہمیت دی جائے۔ اور بیدار مغز سکالرز فہم قرآنِ حکیم کے لئے اپنی کاوشیں تیز تر کردیں۔

اہل الرائے اور اہل الحدیث کے درمیان مصالحت و مفاہمت کا طریقہ

حدیث کی حیثیت کے بارے میں جو اختلاف مسالک کے درمیان پیدا ہوا ہے اس کے لئے ایسا طریقہ ممکن ہے کہ جس سے ''اہل الرائے'' اور ''اہل الحدیث'' کے درمیان اختلاف کی خلیج ختم ہو سکتی ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ اُمت مسلمہ کے درمیان متفق علیہ ہے وہ تو سنت ہے۔ اِن کے علاوہ روایات میں جتنے اعمال کا ذکر ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ نے خود کئے یا کسی خاص صحابیؓ کو سکھائے مگر اُمت میں اِسے جاری نہیں فرمایا۔ ایسے تمام اعمال کی حیثیت نفل کی سی ہے۔ اگر صحاح ستہ کی تمام روایات کو قرآنِ حکیم اور مذکورہ بالا اُصول کے تحت پرکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اِن کتب حدیث میں جمع کردہ روایات کی بہت بڑی تعداد اس کسوٹی پر پوری اُترتی ہے۔ مثلاً مذکورہ بالا اُصول کی روشنی میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ مسائل کے اندر مسلمان ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتے ہیں اور اضطراب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اُن کا سدباب آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ گویا حدیث کے قرآن وسنت پر صحیح انطباق سے اُمتِ مسلمہ کے تمام فروعی مسائل کے حل کی راہ باآسانی نکل آتی ہے۔ پھر گروہ بندی کرتے ہوئے مساجد اور مدارس کا علیحدہ علیحدہ نام رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ مسلک کی بنیاد پر اختلافات کو ہوا دینے اور ماحول کو کشیدہ کرنے کی

Marfat.com

کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

اجتہاد اور اُس کا طریقہ کار

سوال: اجتہاد کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے؟ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

جواب: زمانے کے تغیر و تبدل اور ارتقاء کے نتیجے میں جب نئے سوالات سامنے آجائیں جن کے بارے میں قرآن و سنت نے براہِ راست رہنمائی نہیں فرمائی تو ایسے تمام مسائل کے حل کے لئے قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو عقل و فکر اور تدبر و تفکر اور تجزیہ کی ہدایت کا حکم فرمایا ہے۔ ہر نئے سوال کے تمام پہلوؤں پر خوب اچھی طرح غور و فکر کر کے اِس کے بارے میں رائے بنائی جائے۔ یہی عملِ اجتہاد ہے۔ اجتہاد کے اس کام میں جہاں ایک طرف احادیث کے پورے ذخیرے سے فائدہ اُٹھانا ضروری ہے۔ اِسی طرح پچھلے چودہ سو برس میں کیئے گئے عملی کام، جدید ترین سائنسی تحقیقات اور موجودہ معاشرتی حالات کو نگاہ میں رکھنا بھی از حد ضروری ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ کوئی بھی اجتہاد دین کا کامل حصہ نہیں بنتا۔ آج کا اجتہاد کل بدل بھی سکتا ہے کیونکہ حالات بدل جاتے ہیں۔ دین مکمل ہے اُس نے باقی رہنا ہے۔ اِس میں نہ تغیر و تبدل ہے اور نہ ہی ارتقاء۔ دین صرف اور صرف قرآن و سنت کا نام ہے۔ اور یہ اجتہاد پر حاکم ہے۔ اجتہاد کی حیثیت رائے یا قانون سازی سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اِسے دین کا درجہ دینا درست نہیں ہے۔ اشتعال کی فضاء پیدا کرنا اور چھوٹے چھوٹے مسائل کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اہل علم کا رویّہ نہیں ہوا کرتا۔ یہ مخصوص مفادات اور گروہی تعصّبات ہوتے ہیں جن کے نتیجے میں حقائق کو توڑا مروڑا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی مکتبِ فکر دوسرے کے متعلق کہتا ہے کہ وہ ''حدیث'' کو نہیں مانتا حالانکہ حقیقت صرف اِتنی ہوتی ہے کہ دوسرے فریق کے کسی روایت کو پرکھنے، جانچنے کے اُصول و مبادی پہلے گروہ سے مختلف ہوتے ہیں۔ یا کوئی کہے کہ فلاں گروہ منکر درود و سلام اور منکر دعا بعد از نمازِ جنازہ یا فلاں

Marfat.com

فلاں ہے۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ فلاں گروہ اس طریقے پر کرنا پسند نہیں کرتا جس طریقے پر صحابہ نے نہیں کیا۔ دیانت اور احتیاط وحزم کا تقاضا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے مؤقف پر تنقید کرنا چاہتا ہو تو اُسے چاہیے کہ پہلے دوسرے کے مؤقف کو بلا کم وکاست سمجھے اور بیان کرے اور پھر اُس پر دلیل کے ساتھ تنقید وتبصرہ کرے۔ تنقید و تنقیح کرتے ہوئے نہ گمراہی کے فتوے لگائے اور نہ جذباتی ماحول پیدا کرے۔ بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ فلاں کی رائے اِن دلائل و براہین کی بناء پر صحیح نہیں ہے۔ اِس طرح ٹھنڈے اور ٹھہرے انداز میں مسائل کو سلجھانے کی کوشش کی جائے تو مسلک پرستی کی دیواریں خود بخود گرتی جائیں گی۔ اور مناظرہ باز، چٹکلے چھوڑنے والے مقررین اور غلط فہمیاں پھیلانے والے خطیبوں اور واعظوں سا انداز اختیار کرنے میں دشمنی کی فضا چھٹنے کی بجائے اور بڑھتی چلی جائے گی۔ پھر ایک وقت ایسا آئے گا۔ کہ آگ بھڑک اُٹھے گی اور بجھنے کا نام نہیں لے گی ہر ایک اس میں جل کر راکھ ہو جائے گا۔ ابھی سے اہل علم کو فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

اِسلامی قانون کی بین الاقوامی اہمیت

سوال: اس وقت ہم مسلمانوں کو اِسلامی قانون کو کس طرح اُجاگر کرنا چاہیے اور اِس کا کونسا منہاج اختیار کرنا چاہیے؟ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

جواب: عصر حاضر میں اسلامی قانون اور اِسلام کا قانون بین الممالک بحیثیت اِنسانیت کے لئے بڑی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہوگیا ہے۔ اِنسانیت اور مسلمانوں کی بقا کا تحفظ کا دار و مدار بڑی حد تک فہم شریعت پر ہے۔ آج ہم جو طرزِ عمل شریعت اِسلامی کے بارے میں اختیار کریں گے وہ آئندہ آنے والے بہت سے فکری، ثقافتی اور تہذیبی مسائل میں ہمارے رویئوں کا تعین کرے گا۔ آج ہماری من حیث القوم یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اِسلامی قانون کے متعلق واضح اور دوٹوک رائے رکھیں کہ اِسی میں اِنسانیت اور مسلمانوں کی نجات ہے۔

Marfat.com

دورِ جدید کے اِنسان ساختہ قوانین پر اِسلامی قانون کی برتری ثابت کرنا ہماری ملی اور اجتماعی ذمہ داری ہے۔ احکامِ شریعت کی ابدیت کو ثابت کیا جائے اور دورِ جدید کے تصورات کی روشنی میں دنیا کو یہ بتایا جائے کہ اِسلامی قانون ہی اِنسان کے درد کا مداوا ہے۔ ایک کامل الایمان مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اِسلامی قانون ہی اِنسان کے انفرادی اور اجتماعی مسائل کا حل ہے البتہ اُن لوگوں کو مطمئن کرنے کی ضرورت ہے جن کا اِسلام پر ایمان یا تو ہے نہیں یا کمزور ہو چکا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے اِسلام کے تصورِ حیات، پیغام، تعلیمات، اور قوانین کو اِس انداز میں پیش کرنا کہ وہ دورِ جدید میں احکامِ شریعت کی ابدیت پر پوری طرح مطمئن ہو جائیں۔ یہ وقت کی بڑی علمی اور فکری ضرورت ہے۔ یہ مجددانہ نوعیت کا کام ہوگا جو بھی سرانجام دے گا اور ایسا کام محض کسی فرد کے لئے مخصوص نہیں بلکہ مسلمانوں کا بالعموم اور پاکستانیوں کا بالخصوص ایک اجتماعی فریضہ ہے۔ آج مسلمان اپنی بقا اور تشخص کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ دنیا میں ہر جگہ دشمن تو مسلمانوں کے تشخص کو مٹانے کے درپے ہیں۔ آج مسلمانوں کے جسدِ ملی کو تار تار اور بے زبان و بے لباس کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں آج مسلمانوں کی تاریخ پر حملے کئے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے اقتدار کو مغربی طور طریقوں اور اِن کی ثقافت کو تنقیدی حملوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ وہ ممالک جو آزادیِ رائے رکھتے ہیں، اور آزادیِ رائے کا علمبردار سمجھے جاتے ہیں۔ آج وہاں مسلمان طالبات کو سر پر چادر اوڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے محسوس کر لیا ہے کہ یہ چھوٹی سی چیز ایک بہت بڑے انقلاب اور تبدیلی کا پیشِ خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ آج مغرب کو اِسلامی قانون، اور اِسلامی شریعت اور اِسلامی نظامِ حکومت سے سب سے زیادہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ مغربی مفکرین آج تک دنیا کو یہی باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اِسلامی قانون کا نفاذ مغربی تہذیب کے لئے خطرہ کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لئے مغربی قوتوں کی کوشش شعوری اور غیر

Marfat.com

شعوری دونوں طرح سے ہے کہ مسلمانوں کو اِسلامی قانون سے دور رکھا جائے۔ اور اسلامی قوانین کے متعلق ایسی غلط فہمیاں پیدا کر دی جائیں کہ مسلمان اِس سے دور ہوتے چلے جائیں۔ اِن حالات میں اِسلامی قانون پر بالعموم اور اِسلام کے بین الاقوامی قوانین پر بالخصوص سنجیدگی اور ذمہ داری سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ بین الاقوامی قوانین پر غور کرنے کی ضرورت خاص طور پر اس لئے ہے کہ آج دنیا کے لئے نئے نظام تشکیل دیئے جا رہے ہیں۔ بین الاقوامیت کا دور دورہ ہے ہر شے میں ایک قسم کی عالمگیریت پیدا ہو رہی ہے۔ مغربی دنیا بھی اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لئے ایک نیو ورلڈ آرڈر تشکیل دے رہی ہے۔ نئی عالمی تہذیب اور سیاست و معیشت کے نئے نقشہ ہائے کار ترتیب دیئے جا رہے ہیں۔ لہٰذا اِن حالات میں ہم مسلمانوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم زمانے کے تغیرات اور تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہر دور کی زبان اور محاورہ و بیان میں اپنے تصورات کو پیش کرتے رہیں۔ اس دور کے تصورات پر تحقیقی نگاہ ڈال کر احکام شرعیہ کی ابدیت کو ثابت کریں۔ یہ امر واضح ہے کہ اِسلامی قانون ایک کلی نظام ہے۔ ایسا مکمل نظام قانون ہے جو اِنسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں اُصول و ہدایات دیتا ہے۔ یہ ملکی، ریاستی، قومی اور بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں اپنے طے شدہ اور واضح تصورات رکھتا ہے۔ یہ تمام چیزیں ضروری تفصیلات اور عملی مثالوں کے ساتھ سامنے لانا چاہیے۔ جب ہم دور جدید کے مغرب زدہ اور لادینیت گزیدہ دانشوروں کو عقلی دلائل سے مطمئن نہیں کرتے کہ اِسلامی قانون سچ مچ اِنسانوں کے مسائل و مشکلات کو حل کر دیتا ہے اُس وقت تک نفاذ کی راہ میں کوئی پیشِ رفت نہیں کر سکیں گے۔ یہ نازک ترین دور ہے۔ آج مختلف ذرائع سے حملے ہو رہے ہیں۔ یہ دور معلومات کی وُسعت اور نت نئے اِنکشافات کے انفجار کا دور ہے۔ انفجار معلومات کی جتنی شکلیں اِنسانوں کے تصور میں آ سکتی ہیں وہ سب اِس دور میں استعمال

Marfat.com

کی جا رہی ہیں۔ آج کا دور محدودیت کا دور نہیں ہے۔ اس لئے اِن حالات میں ہمیں ہر ہر میدان میں بڑی احتیاط اور انتہائی غور و فکر اور گہرے تدبر کی ضرورت ہے۔ ہمیں کسی بھی سمت کوئی بھی پیش قدمی کرتے وقت ہزار بار سوچنا ہوگا۔ مغربی تہذیب کے اثرات نہ تو اظہار نفرت سے ختم ہو سکتے ہیں اور نہ دُرشت کلامی سے۔ ان حالات میں نہ کوئی فتوی اثر انداز ہوسکتا ہے اور نہ اجتماعی نکیر۔ ایک بھرپور فکری تحریک کی ضرورت ہے جس کے کام کا ایک اہم حصہ اِسلامی قانون اور اُصولِ شریعت کی فکری تشریح اور فلسفیانہ توضیح ہے۔ مغربی تہذیب و ثقافت کے زیرِ اثر ایک اہم اور لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج کا اِنسان مذہبی عقائد کے بارے میں کسی اجتماعیت کو قبول کرنے میں سخت پش و پیش سے کام لیتا ہے اور مذہب کے معاملہ میں انفرادیت پسندانہ رویّہ کو ہی قابلِ قبول اور قابلِ برداشت رویّہ سمجھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے لئے یہ رویہ قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ اِسلام نہ تو دنیا سے فرار کی تعلیم دیتا ہے اور نہ اجتماعی زندگی کو دینی راہنمائی اور وحی الٰہی کے دائرہ سے خارج کرتا ہے۔ اسلام جہاں مذہبی عقائد و عبادات کا ایک مجموعہ ہے وہاں وہ ایک مکمل اجتماعی پروگرام بھی ہے۔ وہ ایک معاشرتی نظام بھی ہے۔ اس میں انفرادیت پسندی اور اجتماعیت فراری کا سرے سے کوئی تصور یا امکان موجود نہیں ہے۔ اجتماعی زندگی سے اِسلام کو نکالنے کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کرسکتا۔ وہ صرف ایک اجتماعی نظام میں ہی رو بہ عمل آسکتے ہیں۔ نمازِ زکوٰۃ، حج اور جہاد سے لے کر معاملات اور کاروبار میں حلال و حرام کی قیود تک احکام ایسے ہیں جن پر کسی قسم کی اجتماعیت کے بغیر عمل نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ اِسلام میں فرد کی تربیت اور کردار سازی پر بڑا زور دیا گیا ہے، یقیناً اللہ کے حضور ہر انسان انفرادی طور پر ہی جوابدہ ہوگا۔ بے شک اِنسان اپنے عقائد و عبادات اور نیت و عزائم کے بارے میں خود ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کس حد تک اخلاص پر مبنی ہیں، لیکن اِن چیزوں کی بنیاد پر اسلام کے اجتماعی نظام سے فرار نہیں کرسکتا۔

Marfat.com

باب نمبر ۳:

مسئلہ تقدیر اور انسان

Marfat.com

علامہ اقبال اور مسئلہ تقدیر

آغازِ اسلام ہی سے مسئلہ تقدیر بڑا معرکۃ الآراء رہا ہے۔ مسئلہ جبر و قدر کا شاخسانہ عباسی دور میں کھل کر سامنے آیا۔ جبر و قدر کی تفریق کی آبیاری شاہی سرپرستی میں کی گئی۔ متکلمین نے اِن دو انتہاؤں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی بڑی کوشش کی۔ اور وہ اس سعی و جدو جہد میں کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔ مگر اِس کے باوجود غالب حیثیت تصور جبر ہی کو حاصل رہی۔ تقدیر پرستی یعنی اِنسان کے مجبور ہونے کا تصور غالب رہا۔ تقدیر پرستی کے اِس روائتی تصور کی بدولت مسلمان قوم میں عملی طور پر دو طرح کی خرابیاں پیدا ہوئیں۔

(1) اوّلاً لوگوں نے اعمالِ صالح کو ترک کر دیا کہ جنت و دوزخ تو مقدر میں لکھے جا چکے ہیں۔ اس لئے اِن اعمال کا کیا فائدہ!

(2) دوسرا نقصان یہ ہوا کہ لوگوں نے خود کو مجبور محض سمجھ کر رندانہ اعمال کو اپنا شعار بنالیا۔ علامہ اقبال مرحوم نے پہلی قسم کی کجروی کی بھرپور مذمت کی۔ ان کے نزدیک اِس تصور کی بدولت اِنسان عملاً شرفِ انسانی سے گر جاتا ہے۔ اقبال نے اِنسان کی بے راہ روی کو جو عقیدہ جبر کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہے اِنسانی فطرت کی پستی قرار دیا ہے۔ علامہ نے نتیجہ عمل کو تقدیر سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ اِن کے نزدیک احکام خداوندی سے بے نیاز ہو کر صرف تدبیر کو سب کچھ سمجھ لینا انتہائی خطرناک ہوسکتا ہے۔

ذرا تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوب جا تو بھی
کہ اس جنگاہ سے میں بن کے تیغ بے نیام آیا

اِنسان جو راستہ اپنے لئے تجویز کرتا ہے اُس کے مطابق اللہ تعالیٰ کا قانون اُس پر جاری ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کُبریٰ کو نہایت حسین اور بلیغ

Marfat.com

انداز میں بیان کیا ہے۔

حرفِ باریکش بہ رمزے مضمراست
تو اگر دیگر شوی اودیگراست
خاک شو، نذرِ ہوا سازد ترا
سنگ شو بر شیشہ اندازد ترا
شبنمی! افتندگی تقدیر تُست
قلزمی! پائندگی تقدیر تُست

تقدیر اللہ تعالیٰ کا وہ قانون ہے جو اِنسان کی حالت کے مطابق اُس پر وارد ہو جاتا ہے۔ جس قسم کی روش اِنسان اختیار کرتا ہے۔ اُس قسم کی اللہ تعالیٰ کی تقدیر اُس پر منطبق ہو جاتی ہے۔ جسے علامہ اقبالؒ نے نہایت بصیرت افروز الفاظ میں بیان کیا ہے ۔

گرز یک تقدیر خوں گردد جگر
خواہ از حق حکم تقدیر دگر
تو اگر تقدیر تو خواہی رواست
زانکہ تقدیراتِ حق لا انتہا است

یہ چیز انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ کون سی تقدیر اپنے اوپر وارد کرانا چاہتا ہے۔ اس لئے علامہ اقبال نے کہا ۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

کاہنوں، پروہتوں اور رمالوں اور فال نکالنے والوں نے اِنسان کو اپنی قسمت معلوم کرنے کے چکر میں پھنسا کر رکھ دیا۔ اس لئے علامہ نے کہا تھا ۔

Marfat.com

تن بہ تقدیر، ہے آج اُن کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
تھا جو، ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

انسان اپنی تقدیر آپ لکھتا ہے

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ
خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تیری جبیں

انسان جب اپنی پیدا کردہ الجھنوں اور طلسم و پیچ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو چیخنے لگ جاتا ہے۔ جب کوئی رہائی کی شکل نظر نہ آئے تو بقول اقبال

سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس
مشرق کے ثوابت ہوں کہ مغرب کے ہوں سیار

دوسرے مقام پر کہا:

عشق ناپید و خرد می گزدش صورتِ مار
عقل کو تابع فرمانِ نظر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

اقبال کے نزدیک مردِ مؤمن تقدیر کے ہاتھوں بیٹھا روتا نہیں رہتا۔ ناسازگار تقدیر کو اُلٹ کر اُس کی جگہ اپنی قوت بازو سے مساعد تقدیر لے آتا ہے

مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار
با مزاج او بسازد روزگار

Marfat.com

گر نہ سازد بامزاج اُو جہاں
می شود جنگ آزما با آسماں
بر کند بنیادِ موجودات را
می دہد ترکیبِ نو ذرّات را
می کند از قوت خود آشکار
روزِگارِ نوکہ باشد ساز گار

جب اِنسانوں کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کا پروگرام پورا ہوتا ہے تو اِنسان خود تقدیر بن جاتا ہے۔

ہے تابع تقدیر تو کافر ہے مسلمان
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

دوسرے مقام پر کہا ۔

عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

فطرت کی قوتوں اور خود اپنی صلاحیتوں سے اپنے مقاصد کے مطابق نتائج مرتب کرانے کوعلامہ نے تقدیر شکن قوت کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے ۔

تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اُس میں
ناداں جسے کہتے ہیں، تقدیر کا زندانی

آرزو کے بدلنے سے اِنسان کی ساری دنیا بدل جاتی ہے۔ اس لئے علامہ نے کہا ۔

تیری دعا ہے کہ ہو آرزو تیری پوری
میری دعا ہے، تیری آرزو بدل جائے

Marfat.com

اِنسان مجبور محض نہیں ،انسان کو تقدیرات کی زنجیروں میں جکڑا نہیں گیا ۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

علامہ اقبالؒ نے اِنسان کی اس بے راہ روی کو جو عقیدہ جبر کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہے اِس کو اِنسانی فطرت کی پستی کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی زُبان میں فرشتوں کے سامنے اِس انسانی پستی اور کمزوری پر مبنی خیال کو غلط ثابت کرتے ہوئے کہا ۔

پستی فطرت نے سکھلائی ہے حجت اُسے
کہتا ہے، تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود
دے رہا ہے اپنی آزادی کو مجبوری کا نام
ظالم اپنے شعلہ سوزاں کو خود کہتا ہے دُود

علامہ اقبالؒ مسلسل عمل اور جدو جہد کے حامی ہیں ۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

علامہ نے قرآنی نقطۂ نظر کو یوں بیان کیا ۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اِنسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرے۔ جس سے وہ اپنی شخصی تبدیلی کے ساتھ ساتھ کائنات کو بھی بہتر صورت دینے کا باعث ہوگا ۔

Marfat.com

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں کہ یہ چار سو بدل جائے

علامہ کے نزدیک اِنسان اِس کائنات میں زندہ اور متحرک قوت ہے۔ اِسی وجہ سے وہ اپنے اعمال وافعال میں آزاد اور خود ذمہ دار ہے۔ اور یہی آزادی اِس کی خودی کی نشو ونما کرتی ہے۔

ناچیز جہاں مہ و پرویں ترے آگے
وہ عالمِ مجبور ہے تو عالم آزاد!

علامہ اِنسان کو متحرک دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اِنسان اپنی کارگاہِ حیات اور کائنات کو مکمل کرے۔ کیونکہ کائنات نہ مسدود ہے اور نہ مقفل ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شائد
کہ آرہی ہے صدائے کن فیکون

علامہ کے نزدیک خودی کے ساتھ تسخیر کائنات کے لئے گامزن رہنا وجود ہے۔ اور پھر عدمِ وجود میں اپنی کوششوں کے نتیجے میں سرخرو اور کامیاب و کامران ہونا اُس کی تکمیل خودی کا ثبوت ہے۔ اِن کے نزدیک تقدیر و اختیار وجود اور عدمِ وجود میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ وہ قید حیات تک محدود نہیں۔ جیسا کہ اقبال نے اپنی مشہور نظم روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے۔

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں

Marfat.com

اے پیکرِ گل کوشش پیہم کی جزا دیکھ

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اور فیصلہ فرمانے میں مکمل اختیار رکھتا ہے۔ اُس نے تمام اِنسانوں کی تقدیر ایک جیسی نہیں بنائی۔ اِنسانوں کو مختلف رُوپ میں پیدا فرمایا ہے اور ذمہ داریاں سونپیں ہیں۔ شاہ و گدا، امیر و غریب، آزاد و غلام، ظالم و مظلوم اور نیک و بد وغیرہ پھر ان سب کو اپنی تقدیر بدلنے کی خواہش اور جستجو کا اختیار بھی دیا۔ اس لئے علامہ نے کہا کہ اگر اِنسان اپنی تقدیر بدلنے کا خواہش مند ہو تو اُسے قوی خواہش کے ساتھ عمل مسلسل بھی کرنا ہوگا۔ جیسے مریض و بیمار کو دعا کے ساتھ دوا کی بھی تلقین کی گئی ہے۔ خالق تقدیر جاننا چاہتا ہے کہ اِنسان کس تقدیر کا طالب ہے! چونکہ اِنسان آزاد ہے اس لئے وہ اِس خواہش میں بھی آزاد ہے ؎

تقدیر کا ہر لحظہ پیام ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگ مفاجات
دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامان موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم!

علامہ نے جبر و قدر کے سلسلہ میں اپنے مرشدِ روحانی مولانا روم سے مکالمہ کیا۔ اس مکالمہ میں سوال کرتے ہیں اور پھر مرشد رومیؒ جواب دیتے ہیں۔

اپنے مرشد سے سوال یوں کیا ہے ؎

اے شریک مستی خاصانِ بدر
میں نہیں سمجھا حدیث جبر و قدر

مرشدِ رُومی نے کیا خوب جواب دیا ؎

Marfat.com

بال بازاں را سوئے سلطان برد
بالِ زاغاں رابگور مستان برد

قدرتِ خداوندی نے باز اور کوے کو بازو عطا کئے ہیں اور ساتھ ہی انہیں اختیار بھی دیا ہے کہ وہ اِن بازوؤں کو جس طرح چاہیں اِستعمال کریں۔ چنانچہ باز تو اُڑ کر بادشاہ کی کلائی پر جا بیٹھا اور کوا مردار کی تلاش میں قبرستان میں چل دیا۔ غرض کہ بازوؤں کے اِستعمال کا اختیار دونوں کو حاصل تھا۔ علامہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اِنسان نہ تو مجبور محض ہے اور نہ مختارِ مطلق۔ اِس لئے علامہ اقبال نہ جبریہ ہیں اور نہ ہی قدریہ۔ بلکہ اِن کا عقیدہ یہ ہے۔

ایمان درمیان جبرو قدر است

علامہ نے اِنسان کی کامیابی و کامرانی اور اِس کے اختیار کے اِستعمال کا بہترین مصرف احکام الٰہی کی کامل اطاعت کہا ہے۔ جذبہ حُبِ رسول ﷺ کے حصول میں مگن رہنا اِنسان کی معراج ہے۔ اِس لئے علامہ نے برملا کہا ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

Marfat.com

لفظ تقدیر کے معانی

لفظ تقدیر قدر یقدر تقدیراً سے مصدر ہے۔اس کا مادہ (ق۔د۔ر) ہے۔اس کے لفظی معنی ہیں۔انداز ہ، پیانہ، پیدا کرنے لکھنے یا توانا ہونے کے ہیں۔مثلاً قدرت الشیء میں نے اس چیز کو ماپا۔اس کا اندازہ کیا۔قدر الشیء بالشیء۔اس نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ رکھ کر پایااوراس طرح اندازہ کیا کہ وہ اس کے برابر ہے یا نہیں۔قدرت علیہ الثواب میں نے اس شخص کے ماپ کے مطابق کپڑے بنائے ،مقداراس پیمانے یا ماڈل کو کہتے ہیں جس کے مطابق کوئی چیز بنائی جائے۔جاءعلیٰ قدر۔وہ اندازے یا پیمانے پر پورااترا۔

اصطلاحی معنی:

اصطلاح شریعت میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ ذاتی ادارہ ہے جو مختلف الحقائق کائنات کے تعلق میں اپنے اپنے مقرر کردہ اوقات پر ظاہر ہوتا ہے۔(دستورالعلماء۔۳/۲۷)

قد جعل الله لكل شی ء قدراً :اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے لیےایک اندازہ اور پیمانہ مقرر کردیا۔اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کے بے پناہ خزانے ہیں۔مگران خزانوں کوایک خاص اندازے سے نازل کیا جاتا ہے۔ارشادربانی ہے:"وان من شیءٍ الا عند ناخزائنه ومانزله الابقدرٍ معلوم" (الحجر/۲۱)۔ہر چیز کے ہمارے پاس بے شمار خزانے ہیں،مگر ہم انہیں ایک مقررہ اندازے سے ہی نازل کرتے ہیں۔فقدر نافنعم القادرون (المرسلٰت/۲۳)۔ہم بہترین پیمانے مقرر کرنے والے ہیں۔بارش کے بارے میں ارشادفرمایا:"وانز لنا من السماء مآءً بقدر "(المرسلٰت/۱۱)

ہم بادلوں سے ایک مقدار کے مطابق بارش برساتے ہیں۔دوسری جگہ فرمایا: "فسالت اودیۃ بقدرھا" (الرعد/۱۲)ندی نالے اپنے اپنے ظرف یعنی پیمانوں کے مطابق

Marfat.com

بہ نکلتے ہیں۔ "الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی" (الاعلیٰ/ ۴۹)۔ اللہ تعالیٰ نے دن رات کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں۔ قرآن حکیم میں جہاں جہاں لفظ تقدیر آیا ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے پیمانے مقرر کیے ہیں اور پوری کائنات اسی مقرر کردہ پیمانوں کے مطابق سرگرم عمل ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ:

جن معانی میں لفظ تقدیر ہمارے ہاں استعمال ہوتا ہے وہ قرآنی مفہوم کے بالکل خلاف ہے۔ "انسان کی تقدیر"، "اس کی تقدیر"، "میری تقدیر" یہ سب غلط ہے۔ تقدیر تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ پیمانے اور اور قوانین الٰہی۔ تقدیر اللہ تعالیٰ کی ہے۔ انسان کی تقدیر کہنا غلط ہے۔ مسئلہ تقدیر کے باب میں ہماری اُلجھنوں اور پیچیدگیوں کا سبب ہی یہی ہے کہ اس کا غلط مفہوم لیا جاتا ہے۔ تقدیر صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ لہٰذا انسانوں کی صورت میں یوں کہا جائے گا کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کا وہ قانون ہے جو انسان کی حالت کے مطابق اس پر وارد ہو جاتا ہے۔ جس قسم کی روش انسان اختیار کرتا ہے۔ اس قسم کی اللہ تعالیٰ کی تقدیر اس پر منطبق ہو جاتی ہے۔ مثلاً جو شخص آگ میں انگلی ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ تقدیر اس پر وارد ہو جاتی ہے کہ وہ جلن اور تپش و سوزش کی تکلیف میں مبتلا ہو اور جب وہ شخص اس پر مرہم لگا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی یہ تقدیر اس پر منطبق ہو جاتی ہے کہ اسے راحت و سکون حاصل ہو جائے۔ علامہ نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

گرز یک تقدیر خوں گرد جگر
خواہ از حق حکم تقدیر دگرد
تو اگر تقدیر نو خواہی رواست
زانکہ تقدیرات حق لا انتہا است

Marfat.com

"ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر" بے شک اللہ تعالیٰ تمام چیزوں پر قادر ہے۔

یہ کلمات قرآن حکیم کے بے شمار مقامات پر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کا یہ مفہوم اخذ کرنا درست نہیں کہ اس کے ہاں کوئی قانون، کوئی قاعدہ اور ضابطہ مقرر نہیں ہے۔ یہ تصور غلط ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے ایک قانون اور قاعدہ مقرر فرمایا ہے جس کے تحت کائنات سرگرم عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے پیمانے مقرر کر دیئے ہیں۔ یہی وہ اللہ تعالیٰ کا کائناتی کنٹرول و نظم و ڈسپلن ہے جس کے باہر کائنات کی کوئی شے نہیں جا سکتی۔ "وسخر لکم مافی السمٰوٰتِ والارض ومافی الارض جمیعا" (الجاثیہ/۱۳) اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو انسان کے لئے مسخر کر رکھا ہے۔ یہ خدائی اقتدار ساری کائنات کو محیط ہے۔ انسان اپنے ارادے اور انتخاب میں صاحب اختیار ہے۔ اس کا ہر ارادہ اور ہر عمل کا نتیجہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے مقرر کردہ پیمانوں اور قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔

"لھاما کسبت و علیھا ما اکتسبت" (البقرۃ/۲۸۶)۔ انسان جو اچھے کام کرتا ہے ان کا فائدہ بھی اس کو ہوتا ہے اور جو برے کام کرتا ہے اس کا نقصان بھی وہی اٹھاتا ہے۔

مصائب اپنے اعمال کا نتیجہ ہیں:

قرآن حکیم میں ہے:

"وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم" (الشوریٰ/۳۰)

اور جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: "قل ھو من عند انفسکم" (آل عمران/۱۶۴)۔ ان سے کہہ دو کہ یہ تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے۔" غلط کاموں کے نتائج برآمد ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ نتائج غیر محسوس طور پر مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ اور پھر ایک مدت کے بعد وہ محسوس شکل میں سامنے آجاتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ واقعہ

Marfat.com

پہلے سے سرزد ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ بعد میں سامنے آتا ہے۔ قرآن حکیم نے انسان کو یوں سمجھایا ہے کہ انسان اس نتیجہ کو اپنی روانگی سے پہلے آگے بھیج دیتا ہے۔ وہ آگے جا کر اپنے اعمال کے نتائج کا انتظار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''بما قدمت ایدیھم'' (آل عمران/۱۸۲)۔ ''جو کچھ ان کے ہاتھ ان کے لئے پہلے سے آگے بھیج دیتے ہیں''۔ جرائم لوگ اس دنیا میں کرتے ہیں اور ان کے نتائج ساتھ ساتھ لکھے جا رہے ہوتے ہیں۔ کچھ کا ظہور اس دنیا میں شروع ہو جاتا ہے اور مکمل نتائج آخرت میں سامنے آ جائیں گے۔ یہ نتائج یعنی مصائب و آلام کہیں سے نہیں ٹپک پڑتے۔ یہ وہی نتائج ہوتے ہیں جنہیں انسان پہلے سے اپنے اعمال کے واقعات سے پہلے بھیج چکا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے صاف صاف لفظوں میں کہا ہے۔ اعمال آگے آگے آتے ہیں اور انسان ان کے پیچھے پیچھے آتا ہے۔ لوگوں کی غلط روش کا نتیجہ ہے کہ وہ اس دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی تباہ و برباد۔ قیامت کے دن جب انسان اپنے اعمال کی تباہی کو اپنے سامنے دیکھے گا تو بصد حسرت و یاس پکارے گا۔ ''یلیتنی قدمت لحیاتی'' (الفجر/۲۴)۔ ''اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لئے پہلے سے کچھ بھیج رکھا ہوتا۔'' قرآن حکیم نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ جس طرح مصائب و آلام کو انسان پہلے بھیجتا ہے۔ اسی طرح زندگی کی خوش گواریاں جو انسان کو حاصل ہوتی ہیں انہیں بھی پہلے سے بھیج رکھا ہوتا ہے۔ ''وما تقدموا لا نفسکم من خیر تجدوه عند الله'' (المزمل/۲۰) ''جو خیر و بھلائی اور خوش گواریاں بھی تم اپنے لئے پہلے سے بھیجو گے۔ انہیں تم اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود پاؤ گے۔''

لکھنے کا مفہوم:

قرآن حکیم نے انسانی عمل کا ذمہ دار انسان کو خود قرار دیا ہے، کیونکہ اعمال کے صدور کے لئے اس کا ارادہ و اختیار اس کی ذات کے لئے سرچشمہ ہے۔ اس لیے وہ اپنے

Marfat.com

اعمال کے نتائج کا سزاوار ہے۔ انسان کو سوچنا چاہیے کہ وہ دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔ "علمت نفس ماقدمت و آخرت" (النفطار/۵) "اس وقت ہر ذات کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے آگے کیا کچھ بھیجا تھا اور کیا کچھ پیچھے ہے"۔ "ونکتب ماقدموا و آثارھم" (یٰسین/۱۲)۔ یہ لوگ سفر زندگی میں اپنے نقوش قدم پیچھے چھوڑتے ہیں اور جو کچھ آگے بھیجتے ہیں ہم ان سب کو لکھتے ہیں۔ "وکل شیءٍ احصینہ فی امامٍ مبین" (یٰسین/۱۲) "اور ہر شے کا اندارج ایک واضح صحیفہ میں ہوتا رہتا ہے۔ جو ان لوگوں کے آگے آگے چلتا ہے۔" قرآن حکیم نے صاف کہا ہے کہ انسان پر جو مصیبت بھی آتی ہے وہ اس کے اپنے انفرادی یا اجتماعی اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کے متعلق یہ بات بتلائی گئی ہے۔ "ویل لھم مما یکسبون" (البقرہ/۲۹)۔ "ان کی تباہی و بربادی ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ تھی"۔ وہ ہلاک و تباہ اس لئے ہوئے کہ وہ ظالم اور فاسق تھے۔ انہوں نے قوانین الٰہی سے سرکشی اور بغاوت اختیار کی تھی۔ یہ قانون بنی اسرائیل کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا عالم گیر قانون ہے کہ ذلت و خواری انسان کے اپنے غلط اعمال ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ہر وہ قوم جس کی کیفیت یہ ہو کہ وہ احکام الٰہی کے ایک حصہ کو ماننے اور دوسرے حصے کو ماننے سے انکار کر دے تو اس کی حالت یہ ہوتی ہے۔ "خزی فی الحیوۃ الدنیا ویوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب" (البقرہ/۸۵) "اس آیت کا مفہوم یہی ہے کہ وہ قوم اس دنیا میں ذلیل و خوار ہوتی ہے اور قیامت کے دن اس پر اس سے بھی زیادہ سخت عذاب مسلط کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کسی کو ناحق ذلیل نہیں کرتا:

قرآن حکیم میں اسی بدیہی حقیقت کو بڑے دل نشین انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ جب انسان ذلیل و خوار ہوتا ہے تو پکار اُٹھتا ہے۔ "ربی اھانن" (الفجر/۱۶) "میرے رب

Marfat.com

مجھے یونہی ذلیل وخوار کر دیا۔'' اس کے جواب میں کہا کہ اس سے کہہ دو کہ یہ صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو یونہی ذلیل نہیں کرتا۔ تم ذلیل ورسوا اپنے غلط کاموں کے نتیجہ میں ہوئے ہو۔ کیونکہ یہ انسانی عادت ہے کہ معاشرہ میں جو لوگ تنہا رہ جاتے ہیں لوگ ان کی عزت نہیں کرتے۔ جن لوگوں کی چلتی ہوئی گاڑی رُک جاتی ہے لوگ ان کی روٹی کا انتظام نہ تو خود کرتے ہیں نہ ہی دوسروں کو ایسا کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ اسی ذہنیت کو ذلت خواری کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم وزیادتی نہیں کرتا:

قرآن حکیم نے صاف کہا ہے:

''وما ظلمهم الله ولكن انفسهم يظلمون '' (آل عمران/۱۱۶)

''اللہ تعالیٰ ان پر ظلم وزیادتی نہیں کرتا وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔''

انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے جس کا نتیجہ اس کی تباہی و بربادی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لا انتہا قوتوں کا مالک ہے اور انسان اس کی پیدا کردہ مخلوق ہے۔ یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنی ضعیف و ناتواں مخلوق پر ظلم اور زیادتی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا بندوں پر ظلم کرنا تو ایک طرف وہ اس کا کبھی ارادہ تک نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی نفسیات العیاذ باللہ (Sadists) کی نہیں جو دوسروں کو ناحق ستا کر اور اذیت پہنچا کر ذہنی لذت پائے۔ اس لئے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو یونہی بلا وجہ کسی کو تکلیف میں مبتلا نہیں کرتا۔ انسانوں کو تکالیف ان کی اپنی غلط روش کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر بات کا فیصلہ حق وانصاف کے مطابق ہوتا ہے۔ کافروں، مشرکوں اور یہودیوں کی ذہنیت کو قرآن حکیم نے بیان کیا ہے کہ جب ان پر کوئی آفت ومصیبت آتی ہے تو وہ اس کو حضور سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ قرآن حکیم کی مکمل تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے۔

Marfat.com

۱۔ جو واقعات بھی رونما ہوتے ہیں۔ خوش گوار ہوں یا ناخوشگوار سب قانون الٰہی کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اگر تم ان کے مطابق چلو گے تو اس کا نتیجہ خیر ہوگا اور اگر تم ان کے برعکس خود اپنے فیصلوں کے مطابق چلو گے تو اس کا نتیجہ مصائب مشکلات ہوگی۔

۳۔ اس جہاں سعی و کاوش میں سب نتائج اللہ تعالیٰ کے قانون عمل کی رو سے مرتب ہوتے ہیں۔

باطل نظریات:

گناہ اور برائی کر کے یہ کہنا کہ کیا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی ایسی تھی۔ ایسا کہنا سراسر غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرانا اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا الزام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی ایسی تھی وغیرہ کلمات کہنا اور اس سے یہ مطلب باور کرانا کہ جو کچھ ہم سے سرزد ہوا ہے اس کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہم نے تو ہر طرح کی کوشش کر لی تھی کہ ایسا نہ ہو لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا۔ اس کی ہمیں کوئی معقول وجہ بھی نظر نہیں آتی۔ ہماری سمجھ سے بالاتر ہوا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ قادر مطلق ہے جو جی چاہے کرے وہ ایسا ہی کیوں کرتا ہے؟ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ نظریات رکھنا سراسر جہالت پر مبنی ہیں۔ ایسا خالق و مالک رب جس کے ہاں نہ کوئی قاعدہ و قانون ہے نہ حساب و کتاب ہے اور نہ ہی عدل و انصاف بس وہ جو جی میں آئے کر دیتا ہے۔ یہ تمام باتیں بے حقیقت ہیں اور اسی کے ساتھ یہ کہنا کہ انسان کی تجویز و تدبیر اور اس کی سعی و کاوش سے کچھ نہیں ہوتا وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ اس عامیانہ تعصب اور جاہلانہ نقطہ نظر سے انسان ایک مجبور محض مخلوق بن کر رہ جاتا ہے۔

Marfat.com

اتفاقات کا صحیح مفہوم:

بسا اوقات ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ جن کا سبب اور علت انسان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اسے اتفاق یا (Chance) کہہ کر چپ سادھ لی جاتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کائنات میں کوئی واقعہ ایسا رونما نہیں ہوسکتا جس کا کوئی سبب نہ ہو۔ لیکن وجوہ و اسباب اور علل کا معلوم ہونا انسانی علم و تحقیق اور تجربہ و مشاہدہ پر منحصر ہوتا ہے۔ ابتدائی زمانے میں انسان کسی واقعہ کا سبب نہیں جانتا تھا اس لئے وہ ہر واقعہ کو ایک اتفاق اور اسرار حیات پر پڑے ہوئے پردے اور حجابات اُٹھتے گئے اور واقعات و حوادث کے اسباب و محرکات اور علل انسان کی نگاہوں میں آتے گئے۔ ہزاروں واقعات، حوادث اور امراض ایسے ہیں جنہیں آج سے پہلے انسان محض اتفاق اور چانس کا نتیجہ قرار دیتا تھا لیکن اب وہ علت و معلول کے دائرے میں انسان کی سمجھ میں آچکے ہیں قدیم قبائل کو جن حوادث کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ وہ ان واقعات اور حوادث کو اپنی دیوی دیوتاؤں کی طرف منسوب کردیتے تھے۔ اور یہ بات غیر مہذب قدیم قبائل تک ہی محدود نہیں۔ ایک مہذب دنیا میں بھی غلط فہمیوں اور توہم پرستیوں میں جینے والے لوگ ابھی تک ان حوادث اور واقعات کو اللہ تعالیٰ کی ''مرضی اور شان'' کہہ کر خاموش ہوجاتے ہیں۔ درحقیقت اتفاق خود ہمارے ذاتی علم و تجربہ و مشاہدہ کے اندر کمی اور نقص ہے ورنہ کائنات میں کوئی واقعہ اور حادثہ اتفاقیہ ظہور پذیر نہیں ہوتا۔

اجتماعی نظام میں افراد کی ذمہ داری:

جب کوئی انسان کسی سوسائٹی یا معاشرے میں زندگی بسر کرتا ہے تو اس اجتماعی نظام کا جزو بن جاتا ہے۔ جب معاشرہ صحیح روش اختیار کر کے خوشگوار ماحول پیدا کرلیتا ہے اور اس خوشگوار ماحول کی لطافت سے تمام افراد معاشرہ فیضیاب ہوتا ہے۔ تمام افراد متمتع اور

Marfat.com

فائدہ اُٹھاتے ہیں وہ افراد بھی لطف اندوز اور فیضیاب ہوتے ہیں جنہوں نے انفرادی طور پر ان خوش گواریوں اور نتائج کے حصول کی جدوجہد میں حصہ بھی نہ لیا ہو۔ اسی طرح جو سوسائٹی اور معاشرہ غلط روش اختیار کرتا ہے اس کے مضر اثرات اور تباہ کن نتائج ان لوگوں کو بھی بھگتنا پڑتے ہیں جو اس غلط روش کے براہ راست سزاوار نہیں ہوتے۔ وہ شریک تو نہیں ہوتے لیکن متاثر ضرور ہوتے ہیں۔ مثلاً جب کسی دریا کا بند ٹوٹ جائے اس کے بلاواسطہ ذمہ دار تو ارباب انتظام واہتمام ہوتے ہیں لیکن اس کی تباہ کاریوں کی لپیٹ میں دیہاتوں کے وہ افراد بھی آجاتے ہیں جنہیں اس کا علم تک بھی نہیں ہوتا کہ دریا کا بند کیسے ٹوٹا ہے اور وہ نیک اعمال کے بجالانے والے ہوتے ہیں لیکن اجتماعی زندگی میں ان حوادث کے اثرات سے بچ نہیں سکتے۔ قرآن حکیم نے اجتماعی خطرات کے متعلق یہی کہا ہے کہ اے ارباب نظم ونسق تم اپنے معاشرے کو ایسے خطرے سے محفوظ کرنے کی کوشش کرو ورنہ جب خطرات پیش آتے ہیں تو پھر اس کی لپیٹ میں صرف وہی لوگ نہیں آتے جو خرابیوں اور تباہیوں کے براہِ راست ذمہ دار ہوں بلکہ اس کی زد اور لپیٹ میں ہر کہہ ومہہ آجایا کرتا ہے۔

دوزخ میں لیڈروں اور عوام کا مکالمہ:

دوزخ میں لیڈر اور عوام باہمی جھگڑیں گے اور اپنی خرابیوں اور بربادیوں کا الزام ایک دوسرے پر دھریں گے۔ قرآن حکیم نے سورۃ سبا میں یہ حقیقت بے نقاب کی ہے کہ تم خود ہی اپنے کیے اعمال کے ذمہ دار ہو اور جن لوگوں نے ظلم کی راہ اختیار کی تھی وہ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوں گے اور اپنی غلط روی کا ایک دوسرے کے خلاف الزام دھر رہے ہوں گے۔ عوام اپنے بڑے لیڈروں سے کہیں گے کہ اگر تم ہمیں گمراہ نہ کرتے تو ہم یقیناً ایمان لے آتے۔ لیڈر کہیں گے کہ ہمیں کیوں مطعون کرتے ہو! جب سیدھا راستہ تمہارے سامنے آگیا تھا تو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا کہ اسے اختیار نہ کرو تم خود ہی جرائم کا ارتکاب کرنا چاہتے

Marfat.com

تھے۔ اب مفت میں ہم پر الزام دھرتے ہو۔ ان کے پیروکار کہیں گے کہ تم دن رات اس قسم کی چالیں چلتے اور سازشوں کا جال بچھاتے رہتے تھے جس سے ہم سیدھے راستے کی طرف آ ہی نہ سکیں۔ لیکن قرآن مجید نے برملا کہا ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی یہ عذر قبول نہیں سمجھا جائے گا۔ "فانھم یومئذ فی العذاب مشترکون" (السبا/۳)۔ وہ سب کے سب اس عذاب میں برابر کے شریک ہوں گے۔ اسے سب کو یکساں طور پر بھگتنا پڑے گا۔ ارباب نظم ونسق کی غلط اندیشیوں کی وجہ سے اور عوام کو اس لیے کہ یہی لوگ تو ان کی افرادی قوت کا باعث تھے جس کی بناء پر وہ پورے معاشرے کو غلط روش پر چلاتے تھے۔ سوسائٹی اور معاشرہ افراد کے مجموعہ ہی کا نام ہوتا ہے۔ وہ بنا بنایا کہیں اوپر آسمان سے نہیں ٹپک پڑتا۔ اگر عوام غلط روش پر چلنا نہیں چاہتے تو انہیں چاہیے کہ اُٹھ کر اس باطل نظام کو بدل دیں، جو افراد معاشرے کو صحیح روش پر نہیں چلنے دیتا، قرآن حکیم نے واضح طور پر کہا ہے۔ عوام کے اس عذر کو قبول نہیں کیا جائے گا کہ ہم تو کمزور اور مجبور تھے اس لئے ہمیں عذاب نہ دیا جائے۔ افراد معاشرے کا اپنے آپ کو مجبور کہہ کر اپنی ذمہ داریوں سے فرار کی راہ اختیار کرنا سراسر غلط روش اور طرز عمل ہے۔ اپنے آپ کو مجبور کہہ کر حالات کے سامنے سپر ڈال دینا اور اس کے بدلنے کی کوشش ہی نہ کرنا قرآن حکیم کی تعلیمات کے برعکس ہے۔

قرون اولیٰ میں سلف صالحین کا طرز عمل:

قرون اولیٰ کے مسلمان ہر اجتماعی تکلیف اور مصیبت کے وقت سوچتے تھے اور اس امر کا جائزہ لیتے کہ اس تکلیف کی وجہ کیا ہے! وہ اگر دیکھتے ہیں کہ اس پریشانی اور مصیبت کا باعث نظم ونسق اور ارباب حکومت کی کوئی خرابی ہے تو قرون اولیٰ میں عوام ارباب نظم ونسق کو اس سے متنبہ کرتے اور اس کی اصلاح کی طرف فوراً متوجہ ہو جاتے۔ اگر براہ راست بذات خود عوام کے تساہل اور تغافل کا نتیجہ ہوتی تو عوام خود اس کے ازالہ اور اپنی

Marfat.com

اصلاح کی کوشش کرتے۔ان میں سے کوئی بھی فرد نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے راہ فرار اختیار کرتا اور نہ ہی اپنی "تقدیر" کہہ کر رو دھو کر بیٹھ جاتا۔ لیکن بعد میں جب ارباب اقتدار نے جبر و استبداد اور ظلم و استحصال کی راہیں اختیار کیں اور ان کی وجہ سے معاشرہ مصائب و آلام سیلاب اور بادلوں کی طرف اُمنڈنے لگے تو ان غاصب حکمرانوں کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر عوام نے یہ سمجھ لیا کہ اس کے ذمہ دار ہم ہیں تو وہ ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس لیے انہوں نے اس خطرے سے بچنے کے لیے عوام کی توجہ کا رُخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اس کے لئے انہوں نے پیشہ وارانہ واعظوں اور خطیبوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ مذہب فروشوں نے یہ وعظ کہنا شروع کر دیا کہ ان غاصب حکمرانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی حاکم بنایا ہے۔ پھر یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے سب کچھ ہو رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ایسی نہ ہوتی تو یہ غاصب حکمران اس قسم کی روش کیسے اختیار کرتے! اس لیے ظلم و استحصال کے خلاف لب کشائی کرنا اور ان کے خلاف سوچنا رفتہ رفتہ ختم ہو گیا۔ مومنانہ زندگی میں انسانی جسم اور روحانی اقدار دونوں کے تقاضے بہ حسن و خوبی پورے ہوتے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں ان دونوں کے درمیان کوئی خاص ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ لیکن منافق اور غلط معاشرے میں ایک ایسا انسان ہوتا ہے جو مستقل اقدار یعنی دیانت، امانت، پاک بازی کا تحفظ چاہتا ہے اور اس کے برعکس دوسرا انسان یا انسانوں کا ایک طبقہ جنہیں ان روحانی اور اخلاقی اقدار کا کوئی لحاظ اور پاس نہیں ہوتا۔ وہ صرف مادی مفادات کے خواہاں ہوتے ہیں خواہ وہ کسی طریقہ سے حاصل ہو جائیں۔ منطقی انجام یہ ہوتا ہے کہ غیر اسلامی معاشرے میں اسلامی اقدار کے حامل افراد اور ان کے مدمقابل دوسرے لوگوں کے مفاد عاجلہ میں بہت بڑا تفاوت پیدا ہو جاتا ہے۔ نیک اور ایماندار لوگ غلط روش پر سوچتے رہ جاتے ہیں اور بے ایمان اور بدضمیر لوگ ہر حربہ استعمال کر کے مفاد عاجلہ کو پا لیتے

Marfat.com

ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مقصد کیسے حاصل ہو؟ کہ انسان کو مادی مفاد بھی حاصل ہوتے رہیں اور اخلاقی اقدار کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے۔قرآن حکیم اسی طرز عمل کی تعلیم بھی دیتا ہے۔تدبیر کا درس بھی دیتا ہے اور اسی کے لئے دعا کا حکم دیا ہے۔''فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ''۔مرد مومن اور مادہ پرست فاسق وفاجر اور کافر جو صرف مفاد عاجلہ کا خواہاں ہوتا ہے اس کے درمیان باہمی ٹکراؤ اور تصادم شروع ہو جاتا ہے۔اس کش مکش میں روحانی اقدار کا حامل شخص اس لئے شکست کھا جاتا ہے کہ غیر اسلامی اور غلط معاشرہ میں باطل پرست افراد ایک متحدہ محاذ کی شکل اختیار کیے ہوتے ہیں اور روحانی اقدار کے حامل افراد الگ الگ مختلف دھڑوں اور فرقوں میں بٹے ہوتے ہیں۔جس کی وجہ سے یہ لوگ میدان کی بازی ہار جاتے ہیں مذہبی واعظوں کے بھونڈے وعظ نصیحت نے باور کرایا کہ اگر تم نے وقت کے حکمرانوں کے خلاف سوچا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی مرضی کے خلاف شکایت کر رہے ہو۔اسے کفر کہا گیا اور ارتداد کا نام دیا گیا۔عہد زوال کے اس غلط تصور تقدیر نے عوام کے ذہنوں کو مفلوج کر رکھا ہے۔پیشہ ور واعظوں نام نہاد قوالوں اور لولے لنگڑے صنم پرست شاعروں اور ملنگوں نے عاشقوں کو باور کرانے کے لئے اور ان کے زخموں پر پھاہا رکھنے کے لئے تقدیر کا بھونڈا تصور دینا شروع کر دیا۔

ایمان داروں کو پریشانیاں کیوں لاحق ہوتی ہیں؟

۱۔ ایک حیوانی سطح کی زندگی اسے طبعی زندگی کہتے ہیں۔یہ طبعی قوانین کے تابع رہتی ہے اور اس میں نیک و بد حتی کہ مومن و کافر میں سے کوئی بھی تمیز و تفریق نہیں ہوتی۔آگ میں ہاتھ نیک شخص ڈالے یا بد، اس کا اثر دونوں پر یکساں ہوگا۔سنکھیا کافر شخص کھائے یا مسلمان، دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔اس زندگی میں منافع اور نقصانات طبعی قوانین کے مطابق ہوتے ہیں۔جو آدمی بھی زراعت کے اُصولوں اور قوانین کے مطابق اپنی زمین

Marfat.com

کاشت کرے گا اور محنت کرے گا اس کی فصل اچھی ہوگی۔ جو اس میں تساہل برتے گا تو اس کی فصل خراب ہوگی۔ جو قوم طبعی قوانین کے مطابق مفاد عاجلہ کے لئے کوشش کرتی ہے۔ اس میدان میں کافر مسلمان دونوں کے لئے یکساں طور پر میدان کھلا رہتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ کافر کو اس کی کوشش کے باوجود پکڑ کے پیچھے دھکیل دیا جائے اور مسلمان کو خواہ وہ اس کے لئے کوشش ہی نہ کرے آگے بڑھا دیا جائے۔ یہ تصور طبعی قوانین کے خلاف ہے۔ دوسری زندگی میں اخلاقی اقدار کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ جو شخص اخلاقی اقدار کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اس کی ذات کی نشوونما ہوتی جاتی ہے۔ جو شخص ان کی خلاف ورزی کرتا ہے اس کی ذات کی نشوونما رک جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے صحیح اِسلامی زندگی کا نقشہ یہ کھینچا ہے کہ روحانی اقدار کے حامل افراد جماعتی اور اجتماعی زندگی بسر کریں اور اس طرح متحدہ طور پر باطل لوگوں کا ڈٹ کا مقابلہ کریں۔ اس مقابلہ کے لئے صبر و استقامت کے جوہر ذاتی کے ساتھ ساتھ مادی ساز و سامان کی بھی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ اہل حق ضروری ساز و سامان کے ساتھ صبر و استقامت سے باطل لوگوں کا مقابلہ کرتے ہیں تو آخر الامر کامیابی ان کو ہی حاصل ہوگی اور اس طرح ایک ایسا معاشرہ قیام عمل میں آجاتا ہے جس میں مستقل اخلاقی و روحانی اقدار کی پابندی کے لئے مادی نقصان نہیں اُٹھانا پڑتا۔ یہی وہ نظام ہے جس کے متعلق قرآن حکیم نے کہا ہے۔ ”**لا یضر کم من فضل اذا اهتد یتم**“ مفہوم یہ ہے کہ اگر تم صحیح راستے پر چلتے جاؤ گے تو غلط راستے پر چلنے والا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اس جدو جہد میں جو خوش نصیب حضرات نظام حق کی بالا دستی کے قیام سے پہلے ہی جان دے دیتے ہیں۔ ان کے حصے میں اس دنیا کے مصائب و آلام ہی آتے ہیں۔ لیکن ان کی اخروی زندگی رشک ملائکہ بن جاتی ہے۔ یہ وہ لوگ شہید راہ حق کہلاتے ہیں اور جینے والوں کو کہا جاتا ہے کہ انہیں مردہ بھی گمان نہ کرو وہ زندہ حیات ہیں۔

Marfat.com

قوموں کا عروج وزوال:

قانون مکافات کا دائرہ افراد اور اقوام دونوں کو محیط ہے۔ جو قوم ہلاک ہوتی ہے۔ وہ بھی دلائل و براہین کی رو سے ہوتی ہے اور جو قوم زندہ رہتی ہے وہ بھی علی وجہ البصیرت زندہ رہتی ہے۔ اس دنیا میں نہ کسی قوم کو زندگی یونہی بطور بخشش ملتی ہے اور نہ ہی اس کی ہلاکت و بربادی دھونددھاندلی سے بلاوجہ ہوتی ہے۔ کسی قوم کو ناحق بلاوجہ تباہ و برباد نہیں کیا جاتا۔ قرآن حکیم نے سابقہ اقوام کے عروج و زوال کے اسباب پر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے۔ جو اقوام تباہ و برباد ہوئیں ان کے متعلق بتایا گیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سچے رسولوں کو جھٹلایا اور اس کے قوانین کی خلاف ورزی کی۔ اس لیے وہ تباہ و برباد ہو گئیں۔ "وما کنا مھلک القریٰ الا واھلھا ظالمون" یہ ہوتا ہی نہیں کہ ہم کسی قوم کو تباہ کر دیں بجز اس کے وہ ظالم نہ ہو۔ قوموں کا عروج وزوال ان کے اپنے اعمال سے وابستہ ہے وہ خود اپنے اعمال سے بنتی اور بگڑتی ہیں جو قوم غلط نظام زندگی رائج کرتی ہے وہ ہلاک ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ وہ قوم لے لیتی ہے جو بہتر نظام زندگی کی حامل ہو۔ قوموں کے عروج وزوال کے فیصلے اور زندگی کے متعلق ان کے افکار و نظریات اور عملی نظام کی رو سے ہوتے ہیں۔ انسانوں کی انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی اس میں ہر واقعہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے مطابق واقع ہوتا ہے۔ مصائب و آلام بھی انہی قوانین کے مطابق وارد ہوتے ہیں اور خوش حالیاں اور خوش گواریاں بھی انہی کے مطابق ملتی ہیں۔ یہ سمجھنا غلط ہے کہ ہر آنے والی مصیبت پہلے سے مقدر ہوتی ہے۔ اسے کاتب تقدیر نے ہر ایک کی قسمت میں پہلے ہی سے لکھ رکھا ہوتا ہے اور انسان کچھ کرے یا نہ کرے وہ آ کر رہتی ہے یہ تصور تقدیر کے بارے میں انتہائی بھونڈا اور غلط ہے۔ قانون مکافات کی ساری عمارت جو دین کی اصل اساس ہے وہ دھڑام سے نیچے آ گرتی ہے۔ قرآن حکیم نے بار بار یہ حقیقت کھول کر بیان کی

Marfat.com

ہے ہر مصیبت انسان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ بلاوجہ کسی کو ذلیل و رسوا کرتا ہے اور نہ ہی اپنے انعامات کے خزانے لٹا دیتا ہے۔ سب کچھ انسان کی اپنی سعی و کاوش کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ ایک طرف تو یہ کہے کہ ہر مصیبت انسان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے اور دوسری طرف کہے کہ ہر مصیبت پہلے سے لکھی ہوتی ہے جس میں کسی انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ ایسا تضاد قرآن حکیم میں نہیں پایا جاتا۔

''قانون خداوندی کا مستبد حکمرانوں پر قیاس کرنا''

خارجی کائنات یا خود انسانی دنیا میں جو واقعہ بھی رونما ہوتا ہے اس کے لئے پہلے سے ایک قانون مقرر ہوتا ہے۔ خارجی دنیا میں حوادث، مشکلات اور مصائب و آلام سب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون اسباب و علل کے مطابق ظہور میں آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ایسے قوانین بھی بنا دیئے ہیں جن کے مطابق عمل کرنے سے ان مصائب و تکالیف کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ اگر قانون یہ ہے کہ آگ میں انگلی ڈالنے سے شدید تکلیف ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہی اس نے یہ قانون بھی بنا دیا کہ جلی ہوئی انگلی پر فلاں مرہم لگایا جائے تو تکلیف دور ہو جائے گی۔ اگر کسی قانون کی خلاف ورزی سے نقصان پہنچتا ہے تو اس بات سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ایک طرف تقدیر یعنی قانون کے مطابق نقصان پہنچا تو حضرت عمر فاروقؓ کے الفاظ میں اس تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی دوسری تقدیر کی طرف چلے جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کسی جابر، ظالم اور مستبد حکمران کی طرح نہیں کہ جس کے خلاف انسان کو دم مارنے کی مجال نہ ہو۔ مایوسیاں اور مجبوریاں شہنشاہوں کے بنائے ہوئے خود ساختہ نظاموں میں ہوتی ہیں۔ جہاں کوئی قاعدہ و قانون مقرر نہیں ہوتا۔ یہ کیفیت شہنشاہوں کی ہوتی ہے کہ مزاج شاہاں! گاہ بہ سلامے نہ بخشند، وگاہ بہ دشنامے

Marfat.com

خلعت بہ بخشند، شاہانہ مزاجوں کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جی چاہا تو سلام کرنے والے کو حوالہ دار ورسن کر دیا اور کبھی موج میں آئے تو گالی دینے والے کو گاؤں جاگیر میں بخش دیا ایسے شاہانہ نظام میں تو واقعی انسان مایوس ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں ایسا نہیں ہوتا وہاں ہر بات کے لئے قاعدہ اور قانون مقرر ہے اور ہر مصیبت و نقصان کی تلافی کی راہیں کھلی ہیں نہ ظلم ہے اور نہ دھاندلی نہ لاقانونیت ہے اور نہ مزاج شاہاں والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین نے محض اپنے لطف وکرم سے انسان کے لئے راہیں کھول رکھی ہیں۔ کسی نقصان ومصیبت پر انسان کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسے سمجھنا چاہیے اور غور وفکر کرنا چاہیے کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ تلافی کی تدبیر اختیار کی جائیں۔ اس کے مطابق عمل کرنے سے نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے نتیجے میں ہے۔ وہ مجبور نہیں ہے۔ یہ اس کا عادلانہ قانون کا تقاضا ہے۔

باذن اللہ کے معانی:

باذن اللہ کے معانی اللہ تعالیٰ کا علم بھی ہیں۔ باذن اللہ اور علم اللہ میں فرق یہ ہے کہ باذن اللہ وہیں بولا جاتا ہے جہاں صاحب علم کا ارادہ اور مشیت بھی اس میں شامل ہو۔ ''باذن اللہ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ قانون ہے اور یہ وہ قانون ہے کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر واکراہ نہیں جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔ باذن اللہ کے معنی حکم یا اجازت کے نہیں ہیں جو عموماً لئے جاتے ہیں۔ باذن اللہ کے معنی قانون خداوندی کے ہیں جہاں کہیں ''باذن اللہ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ وہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ قانون خداوندی کے خلاف کوئی کسی کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ لہٰذا انسان کو اس کے قانون کو نگاہ میں رکھ کر اس کے تقاضوں کو پورا کرتے رہنا چاہیے۔ ''وعلیٰ اللہ فلیتوکل المومنون۔'' آیت کا مفہوم ہے کہ ایمان والوں کا شعار زندگی اور طرز عمل یہ ہے کہ

Marfat.com

قانون خداوندی کی محکمیت پر پورا پورا اعتماد رکھتے ہیں۔قرآن حکیم نے سورۃ آل عمران میں جنگ احد کے ضمن میں مسلمانوں کو یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کو اچھی بھلی کامیابی ہو رہی تھی کہ تیر اندازوں کے ایک دستے نے اپنے کمانڈر کی ہدایات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی پوزیشن کو چھوڑ دیا جس سے ان کی فتح شکست میں بدل گئی اور مسلمانوں کو اس کا سخت نقصان اٹھانا پڑا۔مسلمان اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق دشمن کو تہ تیغ کر رہے تھے اور انہیں غلبہ بھی حاصل ہو رہا تھا اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا ہو رہا تھا جو اس نے مسلمانوں سے کر رکھا تھا۔لیکن عین وقت پر ان کے بعض افراد کے پاؤں میں لغزش پیدا ہوگئی۔انہوں نے باہمی تنازعہ شروع کر دیا۔یہ لوگ قریبی مفاد پر ٹوٹ پڑے۔اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کی نگاہیں مستقبل کے مفاد پر تھیں۔اس کے بعد اہل ایمان اپنے مقام پر واپس آ گئے اور پھر انہیں کامیابی بھی حاصل ہوگئی۔اس طرح ان کی خطاء اور لغزش کے اثرات مٹ گئے۔اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ ایک بار غلطی اور لغزش سے انسان ہمیشہ کے لئے کامرانیوں اور کامیابیوں سے محروم نہیں ہو جاتا۔وہ جب بھی غلطی کا احساس کر کے صحیح راستے پر آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نوازشات سے وہ بہرہ یاب بھی ہو جاتا ہے۔یہ تمام واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وما اصابكم يوم التقى الجمعن فباذن الله" (آل عمران/١٦٥)

مفہوم آیت یہ ہے کہ اس دن میدان جنگ میں جو واقعات بھی رونما ہوئے جو مصیبتیں تمہیں پہنچیں وہ سب کی سب باذن اللہ تھیں۔سیاق وسباق کا مفہوم یہی ہے کہ مسلمانوں نے جو بھی مصیبتیں اُٹھائی وہ خود ان کی غلطی کا نتیجہ تھیں اور یہ سب کچھ عین قانون خداوندی کے مطابق ہوا۔ہر واقعہ قانون خداوندی کے مطابق ظہور میں آتا ہے۔ومن يؤمن بالله يهد قلبه" جو شخص اللہ تعالیٰ کے قوانین کی صداقت وحقانیت پر یقین رکھتا ہے اس کے قلب کو ایسی

Marfat.com

راہنمائی مل جاتی ہے جس سے وہ علت و معلول کی کڑیوں پر غور کر کے اس کا اندازہ کر لیتا ہے کہ ہوا کا رُخ کدھر کو ہے۔ مستقبل قریب میں کیا کچھ ہونے کا امکان ہے اور اس کا سد باب اور تدارک کی صورت کیا ہے؟ اس لیے علامہ نے کہا تھا ؎

حادثہ وہ جو ابھی پردہ افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے

اس سے مراد پیش گوئی نہیں بلکہ فکر و تدبیر اور بصیرت سے علت و معلول کی کڑیوں پر غور کرنے کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچنا مراد ہے۔ بہر صورت باذن اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ قانون ہے۔ جو مستقل بھی ہوتا ہے اور غیر متبدل بھی۔

خیر و شر اور مذاہب عالم:

مسائل حیات میں خیر و شر کا مسئلہ بڑا اہم اور مسئلہ تقدیر کا جزو لاینفک ہے اسباب میں عجیب باتیں کی گئی ہیں۔ مثلاً: ''اگر شر کا وجود اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہے تو وہ خدا خیر مطلق نہیں ہو سکتا اور اگر شر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے برعکس موجود ہے تو وہ قادر مطلق نہیں کہلا سکتا۔'' یہی وہ اُلجھاؤ ہیں جن میں پھنس کر انسان ہزاروں سال سے اس کشمکش میں گرفتار چلا آ رہا ہے۔

گوتم بدھ کا نظریہ:

گوتم بدھ ایک راجہ کا بیٹا اور ایک ریاست کے راج کمار کے ولی عہد تھے۔ فطری طور پر درد آشنا اور حساس طبیعت کے مالک تھے۔ اس کی حساس طبیعت نے جب یہ دیکھا کہ چوہیا کو بلی کھا جاتی ہے اور بلی پر کتا جھپٹ پڑتا ہے۔ مرغی کے بچوں کو چیل اُٹھا لے جاتی ہے اور ہرن کو شیر پھاڑ کھاتا ہے۔ پھر ایک غریب انسان فاقوں مر جاتا ہے اور ایک نادار اور

Marfat.com

مفلس انسان بیمار اور درد و کرب سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا ہے تو اس کا قلب حساس اسے برداشت نہ کر سکا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ دنیا مصائب اور آلام کا گھر ہے اور ان مصائب و آلام سے چھٹکارا پانے کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں پس انسان دنیا کو ترک کر دے اور اس حد تک ترک کر دے کہ اس کے دل میں کوئی آرزو پیدا نہ ہو۔ جب دنیا کی طرف سے ترک تعلقات کی یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی تو وہ پھر کامل عدم احساس کی منزل میں داخل ہو جائے گا۔ جسے ''نروان'' کہا جاتا ہے۔ اور اس طرح دنیاوی مصائب و آلام سے نجات مل جائے گی۔ بعد میں اس کے ان تاثرات اور محسوسات نے فلسفہ کی حیثیت اختیار کر لی جو اب انسانیت پر چھایا ہوا ہے۔

جوگیوں کا نظریہ:

دنیا جہان آب و گل کا نام ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ مادہ ایک دلدل ہے جس سے انسانی روح بری طرح پھنس گئی ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ روح کو مادہ **(Matter)** کی اس قید سے چھڑا دیا جائے اور اس کا علاج تجویز کیا گیا اور یہ مقصد مختلف ریاضتوں، مشقتوں اور چلوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ان پڑھ جاہل پیروں اور فقیروں نے بھی تصوف میں آمیزش کی ہے۔ یہ تصور تقریباً دنیا کی ہر قوم میں تھوڑا زیادہ ضرور پایا جاتا ہے۔

ہندوؤں کا نظریہ تناسخ:

ہندی مفکروں نے جب اس سوال پر غور و فکر کیا کہ یہ کیوں ہے! کہ کچھ لوگ دنیا میں عیش و عشرت اور آلام کی زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کے برعکس کچھ لوگ ساری عمر مصائب و آلام اور تکالیف و اذیتوں میں مبتلا رہتے ہیں تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جن لوگوں

Marfat.com

نے اپنے پچھلے جنم میں اچھے اور بھلے کام کیے تھے انہیں موجودہ جنم میں خوش حالیاں اور خوش گواریاں میسر آتی ہیں۔ جنہوں نے برے کام کئے تھے وہ مصیبتوں اور اذیتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ نظریہ دراصل عقیدہ تناسخ Transmigration of Soul ہی کا دوسرا نام تھا جو فلسفہ یونان کی پیداوار تھا۔ انہیں سے ہندی دو دانوں سے مستعار لیا تھا۔

عیسائیت کا نظریہ:

کچھ مفکروں اور دانشوروں نے جب یہ دیکھا کہ دنیا میں جھوٹ، فراڈ، فریب، ظلم و ناانصافی، چوری، رہزنی، ڈکیتی اور قتل و غارت عام ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ انسان فطرتاً بد واقع ہوا ہے۔ عیسائیت نے اس بنیاد پر گناہ اولین (Origina Sin) کی عمارت استوار کر لی۔ عیسائیت نے کہا کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ نے جنت میں جو گناہ کیا تھا اس کا اثر ہے کہ ہر انسانی بچہ اس گناہ اول کی آلائش اپنے ساتھ لئے اس دنیا میں آتا ہے اور تمام انسانوں کی تمام تر خرابیوں اور خطاؤں کی جڑ یہی آلائش ہے۔ انہوں نے اس کے تدارک کا طریقہ یہ بتایا کہ انسان حضرت مسیحؑ کی تصلیب اور کفارہ پر ایمان لے آئے۔

مجوسیوں کی ثنویت کا نظریہ:

ایرانی دانشوروں نے کہا کہ دنیا میں دو مستقل اور باہم متضاد قوتیں ازل سے برسر پیکار ہیں۔ ایک ظلمت کی قوت ہے جسے اہرامن کہتے ہیں اور دوسری نور یعنی روشنی کی قوت جسے یزداں کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان ہر آن جنگ جاری رہتی ہے جسے خیر و شر اور حق و باطل کی کشمکش کہتے ہیں۔ یہ ثنویت (Dualis) قدیم ایرانی مجوسیوں کا نظریہ ہے۔ جسے زرتشت کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ کائنات میں تضادات کی یہی آویزش و یورش اور جنگ ہے جس نے جرمن فلاسفر، اور ہیگل کے نظریہ جدلیت (Dailecticism) کو جنم

Marfat.com

دیا ہے اور اسی پر مارکس کے معاشی نظریہ کی عمارت استوار ہوئی تھی۔

متضاد قوتیں نہیں ہیں:

ایک نظریہ اور فلسفہ زندگی یہ بھی دیا گیا دنیا میں متضاد قوتیں ہیں ہی نہیں جنہیں متضاد قوتیں کہا جاتا ہے ان کے تضادات کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے دایاں اور بایاں یا اوپر اور نیچے یہ محض اضافی الفاظ ہیں لہٰذا ایسے دانشوروں کے نزدیک دنیا میں شر کا وجود نہیں ہے۔ خیر ہی خیر ہے۔

شوپنہار کا نظریہ قنوطیت:

شوپنہار کا فلسفہ یہ ہے کہ دنیا شر ہی شر ہے۔ اس میں خیر کا وجود نہیں ہے۔ یہ نظریہ دراصل گوتم بدھ کے نظریہ ہی کی صدائے بازگشت ہے۔ جس آدمی کا ذہن بدنصیبی سے کمزور ہو اور اعصاب مضمحل ہوں تو اس کے طرز عمل پر لازماً قنوطیت **(Pessiism)** چھا جاتی ہے اور شوپنہار کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

خیر و شر انسان کے داخلی تاثرات کا نظریہ:

بعض دانشوروں نے یہ نکتہ پیش کیا کہ خیر و شر موجود فی الخارج نہیں ہوتے۔ یہ ان تاثرات کا نام ہے جو انسان، مختلف واقعات سے اخذ کرتا ہے۔ مثلاً: رات کی تاریکی چور کے لئے خیر ہوتی ہے اور راہرو کے لئے شر، لہٰذا انہوں نے برملا کہہ دیا کہ خیر و شر انسان کے داخلی تاثرات ہیں ان کا وجود مستقل بالذات کچھ نہیں۔ یہ تمام افکار و نظریات جو خیر و شر کے متعلق اجمالاً بیان کیے ہیں۔ یہ ذہن انسانی کے پیدا کردہ ہیں یہ خود انسان ہی کے پیدا کردہ ہیں۔ جب انسان ان بندھنوں میں پھنس جاتا ہے تو چیخنے چلانے لگ جاتا ہے اور رہائی کی کوئی شکل نظر نہیں آتی تو اقبال اس گتھی کو یوں سلجھاتے ہیں ؎

Marfat.com

سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس
مشرق کے ثوابت ہوں کہ مغرب کے ہوں سیار

قرآن مجید اور فلسفہ خیر وشر:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس کائنات کے متعلق وضاحت کی ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء اور جو کچھ اس میں ہوتا ہے سب حق ہے، یعنی حق کا بنیادی معنی ہے کہ جس کا نتیجہ تعمیری (Constructive) ہو تخریبی (Destructive) نہ ہو۔ حق کے بالمقابل لفظ باطل آیا ہے جس کا معنی تخریبی نتائج پیدا کرنے والا ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم نے کائنات کی تمام اشیاء تخلیق کو حق کہہ کر بتلایا کہ ان تمام کا مقصد تعمیر ہے تخریب نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں کائنات تمام اشیاء اور جو کچھ اس میں ہوتا ہے ان سب کا نتیجہ خیر ہے شر نہیں اور یہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق سرگرم عمل ہے اور ان قوانین کا علم حاصل کرنے کی صلاحیت انسان کے اندر فطری طور پر رکھ دی گئی ہے۔ جب تک انسان فطری قوتوں کا علم حاصل نہیں کرتا تب تک وہ قوتیں سرکش و بے باک رہتی ہیں اور وہ انسان کے لیے تباہی کا باعث بھی بنتی ہے۔ جب انسان ان قوتوں کا علم حاصل کر کے انہیں مسخر Herness کر لیتا ہے پھر ان سے ہزاروں تعمیری کام لئے جا سکتے ہیں۔ جوں جوں انسان ان فطری قوتوں کا علم حاصل کر کے ان کو مسخر کرتا جا رہا ہے وہ انسان کے لئے مضرت رساں یعنی نقصان کی بجائے شفا بخش بنتی چلی گئی ہیں کیونکہ وہ اشیاء تو منفعت بخش نتائج مرتب کرنے کے لئے پیدا کی گئی تھیں۔ جب ان سے مفاد حاصل کرنے کا طریقہ معلوم نہ تھا تو نقصان کا باعث تھیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلسل غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ ارباب علم و فکر تحقیق و تفتیش سے کائناتی قوتوں کو مبنی برحق ہونے کے دعوے کی صداقت کا عملی ثبوت بہم پہنچائیں۔ وہ ارباب بصیرت جو زندگی کے ہر گوشے اور

Marfat.com

زاویے میں کھڑے بیٹھے، لیٹے چلتے پھرتے جاگتے سوتے قوانین فطرت کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتے ہیں اور کائنات کی تخلیقی ترکیب پر برابر غور وفکر کرتے ہیں اور اپنی ریسرچ و تحقیق کے بعد علی وجہ البصیرت پکار اُٹھتے ہیں کہ "ربنا ما خلقت هذا باطلاً" اے ہمارے پروردگار پالنے والے، نشوونما دینے والے! تو نے کائنات کی کسی چیز کو تخریبی نتائج مرتب کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اس کارخانہ کائنات کو بے مقصد اور تخریبی نتائج مرتب کرنے کے لیے پیدا کردے۔ یہ ہماری کم علمی اور کوتاہ نگہی ہے کہ ہم تحقیق و ریسرچ سے کام نہیں لیتے اور اس طرح کائنات کے نفع بخش پہلوؤں سے بے خبر رہ کر تباہیوں اور بربادیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ فطرت کی وہ مہیب قوتیں جو سرکش اور بے باک ہونے کی وجہ سے قیامت خیز تباہیاں مچایا کرتی تھیں اور اس وجہ سے انسان بھی سمجھتا تھا کہ وہ شر ہی شر ہیں جب اس نے ان پر قابو پالیا تو وہ ہزار منفعت بخشیوں کا موجب بن گئیں اور وہ خیر ہی خیر نظر آنے لگیں۔ مثلاً بارش کا پانی جب انسانی کنٹرول میں نہیں ہوتا تھا تو وہ سیلاب بن کر تباہیاں مچاتا تھا جب انسان نے اسے ڈیموں اور بندوں میں مقید کرلیا تو وہ مردہ زمین کے لئے حیات تازہ اور زندگی کا سہارا بن گیا۔ بجلی کی فراہمی کا ذریعہ بن گیا۔ آگ کا شعلہ بے باک ہو تو بستیوں کی بستیوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے لیکن جب وہ انسانی کنٹرول میں آجاتی ہے تو ہمہ تن بن جاتی ہے۔ سانپ بچھو اور دیگر ہزاروں قسم کے زہریلے جانور جو باعث ہلاکت تھے اور جن کے متعلق کسی کو معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیوں پیدا کیا؟ اب تحقیق کرنے کی وجہ سے ان زہروں سے ایسے ایسے تریاق تیار کیے جارہے ہیں جو ہزاروں مہلک امراض کا اکسیر علاج ہیں۔

پیدائشی نقائص:

پہلے انسان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بعض بچے پیدائشی، لولے لنگڑے، اپاہج اور

Marfat.com

اندھے کیوں پیدا ہوتے ہیں! لیکن جب انسان علمی تحقیق و ریسرچ میں آگے بڑھا تو اس نے ان حوادث کا راز پالیا ہے۔ چنانچہ اس ترقی یافتہ دور میں طبی معائنے کیے جاتے ہیں۔ رحم مادر میں جنین کی حالت کا معائنہ کر کے اسے وہیں ضروری سامان بہم پہنچا دیا جاتا ہے۔ ان علمی انکشافات اور طبی تدابیر کا نتیجہ ہے کہ بچے بالعموم تندرست پیدا ہوتے ہیں بچوں کے نقائص کی مدافعت پر بہت تحقیق ہو چکی ہے اور مزید جاری ہے۔ علم الامراض پر اتنی ریسرچ و تحقیق ہو چکی ہے کہ انسانی جسم کی مشینری کے پیچیدہ اور پر اسرار دردوں کا مداوا کر لیا جاتا ہے۔ درد، دراصل وہ خطرے کی گھنٹی ہے جو آنے والے خطرہ یعنی موت سے آگاہ کرتی ہے۔ انسانی جسم کی خرابی کو یہ درد ہی آگاہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ یہ کہنا بھی بے جا نہیں ہے کہ درد ایک نعمت ہے۔ انسان نے ایسا طریقہ علاج تجویز کر لیا ہے کہ جس سے آنے والے خطرہ کا علم قبل از وقت معلوم ہو جاتا ہے لیکن کرب و اذیت اور تکلیف نہیں ہوتی۔

کائنات کی ہر شے کی اصل خیر ہے:

اشیاء کی مقدار کا استعمال سمجھ میں آجائے تو بہت سی اُلجھنیں دم توڑ جاتی ہیں کہ کس مقدار میں استعمال ممد حیات ہے اور کس مقدار میں ہلاکت آفریں ہے۔ اشیاء کی تقدیرات یعنی پیمانوں کا معلوم کرنا از حد ضروری ہے۔ جب یہ سمجھ میں آجاتے ہیں تو پھر انسان کو کائنات کے متعلق آگاہی حاصل ہو جاتی ہے کہ کائنات کی ہر شے کی اصل خیر ہے۔ البتہ اشیاء کی غلط مقدار اسے شر بنا دیتی ہے۔ گویا غلط مقدار کا دوسرا نام باطل اور شر ہوا۔

شر کا وجود:

قرآن حکیم نے انسان کو یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ اس بات کی احتیاط برتو کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جو کچھ پیدا کیا ہے ان کے غلط استعمال سے وہ تمہارے لیے شر نہ بن

Marfat.com

جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اشیائے کائنات میں مختلف خواص و تاثرات رکھ دیئے ہیں۔ اب ان کا نقصان دہ اور منفعت بخش ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ تم انہیں استعمال کس طرح کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ خالق خیر بھی ہے اور خالق شر بھی۔ لیکن ان دونوں کو اشیائے کائنات میں مضمر کر دیا ہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے قوانین مقرر کر دیے ہیں۔

مستقل اقدار:

مستقل اقدار کو نظر انداز کر دینے سے جہاں انسان انفرادی طور پر ہلاک و تباہ ہوتا ہے وہ اجتماعی طور پر بھی قومیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں اور اقوام میں بعض زیادہ طاقتور ہو جاتی ہیں اور بعض کمزور رہ جاتی ہیں اور طاقتور قومیں کمزور قوموں کا خون چوس کر مزید طاقتور بنتی چلی جاتی ہیں (اس کی زندہ مثال امریکہ ہے جو عالمی سطح پر طاقتور بن چکا ہے)۔ اس طرح ایک قوم کے اندر مختلف طبقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ طبقاتی کش مکش پیدا ہو جاتی ہے۔ بالا دست طبقہ قوم کی دولت اور قوت کا مالک بن کر زیردست طبقہ کو محکوم و محتاج بنا لیتا ہے۔ امیر و غریب کا غیر فطری تفاوت پیدا ہو جاتا ہے۔ امیری و غریبی کا باطل اور فاسد نظام کی وجہ سے غیر فطری تفاوت قوموں کے لئے زوال کا باعث بن جاتا ہے۔

ہندو پنڈتوں کا نظریہ:

ہندو پنڈتوں نے امیری اور غریبی کے غیر فطری تفاوت کی توجیہ یہ کی کہ اختلاف مدارج اور معیار زیست انسان کے پچھلے جنم کے کرموں کا نتیجہ ہیں، جس نے سب سے زیادہ خراب کام کیے تھے وہ شودر پیدا ہوتا ہے اس سے اوپر دیش، پھر کھشتری اور سب سے اوپر برہمن۔

Marfat.com

نیم خواندہ مذہبی لوگوں کا نظریہ:

جن لوگوں نے سابقہ جنم کے نظریئے سے اتفاق نہیں کیا انہوں نے اختلاف کے مدارج کے متعلق کلیتاً کہہ دیا کہ ان کا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ غریبی، امیری، مفلسی، عزت بے عزتی سب کچھ کو اسباب سے بالاتر سمجھ کر اسے قسمت قرار دیا۔ غیر فطری تفاوت کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے منسوب کر کے اسے تقدیر بنا دیا گیا۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اسلام نہ تو کلی مساوات کا قائل ہے اور نہ ہی غیر فطری تفاوت کا۔ ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت دونوں نے تقدیر کا بھونڈا تصور عام کیا ہے۔

شیطان کو اپنے تابع کیا جا سکتا ہے:

حضور سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان کا ایک شیطان ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کا بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میرا بھی ہے! لیکن میں نے اپنے ہمزاد شیطان کو مسلمان کر لیا ہے۔ ثابت ہوا کہ جس طرح انسان کو فطرت کی قوتوں کو مسخر کرنے کی صلاحیت دی گئی ہے اسی طرح اسے شیطانی جذبات کو بھی مسخر کرنے کی طاقت عطا کی گئی ہے۔ انسان ابلیس و شیطان کو اپنے تابع رکھ سکتا ہے۔ حضرت سیدنا یوسفؑ کے اسوۂ میں یہ حقیقت بتلائی گئی ہے کہ حضرت یوسفؑ نے عزیز مصر کی بیوی کے پھیلائے شیطنیت کے جال کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیئے اور یوں عملاً بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں پر شیطان غالب نہیں آ سکتا۔

جذبات کا غلبہ:

شیطنیت کا باعث انسان ہی اپنے ارادہ واختیار سے بنتا ہے۔ جب انسان جذبات سے مغلوب ہوتا ہے تو اس کا دماغی توازن صحیح نہیں رہتا۔ انسانی جذبات شر نہیں لیکن شر کا

Marfat.com

ذریعہ ضرور ہیں۔ جب ان کو بے لگام چھوڑ دیا جاتا ہے یہ شر بن جاتے ہیں۔ جب انسانی جذبات کو مستقل اقدار خداوندی کے تابع رکھا جائے تو پھر ان کا نتیجہ خیر نکلتا ہے۔

تاریخ عقیدہ جبر:

عہد رسالت مآب ﷺ کے زمانے میں ایسے لوگ موجود تھے جو عقیدہ جبر کے قائل تھے۔ یہ کفار و مشرکین تھے۔ قرآن حکیم نے برملا ان کے عقیدہ جبر کی تردید کی اور قرآن حکیم نے ایسی تعلیم دی کہ جس سے عقیدہ جبر کی جڑ کٹ گئی۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک چور حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کے سامنے لایا گیا تو آپؓ نے اس سے پوچھا کہ تو نے چوری کیوں کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی تھا میری قسمت میں لکھا ہی ایسا تھا! آپؓ نے اس پر حد بھی نافذ کی اور مزید کوڑوں کی سزا بھی دی۔ حضرت عمر فاروقؓ سے دوہری سزا کی وجہ دریافت کی گئی تو آپؓ نے جواب دیا کہ حد تو چوری کے جرم کی سزا ہے اور کوڑے اس لئے لگائے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے خلاف جھوٹا الزام لگایا ہے۔

(المذاہب الاسلامیہ، ابوزہرہ مصری/ ۱۳۹)

ذِلّت و رُسوائی، تقدیر اور دُعا

سوال: کیا مسلمانوں کی ذلت و رسوائی مقدر ہو چکی ہے؟ اور کیا یہ محض دعاؤں سے ٹل سکتی ہے؟ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: تقدیر کے باب میں مشیت اور رضا کو ہم معنی سمجھنا بہت بڑا مغالطہ ہے۔ اِنسان کا کام یہ ہے کہ نیکی کے افعال بجا لائے اور اللہ و رسول کی اتباع و اطاعت کے لئے سرگرم رہے۔ دنیا میں ہونے والے کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ اسباب بھی خود پیدا فرماتا ہے۔ بغیر اسباب کے صرف غیبی ذرائع سے کسی امر کی انجام دہی اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ نہیں ہے۔

Marfat.com

علت اور معلول

علت اور معلول کے اِس سلسلے میں بنیاد یعنی علت اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے یا اسباب ظاہری۔ اِسلامی نظریہ تقدیر یہ ہے کہ ظاہر اسباب کے ذریعے افعال کا وجود میں آنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے لیکن اصل عامل پیچھے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ کریم ہے۔ اِنسان کو اپنے تئیں تمام تدابیر تو اختیار کرنا چاہئیں لیکن اِن کے نتائج اللہ تعالیٰ پر موقوف سمجھنے چاہئیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اِنسان کی اطاعت اور فرمانبرداری کو قبول کرے تو اِس سے ایسے ظاہری اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے جو مقاصد کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔ قرآن و سنت میں معاشرے میں فلاح اور خوشحالی حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کیا جائے اور ہر کام اللہ و رسول کی اطاعت کے دائرہ میں رہ کر کیا جائے۔ اِس طریقہ سے اللہ تعالیٰ خوش حالی اور اطمینان کی راہیں آسان کر دے گا۔ فلاح اور خوش حالی کا یہ بنیادی تصور ہے جو ایمان و عقیدہ سے متعلق ہے اور جس کی رُو سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل درآمد کرنے سے فلاح کی بنیادی اور اُصولی وجوہات میسر اور اسباب حاصل ہو جاتے ہیں لیکن اِس کے بعد مقاصد از خود حاصل نہیں ہو جاتے بلکہ اِس کے لئے اللہ تعالیٰ کی جناب سے منظوری کے بعد آسانی اور کامیابی کے راستے کھلتے جاتے ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی امر واقعہ ہے کہ تقدیر میں جو ہوتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ غیبی ذرائع سے پورا نہیں کرتا بلکہ اِس کا راستہ اِنسان پر آسان کر دیا جاتا ہے۔ دنیا میں اسباب کے ذریعے اُمور کی انجام دہی کا اُصول اس قدر محقق و مسلم ہے اور یہی منطقی اسباب غیر مسلم بھی کسی امر کی انجام دہی کے لئے مہیا کر دیں تو دنیا کی حد تک مقاصد اِن کو بھی حاصل ہو جائیں گے۔ جب کہ آخرت میں اِن کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ دوسری طرف مسلمان نیک اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو راضی کرے، اِس کی خوشنودی کو

Marfat.com

اصل اہمیت دے اور اِس کے ساتھ اسباب کو بھی میسر کرے، اصل اعتماد اللہ تعالیٰ کی ذلت پر رکھے تو اِس کے لئے نہ صرف دنیا میں نتائج یقینی ہیں بلکہ آخرت کا اجر بھی محفوظ ہے۔ حضرات انبیاء کرامؑ کو اپنے ساتھی ملنے، معزز قبیلہ کا فرد ہونے، معجزے میسر ہونے اور دیگر ظاہری اسباب حاصل ہو جانے کے پیچھے بہرحال اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بیکراں ہوتی ہے۔ اِن کا غیر معمولی توکل اور اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین اور اِس کی مدد پیچھے محرک اور عامل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے اور یہاں مختلف چیزوں کو علت اور معلول کے رشتہ میں باندھ رکھا ہے۔ سائنس و ٹیکنالوجی جوں جوں ترقی کر رہی ہے۔ علت اور معلول کے یہ راز اِس پر منکشف ہوتے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مدد......اسباب کے ذرائع

(۱) حضرت سیدنا ایوب علیہ السلام کو جب شدید بیماری اور مرض نے گھیر لیا اور یہ آزمائش برسوں تک طویل ہوگئی تو اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے از خود اِن کو بھلا چنگا کرنے کے بجائے ایک ظاہری سبب بھی عطا فرمایا۔ فرمایا اے ہمارے بندے ایوبؑ اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے۔

(۲) حضور نبی اکرم ﷺ نے غزوہ خندق میں جب کفار کے غیر معمولی لشکر اور تیاریوں کے سامنے اپنے آپ کو کمزور و بے بس پایا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے آندھی جیسی آسمانی آفت سے لشکر کفار کے پاؤں اُکھیڑ دیئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے لئے اسباب کی موجودگی کوئی لازمی شرط کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ اس کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی اُمور دنیا میں جاری ایک معروف سنت اور طریقہ کی سی ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کا غیر معمولی توکل اور اللہ تعالیٰ پر غیر معمولی اعتماد و یقین کا اظہار اللہ تعالیٰ کو اِس قدر مسرور کر دیتا ہے کہ وہ اسباب سے بڑھ کر اِس کی مدد کرتا

Marfat.com

ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں ڈالا جانا اور اُس کا گل وگلزار بن جانا اس کی واضح دلیل ہے۔

ہو جو براہیمؑ کا سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ کا دعائے نبوی ﷺ کے نتیجے میں مدد عطا فرمانا:

فضائے بدر پیدا کر، کہ فرشتے تری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

ایک مسلمان کا طرزِ فکر یہ ہونا چاہیے کہ ہمیں اسباب و وسائل کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت پر غیر متزلزل ایمان و یقین ہو۔ اِس لئے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگتا ہے اور اِسی پر توکل و بھروسہ رکھتا ہے، لیکن اِس کے لئے مادّی و روحانی اسباب کا حصول بھی مسلمان کا ہی فرض ہے۔ مسلمانوں پر مصائب و آلام کے اِسی ختم نہ ہونے والے سلسلے کے تدارک کے لئے اصل کارساز کی طرف مسلمانوں کا رجوع کرنا بہت ضروری ہے۔ دین اِسلام کے احکامات کو بھی بجالانا اور من حیث المجموع اللہ و رسول کی اطاعت کرنا ہمارا انفرادی و اجتماعی فرض ہے۔ انفرادی طور پر بھی اللہ و رسول کی اطاعت ہمارا فرض اولیں ہونا چاہیے۔ لیکن ہم انفرادی طور پر بھی شرمناک حد تک اللہ و رسول کے مجرم ہیں۔ علاوہ ازیں اگر اجتماعی طور پر ہم کوتاہی کے مرتکب ہیں تو انفرادی نیکیوں اور دُعاؤں کے ذریعے اجتماعی طور پر کامیابی و کامرانی کے زینے پر نہیں چڑھ سکتے۔ اجتماعی مقاصد کے لئے اجتماعی نوعیت کی ہی بہتری مطلوب و مقصود ہے۔ مسلمانوں کو اِسی طوفان بلاخیز کے مقابلے کے لئے نہ صرف اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق اُستوار کرنا چاہیے بلکہ فلاح و ترقی کے لئے اجتماعی مساعی کر کے اِس کا زمینی جواز بھی مہیا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد صرف دعاؤں کے سہارے نہیں آتی۔ حضور نبی کریم ﷺ کے اُمتی ہونے کے ناطے ہم

Marfat.com

اِس اُمید پر جئیں کہ ہمیں قوموں کے اِس مقابلے میں خود بخود غلبہ حاصل ہو جائے گا تو یہ محض حالات سے چشم پوشی اور اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ ہمارا انفرادی کردار ہم سے بہت بہتری کا متقاضی ہے اور اجتماعی سطح پر ہمیں غیر معمولی محنت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت تغیر حالات میں یہی رہی ہے۔ اگر ہم اللہ ورسول سے اپنا تعلق مستقل اور قوی بنیادوں پر اُستوار کرلیں اور یہ رویہ پورے اجتماع میں سرایت کر جائے تب غیبی امداد کی بھی توقع کی جاسکتی ہے ورگرنہ ایسے حالات میں ہر قسم کی ابتلا و آزمائش کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہیے۔ جو لوگ صرف دعاؤں کے سہارے اِن مصائب و آلام کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اِنہیں آگے بڑھ کر محنت کرنا ہوگی۔ اپنے عمل سے نصرتِ خداوندی کی تائید کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سہارے ہاتھوں پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنا اور کامیابی کی اُمید رکھنا اِسلام کے سوءِ فہم کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت پہلے کبھی نہیں رہی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ تقدیر کا بھونڈا تصور اِصلاح طلب ہے۔ یہ تقدیر کے اہم موضوع کو مزید سمجھنے کے لئے احقر کی مرتب کردہ کتاب ''انسان اور مسئلہ تقدیر'' کا مطالعہ کیا جائے۔

Marfat.com

باب نمبر ۴:

اِسلام اور اخلاق

Marfat.com

رضائے الٰہی اور خوش اخلاقی

سوال: خوش اخلاقی اور بداخلاقی کے بارے میں اِسلام کا کیا تصور ہے؟

جواب: لوگ خدمت کرتے ہیں۔ خوش اخلاق ہیں۔ ایک دوسرے کو ہدیئے اور تحفے دیتے ہیں۔ دعوتیں کرتے ہیں اور دستر خوان سجاتے ہیں۔ دوسروں کے دُکھ سُکھ میں شریک ہونے کے لئے دوڑتے ہیں، دوسروں کے غم اور مصیبت میں شریک ہونے اور اظہارِ افسوس اور درد کے لئے غمی کے مواقع پر لوگوں کے پاس پہنچتے ہیں اور مسرت و شادمانی اور خوشی و شادی کے مواقع پر مبارکباد دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ کرنے والے اختلافات اور رنجشوں کے باوجود اختلافات اور باہمی ناراضیوں اور رنجشوں کو بھول جاتے ہیں اور شکایت وشکوہ کے باوجود شکوہ وشکایت کو پی جاتے ہیں۔ اگر لوگوں کے اِن معاملات اور ڈیلنگ پر غور کیا جائے تو واضح پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کی یہ خوش معاملگی صرف اُن لوگوں کے ساتھ ہے جن سے اُن لوگوں کے اُن سے کوئی فائدہ اور مفاد وابستہ ہوتا ہے۔ جن سے انہیں مفادات کے حصول کا فائدہ ہوتا ہے اُن کی خوشیوں اور غمیوں میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ خوش اخلاقی تمام تر مفاد پرستانہ ہے۔ یہ حقیقت اُس وقت نکھر کر سامنے آتے ہیں کہ جب معاملہ ایسے آدمی سے پڑے جس کے ساتھ خوش اخلاقی برتنے کے لیے کوئی فائدہ اور مفاد وابستہ نہ ہو۔ ایسے موقع پر وہی آدمی بداخلاق اور سخت کڑ ویلا بن جاتا ہے۔ ایسا شخص نہ سلام میں پہل کرتا ہے اور نہ ہی اُسے بلانا پسند کرتا ہے۔ پھر خوشی وغمی کے تمام مواقع فراموش ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ پھر دوسرے کے جذبات کی رعایت کرنا بھی بھول جاتے ہیں۔ مادی اور خود غرضانہ ومفاد پرستانہ اخلاق دکھانے والا شخص اُس وقت بے اخلاق اور بے مروت ہو جاتا

Marfat.com

ہے جبکہ اُس میں کوئی دُنیوی مفاد اور منفعت نظر نہ آتی ہو۔ سچ یہ ہے کہ اِس قسم کی مروت اور خوش اخلاقی اور طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی وقعت اور قیمت نہیں رکھتا ہے۔ ایسا رویہ اور طرزِ عمل اخلاص اور سچے جذبے سے خالی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے عمل کا بدلہ قیامت کے دن بھی نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو کچھ بدلہ اور جزاء ہے صرف اُس عمل کا ہے جو خالصتاً اللہ کی رضا اور رسولِ اکرم ﷺ کی خوشنودی کے لئے کیا گیا ہو اور جو عمل دنیا میں اپنا مفاد اور اُلو سیدھا رکھنے کے لئے کیا جائے اُس کا آخرت میں کوئی بدلہ نہیں۔ ایسے لوگ قیامت کے دن جب پہنچیں گے اُنہیں اپنے اعمال کا خسارہ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ اُن سے صاف کہہ دے گا کہ تم نے جو کچھ کیا اپنی دنیا کیلئے کیا۔ تم دنیا میں اُس کا بدلہ پا چکے۔ اب آخرت میں تمہارے لئے اس کے بدلے میں کچھ نہیں۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے اندر رضائے الٰہی پیدا کریں اور اپنے رویہ اور طرزِ عمل سے ثابت کر دیں کہ ہمارے اعمال ظاہری و باطنی کا مقصد اور مدّعا صرف اور صرف خوشنودی رب ہے۔ ہماری خوش اخلاقی، مروت، لین دین میں کھرا پن، سلام میں پہل، دوسروں کے دُکھ سکھ میں شریک ہونے کا عمل غرضیکہ تمام اعمال کی بنیاد اور اساس مالک الملک کی رضا کا حصول ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا جوئی کی توفیق مرحمت عطا فرمائے۔

رحمان اور شیطان کے بندوں میں فرق

سوال: رحمانی اور شیطانی لوگوں کے طرزِ عمل میں کیا فرق ہوتا ہے؟

جواب: ہر شخص جو کچھ ہے اُس کے مطابق وہ اپنی پیداوار کا ڈھیر لگا رہا ہے۔ ہر شخص جب اپنے حصہ کا کام ختم کر لیتا ہے تو اُس پر فرشتہ اجل آ پہنچتا ہے۔ اور اُس پر موت آ جاتی ہے۔ اُس کے بعد ابدی زندگی شروع ہو جاتی ہے جہاں وہ اپنی اُگائی ہوئی کھیت کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ جس نے خار اور کانٹوں کی فصل اُگائی تھی وہ اپنے آپ کو کانٹوں میں اُلجھا ہوا اور

Marfat.com

پھنسا ہوا پاتا ہے اور جس سعادتمند نے پھول اور خوش ذائقہ پھلوں کی فصل اُگائی تھی وہ اِن معطر اور معنبر لدے بھرے باغوں میں ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو مسرور پاتا ہے۔ ایک شخص وہ ہے جس کو خالقِ کائنات نے بڑائی اور عزت کی صورت میں رزق دیا تو اُس نے اُسے تواضع اور انکساری کی صورت میں اُس کا شکر ادا کرتے ہوئے لوگوں سے پیش آیا۔ اُس سے باز پرُس کی گئی، احتساب کیا گیا تو اُس نے انکساری اور تواضع سے اُس کا جواب دیا۔ اُس کے پاس دولت، اقتدار اور جاہ وحشم آئی اُس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اُس کا استعمال کیا۔ مخلوق پر رحم کیا۔ مخلوق کو راحت پہنچائی۔ مظلوم کا ساتھ دیا۔ زخموں سے نڈھال مخلوق کے زخموں پر پھاہا رکھا۔ جب بھی اُسے مواقع ملے اُس نے دوسروں کو راحت پہنچانے کی کوشش کی۔ اپنے آپ کو ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دی، لوگوں پر قابو پایا تو وہ اُن کے لئے سراپا خیر خواہی اور انصاف کا پیکر بن گیا، غالب آکر عفوو درگذر سے کام لیا، معاف کر دیا۔ جذبہ انتقام سے اپنے آپ کو بچایا، مشتعل نہ ہوا۔ غصہ پر قابو پایا، بدلہ نہ لیا، اُس نے جو کچھ بھی کھایا محض جینے کے لئے کھایا، زندہ رہنے کے لئے طعام و قیام کے لوازمات حاصل کئے، دنیا کے لئے نہ جیا بلکہ جینے کے لئے اِن چیزوں کو عارضی طور پر لیا اور استعمال کیا، جو چیز بھی اُس کے اندر داخل ہوئی وہ الٰہی اور ربانی پیکر ڈھل کر باہر نکلی۔ اس کے برعکس دوسرا شخص ہے جو حزبُ الشیطان گروہ کا نمائندہ ہے اُس سے صرف اور صرف زہر اور انگارے برآمد ہوتے ہیں۔ وہ مواقع کا بھوکا اور متوالا ہوتا ہے۔ وہ موقع پا کر غراتا اور بھڑکاتا ہے، اپنی بڑائی کا جھنڈا بلند کرتا ہے، اناولا غیری کا راگ الاپتا ہے، موقع پا کر جذبہ انتقام میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ چن چن کر اپنی پرانی دشمنیوں کا حساب لیتا ہے، اُس کے پاس دولت اور اقتدار آئے تو اُسے اپنی نمود و نمائش میں صرف کرتا ہے۔ دوسروں پر غلبہ پا کر اُن کی ہلاکت و بربادی کے منصوبے گھڑے جاتے ہیں۔ کسی سے اختلاف ہوا تو اُس کو اُس

Marfat.com

نے سخت بدمزہ کیا اور آتشین عمل کا مزا چکھایا۔ ایسے شخص سے جب بھی کسی کا معاملہ پڑتا ہے تو وہ اپنی خودغرضی بے انصافی اور بے رحمی کا پورا پورا ثبوت دیتا ہے۔ ایسے انسان کے اندر جو چیز بھی داخل ہوتی ہے وہ زہر اور آگ اور بدبو بن کر ظاہر ہوتی ہے کرختگی، خشونت، چڑچڑا پن، نوکیلا، کٹیلا اور سوئے مزاجی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے رویّہ اور طرزِ عمل سے ہم سب کو بچائے۔ (آمین)

تضاد

سوال: ہماری بدحالی کا سبب کیا ہے؟ اور اس کا علاج کیا ہے؟

جواب: ہم لوگ ''ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور'' کے محاوہ پر پورے عمل پیرا ہیں۔ ہم کہتے کچھ ہیں اور عمل کچھ اور کرتے ہیں۔ بظاہر ہر شخص اپنے خیالات کی جنت کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اپنے خیالات کی جنت گویا حماقتوں کی جنت ہے۔ گویا ہر شخص جنت کی تلاش میں ہے مگر ہر شخص اپنی جنت کو جہنم میں تلاش کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ لوگ کانٹوں میں پھول ڈھونڈ رہے ہیں۔ ہر شخص بقول اپنے اپنی زندگی کو سنوارنے میں لگا ہوا ہے۔ کوئی تجارت وصنعت اور ملازمت کے میدان میں محنت وریاضت کر رہا ہے۔ کوئی قیادت وسیادت کے میدان میں اپنا قد کاٹھ اُونچا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے۔ کسی کا ذہن ودماغ خوبصورت لفظوں کا کارخانہ بنا ہوا ہے تاکہ وہ اپنے علم وادب کے نام پر عوام کے ہجوم کو زیادہ سے زیادہ اپنے گرد جمع کر سکے۔ کوئی طریقت وشریعت کا مرج البحرین بن کر مریدوں کی بڑھوتری پر نازاں وفرحاں ہے۔ گویا ہر آدمی اپنے ذہن میں اپنے مستقبل کا ایک سہانا خواب اور سپنا لئے ہوئے ہمہ تن مصروف ہے اور ہر شخص اپنے خواب کو واقعہ بنانے میں رات دن سرگرمِ عمل ہے۔ مگر جب قریب سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اپنے خوابوں کی حسین دنیا کو حاصل کرنے کے لئے فریبِ نفس میں مبتلا ہیں اور بُرے

Marfat.com

عمل سے لپٹا اور چمٹا ہوا ہے۔ ایک شخص اپنے اعزہ و اقارب کے حقوق کو پامال کر کے اپنے بچوں کا مستقبل سنوارنا چاہتا ہے۔ اپنے پڑوسیوں کو دُکھ درد پہنچا کر دور پار کے لوگوں میں خوش نام ہونے کی تدبیریں کر رہا ہے۔ وہ اپنے ذاتی معاملات میں بے انصافی کر کے باہر کی دنیا میں انصاف کا علمبردار بنا ہوا ہے۔ وہ اپنے خلاف ایک لفظ سننے کے لئے تیار نہیں مگر دوسروں کے خلاف سب کچھ کہنے اور کرنے کے لئے وہ اپنے آپ کو فرستادہ سمجھتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ دنیا دارالعمل ہے اور اس عمل کی دنیا میں انسان سب کچھ بن سکتا ہے اور پا سکتا ہے۔ عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت اور جہنم عمل ہی سے ظہور میں آتی ہے۔ اس دنیا میں ہر اچھی چیز کو پانے کے لئے اُس کا ذریعہ بھی اچھا اور پاکباز اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس دنیا میں انعام واحسان اُن لوگوں کو ملتا ہے جو اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کریں۔ جو اپنے ہمسائیوں کو اپنے شر سے بچائیں۔ جو اپنے سے معاملہ کرنے والے لوگوں سے انصاف کریں۔ خود پسندی کی بجائے خدا پسندی اختیار کریں۔ کبر و غرور نہ کریں۔ تواضع و انکساری سے پیش آئیں۔ اپنی انا کو اللہ تعالیٰ کے حضور سپرد کر دیں اور اِس دنیا میں مولا کا بندے بننے کے لئے بے انا بن کر جیئے۔ ہم لوگ ہیں کہ اپنے برے اعمال سے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ ان سنی کرنے کا طرزِ عمل تضاد کو جنم دیتا ہے۔ قول و فعل کے تضاد کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ کانٹوں سے کھیلنے والے سمجھتے ہیں کہ ہم پھولوں سے کھیل رہے ہیں۔ ہمیں اپنے رویئے کا قبلہ درست کرنا ہوگا۔ طرزِ عمل میں تبدیلی لانا ہوگی۔ جنت کو پانے کے لئے جنتی راہ عمل اختیار کرنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو پورے شعور و ادراک کے ساتھ نیک اور صالح راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

Marfat.com

مومن اور غیر مومن

سوال: مومن اور غیر مومن کی کون سی علامات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مومن ہے؟

جواب: اللہ اور اُس کے محبوبِ کریم ﷺ نے پاک اور طیب چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اور گندی و ناپاک چیزوں کو حرام۔ ایمان کی علامت یہی ہے کہ جہاں یہ سورج بن چمکتا ہے اُس کا مطلع قلب ستھرا اور صاف ہو جاتا ہے وہ خبیث اور ناپاک چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ حلال چیزوں کو پسند کرتا ہے۔ جہاں ایمان کی کرن نہیں پڑتی وہ شخص غیر مومن کہلاتا ہے وہ خبیث اور ناپاک چیزوں پر جیتا ہے اور اُنہیں پر جان چھڑکتا ہے۔ طیب اور حلال چیزوں سے دُور بھاگتا ہے۔ جس طرح جانوروں میں دو قسم کے جانور پائے جاتے ہیں اِسی طرح اِنسانوں میں بھی دو قسموں کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک جانور وہ ہوتے ہیں جو مردار اور غلیظ چیزیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھاتے پھرتے ہیں۔ دوسرے جانور وہ ہیں جو صاف ستھری چیزوں سے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں میں بھی ایک وہ ہیں جو ناپاک جذبات واحساسات رکھتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو پاکباز کہلاتے ہیں کیونکہ اُن میں نیک اور صالح جذبات پرورش پاتے ہیں۔ ایک شخص وہ ہے جو نفرت اور حسد اور عداوت کی آگ سلگائے ہوئے ہے۔ جس کا مقصد صرف اپنے لئے جینا ہے۔ اپنی ذاتی ٹیپ ٹاپ کرنی ہے۔ ذاتی نمائش اور اپنے مفادات میں جینا ہے۔ اُس کی روح کو غذا ملتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو سچائی سے دور رکھے۔ اُس کے قلب و دماغ کو انانیت، خود غرضی، انا پرستی، اظہار برتری سے خوراک ملتی ہے۔ وہ دوسروں کو تکلیف پہنچا کر خوش ہوتا ہے دوسروں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر اُس پر حملہ آور ہوتا ہے اور پھر کامیابی کے قہقہے لگاتا ہے۔ ایسے ہی لوگ مردار جانوروں کی طرف خبیث و ناپاک خوراک پر جینے والے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس

Marfat.com

مومن اِنسان قلب سلیم اور عقلِ سلیم کے ساتھ جیتا ہے۔ اُس کی روح دوسروں کی کامیابی و کامرانی سے خوش ہوتی ہے۔ وہ دوسروں پر قابو پا کر بھی اُن کو چھوڑ دینے میں آسودگی وراحت محسوس کرتا ہے۔ ایسے ایمان والوں کا دل دوسروں کے لئے خیر خواہی اور محبت و ہمدردی کے جذبات سے لبریز اور لبالب بھرا ہوتا ہے۔ ایسا باکردار اور باوفا شخص عجز اور انکساری میں لذت پاتا ہے۔ وہ اللہ اور اُس کے محبوب ﷺ کی رضا جوئی میں سکھ کا سانس لیتا ہے۔ اختلاف کے وقت اپنے آپ کو جھکا لینے میں اُس کو چین اور سکون ملتا ہے۔ جب کوئی شخص اُس پر تنقید کرتا ہے تو تنقید کو بخوشی قبول کرتا ہے۔ ہونے والی تنقید میں اپنی اصلاح پاتا ہے۔ کسی کا حق اُس کے ذمہ ہو تو اُس وقت تک اس کو راتوں کو نیند نہیں آتی جب تک حق ادا نہ کرے۔ ایسے وفا شعار اور عشق پیشہ لوگ اِس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طیب خوراک پر جیتے ہیں اور اپنے آپ کو ناپاک اور غلیظ خوراک سے بچاتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے وسائل معاش و معیشت کو اس لئے خرچ نہیں کرتے کہ اُس کے ذریعے سے اپنی متکبرانہ نفسیات کی تسکین حاصل کریں۔ بلکہ رضائے الٰہی کے لئے خدمت خلق کے لئے مخلوق پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ لوگ نیکی کر کے لوگوں سے بدلہ مانگنے والے نہیں ہوتے۔ نیکی کر دریا میں ڈال پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

ضمیر کی آواز

سوال: کیا انسان کو ضمیر بھی حق سے آگاہ کرتا ہے؟

جواب: جب بھی کوئی شخص کسی سچائی کی تردید اور تغلیط کرتا ہے تو سب سے پہلے وہ خود اپنے ضمیر کی آواز کی تردید کر رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ سچائی ہمیشہ انسان کے اپنے دل کی آواز ہوتی ہے۔ آدمی ضد، تعصب، جہالت اور اپنی جھوٹی انا کی خاطر اُس کو نہیں مانتا۔ وہ اپنے انکار کو دُرست ثابت کرنے کے لئے ایسے حیلے تراشتا ہے جن کے بارے میں خود اُس کا اپنا ضمیر

Marfat.com

ملامت کر رہا ہوتا ہے۔ کسی بھی آدمی کی سب سے بڑی محرومی اور بدنصیبی یہ ہے کہ وہ اپنے ضمیر کے برعکس عمل کرے۔ بدضمیری کرے۔ ضد، تعصب، مصلحت اور دروغ گوئی کی وجہ سے وہ ایسے راستے پر چلنا شروع کر دیتا ہے، جس کے متعلق اُس کا اندر کا اِنسان اُسے کچوکے لگاتا ہے اور اُسے غلط ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ ضمیر کی خلاف ورزی گویا خود اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں قتل کرنا ہے۔ یہ اپنے مجرم اور گنہ گار ہونے پر خود گواہ بنتا ہے۔ یہ ایک عجیب محرومی ہے۔ یہ محرومی جب بے حسی میں بدل جاتی ہے تو وہ اپنی محرومی کی اِن کارروائیوں کو اپنی فتح سمجھتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں ہلاک ہو رہا ہوتا ہے۔

بدضمیر اِنسان بند ذہن کا مالک ہوتا ہے اور تنگ نظر اور متعصب وہٹ دھرم وضدی ہوتا ہے۔ یہی بدضمیری اُسے جرم کا ارتکاب کرواتی ہے۔ نیکی کرنے کے لئے ضمیر کی آواز کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ ضمیر کی آواز ہمیشہ پکار پکار کر کہتی ہے کہ اے غافل اِنسان ہوش سے کام لو۔ یہ عارضی زندگی ہے۔ آخرت کی فکر کرو۔ یومِ حساب کا تصور رکھ کر زندگی کا تانا بانا بناؤ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ضمیر کی آواز سمجھے اور اُس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

راہِ حق میں رُکاوٹیں

سوال: سچ اور تحقیق کو تسلیم نہ کرنے کے لیے کیا اسباب ہوتے ہیں؟

جواب: عصرِ حاضر میں مسلمانوں کی صورتحال یہ ہے کہ وہ گروہی اور جماعتی و مسلکی صداقت اور سچائی کو جانتے ہیں۔ وہ ہر چیز اور تحقیق کو اپنے خاص گروہ اور مسلک کی نسبت سے پہچانتے ہیں۔ اِن کے مسلک اور جماعت سے باہر کوئی بھی قابلِ تحسین خوبی اور نیکی پائی جائے اُس کی قدر نہیں کرتے۔ اس لئے مسلمان بے شمار گروہوں اور فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ہر گروہ کا ہر شخص اپنے آپ کو حق اور سچ سمجھتا ہے۔ اپنے حصار سے باہر نکلنے کے لئے تیار نہیں ہے، اُس کو ہر وہ چیز بری لگتی ہے جو اُس کے گروہ اور مسلک سے لگا نہ کھاتی

Marfat.com

ہو۔ حق کو حق سمجھ کر اپنانا اور اُس پر عمل کرنا خاصا دشوار نظر آتا ہے، اُن کے نزدیک دلائل کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ سب کچھ گروہی عصبیت معیار بنتی ہے۔ اپنے گروہ کا شخص معیار پر نہ بھی اُترے قابل برداشت ہے۔ اور دوسرے گروہ کا آدمی اگر مطلوبہ معیار پر پورا بھی اُترتا ہو، متقی و پرہیزگار ہو، لیکن تعصب اور جہالت نے اس نتیجے پر پہنچا دیا ہے کہ وہ قابل گردن زنی ہے۔ گروہی عصبیت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اِنسان حقائق سے آنکھیں چرانے لگ جاتا ہے۔ کھلے دلائل سامنے آنے کے بعد بھی اِنسان منہ چڑاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے انکار کی وجہ کوئی سچی اور حقیقی دلیل نہیں ہوتی۔ بلکہ کوئی نہ کوئی گروہی عصبیت رُکاوٹ بنی ہوئی ہوگی۔

مسافرانہ زندگی

سوال: انسان کامیاب ہونے کے لیئے کیسے زندگی بسر کرے؟

جواب: اِنسان ایک مسافر ہے اور یہ دنیا مسافر خانہ ہے۔ مومنانہ زندگی یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسافر سمجھ کر دنیوی اُمور میں مشغول ہو۔ جو آدمی ابدی زندگی آسائش و آرام سے واقف ہو جاتا ہے وہ اپنی ساری توجہ اُس کے حصول میں صرف کرتا ہے۔ اِدھر اُدھر کے مسائل میں اُلجھتا اور پھنستا نہیں ہے۔ ابدی زندگی کو جو منزل بنالیتا ہے ایسا مسافر اپنا ایک ایک لمحہ اُسی کے پانے میں لگا دینا چاہتا ہے۔ مادی خوش نما مناظر ایسے مسافر کو لبھانے اور بہلانے کے لئے سامنے آتے ہیں۔ مگر وہ اِن سے آنکھیں موند لیتا ہے۔ دنیا کے حسین اور دلکش مناظر اُس کو پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ اِن کو چھوڑتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ وہ ہر ایک سے اپنا دامن بچاتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کا وہ سامنا کرتا ہے مگر اِس کے باوجود اس کے عزم اور اس کی رفتار میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حقیقی اور ابدی زندگی کا مسافر جو اپنے ذہن میں راستہ اور منزل کا شعور اور ادراک رکھتا ہے وہ اپنے متعین خطوط پر چلتا ہے۔ وہ اپنی منزل سے الجھنے والی ہر

Marfat.com

رکاوٹ کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ راستے کی تمام رُکاوٹوں سے وہ اپنا دامن بچالیتا ہے۔ راستے کے روڑے، پتھر، کانٹے، ٹبے اُسے روک نہیں سکتے وہ اِن سب کو چھوڑتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ وہ اپنی ہر طرف سے توجہ ہٹا کر آگے بڑھتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہم اِس دنیا کو مسافر خانہ سمجھیں اور مسافر بن کر اِس دنیا میں جئیں۔ ہماری سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ ہم اِس عارضی زندگی کو دائمی سمجھ کر پلاننگ کرتے ہیں۔ بڑی بڑی اور لمبی لمبی اُمیدیں اور اُمنگیں دامنگیر ہو جاتی ہیں۔ جس سے آخرت کی فکر کمزور پڑ جاتی ہے۔ مادی زندگی کے لوازمات میں اِنسان اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ سدھار کی طرف رغبت اور میلان ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ کوئی بڑا علمی اور فکری کام نہیں کر سکتے۔ بڑا کام کرنے کے لئے یکسو ہونا پڑتا ہے اور لمبی لمبی اُمیدوں کو ترک کرنا پڑتا ہے اور اپنی تمام صلاحیتوں کو ایک مرکز پر صرف کرنا پڑتا ہے۔ علمی اور فکری کام پوری قوت اور ذہنی توجہ کا تقاضا کرتے ہیں۔ وہی شخص بڑی کامیابی سے فکری کام انجام دے سکتا ہے۔ جو لمبی اُمیدوں کو چھوڑ کر مسافر بن کر آگے بڑھے اور مسافرانہ انداز میں آگے بڑھتا جائے۔

خلافت، امارت اور حکومت

سوال: اِسلام میں خلافت، امارت اور حکومت کا کیا تصور ہے؟ اِسلام کے نزدیک کیا مقصود ہے؟

جواب: اِسلام کا مقصود و مطلوب اِسلامی فلاحی معاشرے کا قیام ہے۔ خلافت اور حکومت اِس کا ذریعہ ہے۔ اِسلام میں آمریت اور شہنشاہیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اصلاً تو اِسلام حکومت و سیاست کا دباؤ کم سے کم تر کرنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ حکومت کا وجود معاشرے میں اِس طرح تحلیل ہو جائے کہ ہر فرد صرف اپنے اخلاقی تقاضے سے اپنی رضا کارانہ خوش دلی کے ساتھ معاشرہ کے فرائض ادا کرتا رہے اور اللہ و رسول کی خوشنودی و

Marfat.com

رضا میں اِس کے اور اللہ و رسول کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو یعنی حکومت و سیاست اور نہ ملوکیت و شہنشائیت۔ پیغمبرانہ اندازِ حکومت و سیاست اور عام اہل حکومت کے اقتدار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اصل میں انبیاء و رسل کے لئے حکومت کے بجائے خلافت کا اِستعمال قرآن میں آیا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ و نائب ہیں اور اِسی طرح خلفاء راشدین کی خلافت بھی علی منہاجُ النبوۃ ہے۔

خلافت و حکومت میں فرق

(۱) اہلِ حکومت کا اقتدار صرف ظاہر پر ہوتا ہے۔ ان کے دباؤ سے اِنسان کی زبان چپ رہتی ہے لیکن اِن کے دل گالیاں اور بدعائیں دیتے رہتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں صاحبانِ حکومت و اقتدار کی شدید ترین نفرت پائی جاتی ہے اور عوام کے دلوں میں یہ آرزو و خواہش موجزن رہتی ہے کہ موقع ملے تو ان کا تختہ اقتدار اُلٹ دیا جائے۔ لیکن پیغمبرانہ اقتدار اور تصرف و قبضہ اہل ایمان کے جسموں پر، روحوں پر، دلوں پر، دماغوں پر، جلوتوں میں، خلوتوں میں، سوتے ہوئے، جاگتے ہوئے، حرکت و سکون کرتے ہوئے افکار پر گفتار پر، کردار و سیرت پر غرض ساری زندگی اور زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہوتا ہے۔ اور پھر بدل و جان ہوتا ہے۔ بسر تسلیم و رضا ہوتا ہے۔

(۲) اہل اقتدار کی حکومت سے اگر پولیس اور فوج وغیرہ کو ایک منٹ کے لئے ہٹا لیا جائے تو حکومت محض ایک لفظ رہ جاتا ہے جو شرمندہ معنیٰ نہیں ہوتا۔ لیکن پیغمبرانہ اقتدار و خلافت اِن تمام چیزوں سے بے نیاز اور بالاتر ہوتا ہے۔ حکومت و اقتدار کے دور میں مجرم اپنا جرم چھپاتا اور بھاگتا پھرتا ہے لیکن پیغمبرانہ خلافت و اقتدار میں کسی پولیس کے بغیر مجرم خود آ کر سزا و تطہیر پر اصرار

Marfat.com

کرتا ہے۔

(۳) حکومت و سیاست میں غالب عنصر دباؤ اور ہیبت کا ہوتا ہے اور پیغمبرانہ خلافت واقتدار میں محبت، عقیدت، خوش دلانہ طاعت اور رضا کارانہ اتباع کا حسین امتزاج ہوتا ہے جو اِسلامی سوسائٹی کو ایک سدا بہار گل دستہ بنا دیتا ہے۔

(۴) اہل حکومت و سیاست کے ہاں جبر و قہر ہے اور پیغمبرانہ خلافت و اقتدار میں دلبری، خوئے دل نوازی، اور بندہ نوازی و بندہ پروری ہوتی ہے۔

(۵) اہل اقتدار و حکومت و سیاست کا مظاہرہ دولت و امارت، شان و شوکت وغیرہ سے ہوتا ہے اور پیغمبرانہ خلافت میں فقر و درویشی، سادگی و قناعت کا لافانی غلبہ واقتدار ہوتا ہے۔

فتح مکہ کے دن ابوسفیان نے دیکھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ وضو فرماتے ہیں تو لوگ وضو والا مستعمل پانی اپنے چہروں پر ملنے کو ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ محبوبیت و مقبولیت اور عظمت و شوکت دیکھ کر ابو سفیان نے حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے کہا اے عباس تمہارے برادر زادے کا بادشاہانہ اقتدار تو بڑا زبردست ہے۔ حضرت عباسؓ نے جواباً فرمایا: ارے نادان یہ بادشاہت نہیں، نبوت ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ محض حکومت خواہ کسی قسم کی ہو اُس کی سرحدیں بادشاہت سے زیادہ دور نہیں ہوتیں۔ حکومت ملوکیت یا آمریت کی ہو یا عوام کے نمائندوں کی جمہوریت کے نام کی ہو۔ حکومت میں ایک طبقہ حاکم اور دوسرا محکوم ہوتا ہے۔ لیکن نبوت اور خلافت علی منہاج النبوۃ کا پیغام اِس سے سراسر مختلف ہے۔ اس میں نہ تو مالی سرمایہ داری ہوتی ہے اور نہ ہی علمی سرمایہ داری کا وجود ہوتا ہے۔ کوئی بت بن کر خدائی دعویٰ نہیں کرتا۔

Marfat.com

(۶) حکومت میں قانون اور سیاست کی خشکی اور کرختگی کو اوّلیت حاصل ہوتی ہے اور نبوت وخلافت میں ساری بنیاد اخلاق پر رکھی جاتی ہے۔

(۷) حکومتیں مذہب کو اقتدار کا بہانہ بناتی ہیں اور نبوت وخلافت میں اقتدار صرف اور صرف تقویت دین کے لئے وقف ہوتا ہے۔

(۸) حکومت میں اہل اقتدار اِنسانوں کے آقا ہوتے ہیں اور نبوت میں امیر کی حیثیت ایک خدمت گذار کی ہوتی ہے۔

(۹) حکومتوں میں اِنسانوں کا اقتدار ہوتا ہے اور نبوت وخلافت میں اِنسانی اقدار کا اقتدار ہوتا ہے۔

(۱۰) حکومت میں نری عقل اور سیاست ہے اور نبوت وخلافت میں عشق کی حکمرانی ہوتی ہے۔

(۱۱) حضرات انبیائے کرامؑ اور اولیائے عظامؒ ہمیشہ حکومت واقتدار سے بھاگتے رہے اور ملتی ہوئی کرسی واقتدار کو ٹھکراتے رہے۔ حضرت یوسفؑ اور حضرت سلیمانؑ کے اقتدار کی مثالیں قرآن پیش کرتا ہے لیکن اقتدار وکرسی اِن کا مقصود ہرگز نہیں تھا۔

(۱) کرسی واقتدار کی تمنا کرنا چنداں درست نہیں ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو مخاطب کر کے فرمایا! اے عبدالرحمٰنؓ! کبھی امارت کی طلب نہ کرو کیونکہ اگر تمہیں مانگ کر امارت ملی تو نفس کے پھندوں میں آجاؤ گے اور بے طلب مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری امداد ہوگی۔

(۲) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے آپ ﷺ سے عہدہ امارت کی درخواست کی۔ اِس پر حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''ہم کسی ایسے شخص کو اُس عہدے پر مامور نہ کریں گے جو اُس کی طلب یا

Marfat.com

تمنا رکھتا ہو۔ (رواہُ ابوداوٗدوالنسائی)

(۳) حضرت ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ تم لوگوں میں عنقریب امارت کی حرص پیدا ہونے لگے گی۔ لیکن حشر کے دن باعثِ ندامت بنے گی۔ یہ دودھ پلاتے وقت تو بڑی اچھی ہوتی ہے لیکن دودھ چھڑاتے وقت بڑی بُری ہوتی ہے۔ (رواہُ البخاری والنسائی)

(۴) حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت مقدام بن معدیکربؓ کے کندھوں پر ہاتھ مارتے ہوئے ارشاد فرمایا! اے مقدام! اگر کہیں کے امیر یا منشی یا سیکرٹری بنے بغیر مر جاؤ تو سمجھ لو کہ تم نے فلاح حاصل کر لی۔ (رواہُ ابوداوٗد)

(۵) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص عہدہ قضا کو مانگ کر حاصل کرے گا وہ اپنے نفس کے داؤ میں آجائے گا اور جسے مجبور کر کے یہ عہدہ سپرد کیا جائے گا اُس پر ایک فرشتہ نازل کیا جائے گا جو اُسے ٹھیک راہ پر لگاتا رہے گا۔ (رواہُ ابوداوٗدوالترمذی)

مسلمانوں نے جب اِسلام کو رسمی بنایا اور اقتدار و حکومت کو مقصد قرار دے دیا تو رفتہ رفتہ تمام فرعونیت، یزیدیت اور قارونیت اندر گھس گئی۔ پھر یہ ہوا کہ اِسلام تو نکل گیا اور صرف حکومت واقتدار باقی رہ گیا۔ اِس کے بعد دین و مذہب کے نام پر حصولِ اقتدار کے لئے جو خانہ جنگیاں ہوئیں وہ تاریخ کا تاریک باب ہے۔ ہوسِ اقتدار نے ہی ہر اُکھاڑ پچھاڑ، جوڑ توڑ اور جنگ و جدل کرائی ہے۔ ہوس اقتدار میں ہی بڑے بڑے لوگوں کا قیمتی وقت، توانائی اور قوم کا روپیہ برباد ہو رہا ہے۔ اگر ہمارے قائدین اِس روش کو چھوڑ کر خالصتاً علمی و فکری جہاد پر وقت صرف کرتے تو آج ملک کا نقشہ یکسر مختلف ہوتا۔

Marfat.com

ملوکیت اور شہنشاہیت کی خرافات

سوال: ملوکیت اور شہنشاہیت کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟ اِس کی وجہ سے اِسلام میں کیسی کیسی دراڑیں پیدا ہوئی ہیں؟

جواب: یہ بڑی تلخ حقیقت ہے کہ عہد نبویؐ اور عہد خلافت راشدہ کو ابھی نصف صدی پوری نہ ہونے پائے تھی کہ خلافت اسلامیہ ملوکیت وشہنشاہیت میں تبدیل ہوگئی اور اس کے بعد اسلام کی گاڑی جس نئی پٹڑی پر ڈال دی گئی اور دین اسلام کا چشمہ صافی جس انداز سے گدلا ہوا ہے اس کی داستان غم بہت ہی الم ناک ہے ملوکیت اسلام میں ایک شجر ممنوعہ اور شرف انسانی کے لئے ایک جزام کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا سب سے گھناؤنا کردار یہ تھا کہ سیاسی امور واختیارات حکمرانوں نے اپنے ہاتھوں میں لے لیئے اور دینی ومذہبی معاملات ''مولویوں'' کے سپرد کردیئے۔ اِس سے عیسائیت کی طرح دین کی ناقابلِ تقسیم وحدت کو مذہب اور سیاست کی ثنویت میں بدل دیا گیا۔ وہ وحدتِ دین جو ثبات وتغیر کی ہم آویزی سے دین کے نشوو ارتقاء کی ضامن تھی زیروزبر ہو کر رہ گئی۔ یاست کے سلاطین واُمراء کے ہاتھوں میں منتقل ہو جانے کے بعد زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق اِسلامی اُصولوں کی روشنی میں قوانین مرتب کرنے کا اہم فریضہ انفرادی کوششوں کے سپرد ہوگیا جس کے نتائج اجتماعی شکل میں سامنے نہ آسکے۔

امام ابوحنیفہؒ بطور عظیم مقنن

سوال: امام ابوحنیفہؒ کو بطور مقنن کیا مقام حاصل ہے؟ اِس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: تمام فقہائے اُمت میں امام ابوحنیفہؒ کو ایک ممتاز اور منفرد مقام حاصل ہے۔

Marfat.com

اِن کے اجتہاد کو اُمت میں صدیوں سے جو امتیازی حیثیت ہے اس کے پیشِ نظر آپؒ کو ملتِ اِسلامیہ کے عظیم مقنن کا مقام و منصب اور مرتبہ حاصل ہے۔ آپؒ عباسی سلطنت کے زیرِ عتاب تھے اور جیل خانے کی کوٹھڑی میں جان دی۔ جب آپؒ کا جنازہ اُٹھا تو پچاس ہزار سے زیادہ مسلمان جنازہ کے ساتھ تھے۔ اِن کی عظمت کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ انہوں نے فقہ اِسلامی کی باضابطہ ترتیب و تدوین کی سب سے پہلی اور مؤثر کوشش کی اور اِسی بناء پر انہیں ''امام اعظم'' کا لقب دیا گیا۔

فقہ حنفی کا مدار قیاس پر مبنی ہے

سوال: فقہ حنفی کا مدار کس چیز پر قائم ہے اور اِس حقیقت سے فقہ حنفی کی کیا خصوصیت و اہمیت ہے؟

جواب: فقہ حنفی کا مدار قیاس پر مبنی ہے اور قیاس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن حکیم کے اُصولوں کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے دین کی جزئیات مرتب کی جائیں لہٰذا فقہ حنفی میں وسعت فکر و عمل اور دائرہ اجتہاد بہت وسیع ہے۔

احادیث سے کم مدد کیوں لی گئی؟

سوال: فقہ حنفی پر سب سے بڑا اعتراض کیا جاتا ہے کہ امام صاحبؒ نے فقہ کی ترتیب میں احادیث سے بہت کم مدد لی اِس کی کیا وجہ تھی؟

جواب: اِس کی وجہ یہ ہرگز نہیں تھی کہ انہیں علم حدیث پر عبور حاصل نہیں تھا۔ اگرچہ مخالفین نے امام موصوفؒ پر یہ الزام عائد کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ احادیث کے معاملہ میں بے بہرہ تھے لیکن یہ الزام افسوس ناک مخالفت کا شاخسانہ تھا۔ امام سرخسیؒ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اپنے عہد کے حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے

Marfat.com

لیکن کمالِ ضبط کی شرط ملحوظ رکھتے ہوئے روایت سے کام لیا۔ (کشف الاسرار: ۲/ ۱۸۷)

فتوؤں کی حیثیت

سوال: مختلف علماء کے فتاویٰ جات کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: کسی بھی عالم دین کا فتویٰ قابلِ احترام ہوتا ہے۔ لیکن اِسے قطعیت وحتمیت کا مقام حاصل نہیں ہوتا۔ فتوے شریعت تک پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ کسی بھی معاملہ میں ایک عالم کی رائے (Opinion) ہے جو صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی۔ حضرت امام شافعیؒ کا قول اِس سلسلہ میں نہایت رہنما اُصول ہے۔ فرمایا ہماری رائے درست ہے احتمالِ خطا کے ساتھ اور دوسروں کی رائے خطا ہے احتمال صحت کے ساتھ اور جو کوئی آدمی ہماری رائے سے بہتر آئے تو ہم اُسے قبول کرلیں گے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ فکر اِسلامی کی حقانیت اور صداقت کو جانچنے پرکھنے کا معیار اللہ ورسول ﷺ کا کلام ہے۔ کسی بھی عالم کا فتویٰ یہ مقام نہیں پاسکتا۔ کیونکہ مجتہدین اور علماء کا فتویٰ غلط بھی ہوسکتا ہے اور درست بھی۔

عبارۃ النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص

سوال: کیا اِن چار دلالتوں کو دو صورتوں میں بھی بیان کیا جاسکتا ہے؟

جواب: عبارۃ النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص اِن چار دلالتوں کو مزید گنجلک اور دقیق بنانے کے بجائے اِن چار دلالتوں کو سادہ طور پر صرف دو میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ یعنی یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ استدلال منصوص ہے اور یہ استدلال اِستنباطی ہے۔

(۱) منصوص اِستدلال: جو اِستدلال براہِ راست کسی نصِ صریح پر مبنی ہو وہ منصوص اِستدلال کہلائے گا۔

Marfat.com

(۲) استنباطی اِستدلال: اور جو اِستدلال کسی نقص سے مستنبط کیا جائے وہ اِستنباطی استدلال کہلائے گا۔

میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ عمل اجتہاد کو غیر ضروری پیچیدہ نہ بنایا جائے۔ کیونکہ اجتہاد ایک شرعی مسئلہ ہی نہیں بلکہ وہ ایک ضرورت حیات ہے۔ اجتہاد در حقیقت استنباط ہی کی اعلیٰ ترین صورت ہے اور استنباط و قیاس ایک ایسی اِنسانی ضرورت ہے جس سے کسی بھی صورت میں مفر ممکن نہیں۔

مجتہدانہ بصیرت

سوال: اجتہاد کرنے کے لئے کونسی بنیادی شرط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے؟

جواب: استنباط کے لئے وہ مجتہدانہ بصیرت درکار ہوتی ہے جس کا کرنے والا اپنی تمام تر توجہ جزئیات دین سے زیادہ اساساتِ دین پر رکھے۔ جو احکامِ شریعت کے ساتھ تاریخی حقائق کو بھی جانتا ہو۔ جو الفاظِ شریعت کے ساتھ اسرارِ شریعت کی گہرائیوں کا بھی رمز شناس ہو۔ جس کے ایمان نے اُس کو وہ فراست مومنانہ عطا کی ہو جب کہ وہ شخص نورِ خدا کی روشنی سے دیکھنے لگے۔ جو علوم منقول و معقول کا عالم اور عارف ہونے کے ساتھ ساتھ رُوحِ عصر یعنی اپنے زمانہ کے عرف و احوال و کوائف کا بھی بخوبی ادراک رکھتا ہو۔ ایسا عالم ہو جس کی نگاہ وقتی مسائل کے ساتھ مستقبل کو جان رہی ہو۔ جو کسی بھی اقدام کے مابعد نتائج کو بھی سمجھنے کی کامل صلاحیت اور اِستعداد رکھتا ہو۔ جو ردِ عمل کی نفسیات سے اُوپر اُٹھ کر سوچنے کی طاقت رکھتا ہو۔ ایسا عالم ربانی ہو مسائل و مشکلات کے درمیان مواقع اور امکانات کو دریافت کر سکے۔ ایسے عالم عرفانی کی ضرورت ہے جو خواہشات اِنسانی کے دائرہ سے نکل کر احکامِ خداوندی کے اشاروں کو جاننے والا ہو۔ ایسا فقیہہ

Marfat.com

النفس عالم ہو جو اِس راز سے واقف ہو چکا ہو کہ کبھی بولنا ضروری ہوتا ہے اور کبھی نہ بولنا۔ کبھی کرنا ضروری ہوتا ہے اور کبھی نہ کرنا اہم ہوتا ہے۔ جو ظاہر ہنگاموں کے درمیان پوشیدہ عوامل کو جان سکے۔ مصلحت وقتی کو ملحوظ رکھنا اور مصلحت عمومی کو ملحوظ رکھنا ہر کس و ناکس لوگوں کا کام نہیں ہوا کرتا۔

اجتہاد کا فیصلہ کون کرے گا

سوال: یہ کیسے معلوم ہوگا کہ فلاں آدمی اوصاف اجتہاد کا حامل بن چکا ہے؟ اِس لئے اِس کو حق ہے کہ وہ اجتہاد کرے۔ اِس کا فیصلہ کون کرے گا؟

جواب: اجتہاد کے کرنے کا فیصلہ کوئی بھی آدمی خارجی طور پر نہیں کر سکتا۔ کون شخص طے کرے گا کہ فلاں شخص اِس کا اہل ہو چکا ہے کہ وہ اجتہاد کرے۔ اِس سلسلہ میں شرائط اجتہاد تو بیان کی جا سکتی ہیں۔ مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی شخص خاص کے بارے میں کہا جائے کہ تمہارے اندر تمام شرائط جمع ہو چکی ہیں۔ اِس لئے اب تم کو حق ہے تم اجتہاد کرو۔ اجتہاد ذاتی داعیہ کے تحت کیا جانے والا یک عمل ہے۔ اِس کا تقرری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ دورِ اوّل کے فقہائے اُمت نے بھی ذاتی داعیہ ہی کے تحت اجتہاد کا عمل کیا تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دوسروں کی عطا کردہ سند اور اجازت کی بنیاد پر کوئی آدمی اجتہاد کی سند پر بیٹھا ہو۔ تاہم یہ قانونِ فطرت ہے کہ غلط اجتہاد کو فروغ حاصل نہیں ہوتا۔ باطل اپنی موت آپ مر کر ختم ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

باب نمبر ۵:

تاریخ فقہ اِسلامی

Marfat.com

سوال: فقہ اِسلامی کی مرحلہ وار تشکیل اور تدوین کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ اور کس طرح تنوع اور پیچیدگی پیدا ہوئی ہے؟

اِبتدائی دور

جواب: یہ دور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ختم ہو جاتا ہے اور یہ ۱۱ھ تک کا زمانہ ہے جسے دو مرحلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ مکی اور مدنی۔

مکی دور

مکی زندگی میں سب سے پہلے عقیدہ کی اصلاح اور درستی پر زور دیا گیا کیونکہ یہ عمل کی بنیاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں نازل شدہ آیات اور قرآنی سورتیں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے بھری ہوئی ہیں۔ جہان میں جو اس کے آثار اور نشانیاں نظر آتی ہیں ان کا ذکر ہے۔ لوگوں کو قرآن حکیم میں تدبر اور غور وفکر کا حکم ہے۔ مسلمانوں کو اپنی عقل سے صحیح فائدہ اُٹھانے کا حکم اور انبیائے کرام کی صداقت کا ذکر ہے۔ اس دور میں قرآنِ حکیم نے صرف چند ایک عملی امور کے سوا سب ایسی باتیں ذکر کی ہیں جن کا تعلق عقیدہ سے ہے یا جو عقیدہ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جیسا کہ مردار اور حیوانی خون کو حرام قرار دیا۔ اسی طرح جس شے پر غیر اللہ کا نام لیا جائے حرام ہے، یا پھر ایسے اعمال کا ذکر کیا ہے جو اِنسان کا رشتہ اپنے خالق سے استوار کرنے میں مدومعاون ہوتے ہیں اور اِنسانی نفس کو نیکی کے راستہ کی طرف رغبت دلاتے ہیں، جیسے نماز۔ چنانچہ تقریباً تیرہ سال تک قرآنِ کریم کا نزول اسی انداز سے ہوتا رہا۔

Marfat.com

مدنی دور

جبکہ مدینہ منورہ میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی گئی اور عہدِ جدید کے تقاضوں کے مطابق اُمت کو جس بات کی طلب ہوتی، اس کے متعلق وحی نازل ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ پر جو کچھ نازل ہوتا اسے لوگوں تک پہنچاتے۔ نیز اس کے سامنے اس کی وضاحت اور تشریح فرماتے تھے۔ اس وقت دین نے لوگوں کی زندگی کے تمام شعبوں میں انفرادی اور اجتماعی تنظیم پر زور دیا۔ چنانچہ زندگی کا ایسا کوئی شعبہ باقی نہ رہا جس میں مضبوط تنظیم نہ ہو۔ نبوت کے زمانہ کی چند اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

عہد نبوی ﷺ کی خصوصیات

(۱) حضور اکرم ﷺ کی وفات سے پہلے شریعت کے اصول اور قواعد کی تکمیل ہو گئی۔ اس کے بعد تطبیق اور استنباط کا مسئلہ رہ گیا۔

(۲) شریعت کا حکم نافذ کرنے والی صرف ایک اتھارٹی، حضرت نبی اکرم ﷺ تھے۔ شریعت کا منبع دونوں قسم کی وحی الٰہی تھی۔ بدیں وجہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔ صحابہ کرامؓ کے اجتہاد کو اس وقت تک شریعت کا درجہ نہیں دیا گیا۔ جب تک رسول اکرم ﷺ نے اس کی تصدیق اور توثیق نہیں فرمائی۔ آپ ﷺ کی توثیق کے بعد یہ قانون میں داخل ہو گیا۔

(۳) اس زمانہ میں فقہ کسی واقعہ سے متعلق ہوتی تھی۔ لوگ کسی واقعہ کے بعد اس کے متعلق سوال کرتے کہ اب اس کے متعلق کیا حکم ہے، وہ کسی واقعہ سے خود بخود کوئی حکم فرض نہیں کر لیتے تھے یا اس واقعہ کے جواب میں آیات نازل ہوتی تھیں جو احکام کی وضاحت کرتی تھیں۔ یا اس واقعہ کے حکم کی وضاحت کرتی تھیں اور اسی طرح دیگر اُمور

Marfat.com

سے باخبر کرتی تھیں۔

(۴) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی فقہ ایک ہی مرتبہ مقرر نہیں ہوتی بلکہ واقعات کے ظہور کے مطابق آیات اور احادیث سے مقرر ہوئی۔

(۵) نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں فقہ کو مدون نہیں کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے متعبین کو اس کے تمام قواعد و ضوابط سے آگاہ فرمایا اور استنباط کا طریقہ بتلایا جو ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لوگوں کی حاجتوں کے لیے مناسب اور موزوں ہوتا۔

دوسرا دور

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی وفات سے شروع ہوتا ہے اور بنو اُمیہ کی حکومت کے خاتمے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلا مرحلہ، خلفائے راشدینؓ کا زمانہ

فقہی حالات سے تغیر و تبدل کا آغاز:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اسلامی فتوحات کا سلسلہ دن بدن وسیع ہوتا گیا اور اِسلامی سلطنت کے زیرِ نگیں کئی اقوام آ گئیں، چنانچہ مصر، شام، عراق اور فارس کے ممالک پر اِسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔ یہ لوگ اپنی اپنی تہذیب و تمدن کے حامل تھے۔ ان کے کچھ مخصوص عادات و خصائل تھے۔ ان کا مالی نظم و نسق، زراعت کا طریق کار اور دیگر اداروں کا نظم و ضبط جزیرۂ عرب کے نظم و ضبط سے مختلف تھا۔ بدیں وجہ مسلمانوں کو امورِ حیات میں متعدد مسائل کی ضرورت پیش آتی۔ اس میں وہ شریعت کے محتاج تھے، چنانچہ دین کی روشنی میں فقہ مختلف ادوار سے گزرنے لگی۔ اس عرصہ میں ان کا طریقۂ کار یہ تھا کہ خلفائے راشدینؓ کے سامنے جب کوئی نیا واقعہ پیش آتا تو اس کے متعلق قرآن کریم

Marfat.com

میں حکم تلاش کرتے۔ اگر کوئی حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اگر اس میں کوئی حکم نہ ملتا تو سنتِ رسول اللہ ﷺ میں تلاش کرتے۔ اگر وہاں بھی حکم صریح نہ پاتے تو کتاب وسنت کی روشنی میں اسے حل کرنے کی کوشش کرتے اور ان دونوں سے جو اسرار اور حکم ملتے ان پر عمل کرتے تھے۔ اس عمل کی شہادت اس واقعہ سے ہوتی ہے جو ابوعبیدہ نے باب القضاء میں بیان کیا ہے کہ:

''ہمیں کثیر بن ہشام نے، اس کو جعفر بن برقان نے، اس کو میمون بن مہران نے بتلایا کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس کوئی قضیہ آتا تو اس کا حل قرآن مجید میں تلاش کرتے۔ اگر وہاں مل جاتا تو اس کے ساتھ فیصلہ کرتے۔ اگر نہ ملتا تو سنت رسول اللہ ﷺ میں تلاش کرتے۔ اگر اس میں مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے ورنہ لوگوں کو جمع کرتے اور ان سے مشورہ لیتے۔ جب ان کی رائے کسی معاملہ میں متفق ہو جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب کا بھی یہی دستور تھا۔'' (اعلام الموقعین: ۲/۳۳)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں شریعت کے مصادر چار تھے۔ (۱) قرآ ن مجید (۲) سنت رسول اللہ ﷺ (۳) اجماع صحابہؓ (۴) رائے۔ پھر رائے دو اقسام پر منقسم تھی۔ ایک اجتماعی رائے اور دوسری انفرادی رائے۔ جب ہم ان کی رائے کے استعمال کرنے کے مواقع پر غور وفکر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ دلائل کی ان تمام انواع پر مشتمل ہے جو اپنے خاص ناموں کے ساتھ مشہور ہیں جیسے قیاس اور استحسان وغیرہ۔ جب وہ اپنی رائے استعمال کرتے تو اسے اللہ تعالیٰ کا حکم تصور نہیں کرتے تھے بلکہ اگر وہ غلط ثابت ہوتا تو اسے اپنی طرف منسوب کرتے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے تھے۔

اجتہاد میں اختلاف کے اسباب:

شوریٰ اور اجتماعی اجتہاد کے باوجود ان میں اختلاف ہوا مثلاً بعض ایسے الفاظ

Marfat.com

کے بارے میں جو دو معنوں میں مشترک ہیں، یا یہ اختلاف کہ آیا یہ حقیقی معنی پر مبنی یا اِن کے مجازی معنی مراد ہیں ل یا ظاہری نصوص آپس میں متعارض ہیں تاہم ان کا دائرہ اختلاف محدود تھا، اس کے کچھ اسباب تھے، ان سے چند اہم درج ذیل ہیں:

(۱) وہ اُمورِ دین میں ہمیشہ مشورہ سے کام لیتے تھے جس کی بناء پر ان کے اکثر اختلافات کا خاتمہ ہو جاتا تھا۔

(۲) ان کا اجماع آسان تھا کیونکہ اکثر صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔

(۳) فتوے دیتے وقت ورع اور پرہیزگاری کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔

(۴) اس زمانہ میں اختلاف کی قلت تھی جبکہ بعد میں زیادہ ہو گئے۔

(۵) حدیث کی روایت کم تھی۔

دوسرا مرحلہ

یہ خلفائے راشدینؓ کے زمانہ کے اختتام سے شروع ہو کر بنو اُمیہ کی حکومت کے خاتمہ تک ہے۔ اس مرحلہ میں کئی نئے واقعات و حوادث پیش آئے۔ جن کی وجہ سے وہ اپنی ابتدائی حالت پر نہ رہی، بلکہ حالات اور واقعات کے مطابق اسی کے اُسلوب میں تبدیلی ہوتی رہی۔ ان میں سے چند اہم واقعات اور حوادث درج ذیل ہیں:

(۱) خلافت کے نزاع میں اُمت مسلمہ تین گروہوں میں بٹ گئی۔

خوارج: یہ مسلمانوں کی ایک جماعت تھی۔ ان کو حضرت عثمانؓ کی سیاست پسند نہ تھی۔ حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے اِن کو شکوہ تھا کہ اُنہوں نے تحکیم کا فیصلہ کیوں منظور کیا۔ بنابریں ان کے خلاف ہو گئے۔ حضرت معاویہؓ کی حکومت سے بھی نالاں تھے۔ ان وجوہات کی بناء پر وہ ان سب کے مخالف تھے۔ انہوں نے اپنا ایک ضابطہ مقرر کیا کہ آزادانہ انتخاب کے ذریعے مسلمانوں میں خلیفہ کا منتخب کرنا ضروری ہے۔ اس

Marfat.com

ضابطے کی پابندی کرنے میں اُنہوں نے ضد بازی سے کام لیا۔

(۲) روافض: یہ وہ لوگ تھے جن کا ایک علیحدہ گروہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد کی حمایت میں معرضِ وجود میں آیا۔ ان کا سب سے بڑا مسئلہ خلافت کا تھا۔ یہ خلافت کا حقدار صرف حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کی اولاد کو تسلیم کرتے تھے۔ یہ کہتے تھے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خلافت کی وصیت فرمائی تھی۔ ان میں کچھ لوگ اعتدال پسند تھے اور کچھ انتہاء پسند۔ پھر اِن کی کئی شاخیں ہوگئیں۔

(۳) جمہور اہلسنت: تیسرا گروہ اہل سنت و جماعت کا تھا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کی کسی کو وصیت ہرگز نہیں فرمائی۔ یہ تینوں گروہ اپنے اپنے معتقدات اور نظریات کی بناء پر ایک دوسرے سے مختلف ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اوّل الذکر دو گروہوں نے سنت سے استدلال پکڑنے میں اختلاف کیا۔

(۲) اموی خلفاء سیاست میں داخل ہو کر سلف کی سیرت سے بیگانہ ہو گئے۔ اُنہوں نے کئی غیر مشروع امور ایجاد کیے۔ جس کی بناء پر علماء ان کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ جیسا کہ اُنہوں نے ولی عہد کی رسم کا اجراء کیا اور عالیشان اور خوبصورت محلات اور مکانات بنائے وغیرہ۔

(۳) علمائے اِسلام مختلف شہروں میں پھیل گئے اور یہ امر اختلاف کا باعث ہوا، کیونکہ ہر عالم اپنی صوابدید کے مطابق فتوے دیتا تھا اور فتوے دینے سے پیش تو کسی دوسرے عالم سے حل کر اس مسئلہ پر تحقیق وتنقید نہیں کرتا تھا۔

(۴) حدیث کے راوی عام ہو گئے اور وضعی حدیثیں بنانے والے بھی پیدا ہو گئے۔

(۵) جمہور اپنے فقہی مسلک میں دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے ایک گروہ نے ظاہری نصوص کو پکڑا۔ جبکہ دوسرا گروہ کہتا تھا کہ اللہ کے احکام کسی مقصد کے لئے

Marfat.com

مشروع ہوتے ہیں اور اس کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ بدیں وجہ وہ احکام کے علل اور اسباب کے پیچھے پڑ گئے اور رائے کا استعمال عام شروع کر دیا۔ یہ اہل الرائے کے نام سے پکارے جانے لگے۔ پہلے فریق کا مرکز مدینہ اور دوسرے کا کوفہ تھا۔ پہلے مدرسے کے علماء نے حدیث کی تالیف میں کوشش کی اور مسائل کا مفروضہ اور اس کے احکام بنانے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ دوسرا مدرسہ اہل رائے کا تھا۔ اس مدرسہ کے علماء کا پہلا کام رائے قائم کرنا پھر مفروضہ بنا کر اس کے احکام مقرر کرنا تھا۔

دونوں مدارس میں اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ حجاز میں زندگی پرسکون تھی۔ لوگ اَمن وسلامتی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ وہاں کوئی شاذ ونادر نیا واقعہ پیش آتا۔ اس کے حل کے لیے حدیثیں اور فتوے کثرت سے موجود تھے۔ بنابریں وہاں پر شاذ ونادر ہی رائے استعمال کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ اس کے برعکس کوفہ میں نئی زندگی اور نئی تہذیب وتمدن کا دور آیا۔ اس میں کئی حوادث اور واقعات پیش آئے۔ مدینہ کی طرح وہاں پر احادیث کی کثرت نہیں تھی اور علماء نے حدیث قبول کرنے میں تشدد سے کام لیا۔ کیونکہ کچھ لوگ وضعی حدیثیں بنانے لگے تھے۔ بناء بریں حدیث کے بجائے اپنی رائے کو کثرت سے استعمال کرنے لگے۔"

تیسرا دور

یہ دور اموی حکومت کے خاتمے اور عباسی حکومت کے قیام سے شروع ہوتا ہے اور چوتھی صدی کے نصف اوّل پر ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی جب عباسی حکومت کو زوال آیا اور موالی کی حکومت قائم ہوئی اور یہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دوسرے ممالک کا حصہ بن گیا۔

یہ زمانہ عباسی حکومت کا پورے جوبن کا تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں وہ ہمہ قسم کی تہذیب وتمدن سے آراستہ تھے اور کئی تہذیبوں کا مرکز تھے۔ حتیٰ کہ یہ زمانہ بیداری، قوت، فکر ونظر کی پختگی،

Marfat.com

عملی زندگی، گہری بحث و تمحیص، فقہی رغبت، اجتہادِ مطلق اور استنباط کا تھا۔

اس دور میں فقہ کے احیاء اور بیداری کے کئی عوامل اور اسباب تھے۔ ان میں سے چند بہت اہمیت کے حامل تھے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عباسی خلفاء نے فقہ اور فقہاء کی طرف خصوصی توجہ دی۔

(۲) سیاسی اُمور کے ماسوا ان کو مکمل آزادی رائے تھی۔

(۳) علمی بحث و مباحثہ اور نقد و نظر کی مجلسیں ہر وقت قائم رہتی تھیں۔

(۴) اس دور میں کثرت سے واقعات رونما ہوئے۔

(۵) علمی میدان میں موالی دلچسپی لینے لگے۔

(۶) مختلف قوموں کی تہذیب و تمدن نے عقل انسان کو متاثر کیا۔

(۷) علم کی تدوین کی گئی اور اس کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کیا گیا۔ جیسے فارسی، یونانی اور ہندوستانی زبانوں میں جو علمی مواد تھا، اس کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔

شریعت کے مصادر: اس دور میں شریعت کے مصادر، جن پر احکام کی بنیاد تھی، متعدد تھے۔ لیکن ان میں علماء کا اتفاق نہیں تھا۔

اس دور کی خصوصیات: یہ اسلامی فقہ کا بہترین زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں فقہ کی تکمیل ہوئی۔ خصوصاً دوسری اور تیسری صدی ہجری میں یہ پایہ تکمیل تک پہنچ گئی۔ اس دور کی چند اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) فقہ نے بہت ترقی کی اور وسیع تر ہو گئی۔ اس کے قواعد اور اُصول، زندگی کے تمام اُمور پر حاوی ہو گئے۔

(۲) اس دور میں کثرت سے نابغہ روزگار فقہاء پیدا ہوئے۔ جن کی امامت، عظمت

Marfat.com

اور علم کا جمہور نے اعتراف کیا۔ اس دور میں سب سے زیادہ علماء اور مجتہد پیدا ہوئے۔ جو تمام شہروں میں پھیل گئے۔

(۳) اس زمانہ میں متعدد فقہی مذاہب کا ظہور ہوا۔ اس میں اہلِ سنت کے بارہ ائمہ کے مذاہب پھیلے جو یہ ہیں۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی، امام ثوری، امام لیث، امام سفیان بن عینیہ، امام اسحاق بن راہویہ، امام ابوثور، امام داؤد ظاہری اور امام ابن جریر کا مذہب ان کے علاوہ زیدیہ، امامیہ اور شیعہ مذہب کا ظہور ہوا۔

(۴) شریعت کے بعض مصادر میں سخت اختلاف ہو گیا اور طریقۂ استنباط بھی مختلف ہو گیا۔

(۵) عہدہ قضاء احتساب اور دیگر عہدوں پر ایسے اشخاص کو مقرر کیا گیا جو حکومت کے ہم مذہب تھے۔

(۶) لوگوں کے طور و اطوار اور عادات کا فقہ پر اثر ہوا۔ اس پر احکام کی بنیاد رکھی گئی اور مجتہدوں کے مذاہب میں اس کا اثر ہوا۔

(۷) اس دور کے اوائل میں فقہ کی علمی تدوین ہوئی۔ اسی طرح اصولِ فقہ کی تدوین بھی اسی زمانہ میں ہوئی۔

(۸) اس دور میں فروعی مسائل کثرت سے پیدا ہوئے، نیز مفروضات پر فقہ تیار کی گئی۔

(۹) اس زمانہ میں متعدد فقہی اصطلاحات کا ظہور ہوا۔

چوتھا دور

اس دور کا آغاز چوتھی صدی کے نصف آخر سے ہوتا ہے اور ۶۵۶ھ میں سقوطِ

Marfat.com

بغداد کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ اس زمانہ کے سیاسی حالات مضطرب تھے، ملک میں بغاوتوں کا لگاتار سلسلہ جاری تھا اور متواتر فتنے جنم لے رہے تھے۔ ان حالات کا اثر اسلامی فقہ پر بھی پڑا، کیونکہ اس کے لیے پرسکون فضا اور حریت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ایک وقت تھا کہ علماء اجتہادِ مطلق سے کام لیتے تھے اور شرعی حالات کو سیاسی حالات پر فوقیت دی جاتی تھی، لیکن اب اسلامی فقہ کی طاقت حسب سابق نہ رہی۔ بلکہ زوال پذیر ہوگئی اور علمی تحریکات ماند پڑ کر ترقی کے بعد تنزل سے دوچار ہوگئیں حتیٰ کہ ہم نے ابن جریرؒ، جو ۳۳۰ھ میں فوت ہوئے، کے بعد کسی کو درجہ اجتہادِ مطلق تک پہنچا نہیں دیکھا۔ علماء نے اس کا پورا حق ادا نہ کیا اور سمجھا کہ ہم اس پر نظر کرنے اور اس سے استنباط کرنے کے اہل نہیں اور تقلیدِ امام پر راضی ہوئے۔ بنا بریں انہوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا۔ حالانکہ ان میں کچھ ایسے لوگ تھے جو سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ اصولِ شریعت کا علم انہیں اسلاف کے مانند تھا اور استنباط کے طریقے بھی ان کے پاس ان سے کم نہ تھے۔ اس زمانہ میں علماء کی اہم تحریکات مندرجہ ذیل تھیں۔

(۱) ائمہ سابقین نے جو احکام بغیر کسی علت ذکر کرنے کے بیان کئے گئے، ان کی علت پر بحث کرتے تھے اور تلاش کرتے تھے۔

(۲) کسی مذہب میں اگر مختلف آراء ہوتیں تو ان میں سے ایک کو ترجیح دیتے تھے۔

(۳) اپنے اپنے مذہب کی مجمل اور تفصیلاً مدد کرتے تھے حتیٰ کہ ان پر مذہبی تعصب کا غلبہ ہوگیا جس کی بناء پر مبالغہ آمیزی سے کام لینے لگے۔

پانچواں دور

یہ دور سقوطِ بغداد سے شروع ہوکر تیرھیویں صدی کے خاتمہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں فقہ میں ضعف و اضمحلال آگیا اور یہ جمود و تعطل کا شکار ہوگئی۔ اس سے پہلے

Marfat.com

کبھی ایسا جمود نہیں آیا تھا۔ فقہی تالیفات کا بھی یہی حال تھا۔ سوائے چند ایک کتب کے تمام تالیفات کے خلاصے لکھے گئے۔ اس کے اختصار اور خلاصہ کا لوگوں کو اس قدر جنون پیدا ہوا کہ فروعات کی اکثر کتب مختصر عبارت میں لکھی گئیں جو ایک معمہ کے مشابہ ہو گئیں اور متن کا طریقہ ابہام تک پہنچ گیا حتیٰ کہ اس کی تشریح کافی وقت اور سخت محنت کی متقاضی ہوئی۔

جمود کے اثرات: اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی فقہ کا کام رُک گیا۔ چنانچہ یہ وقتی تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہو سکی اور قومی تحریکات کا ساتھ نہ دے سکنے کی وجہ سے ضروریات زندگی کے مسائل حل کرنے سے قاصر ہو گئی۔ فقہ کے احکام میں اُلجھن پیدا ہو گئی اور ان کو سمجھنا مشکل ہو گیا۔ بناء بریں لوگ اس سے بے رغبتی کا اظہار کرنے لگے اور وضعی نظام کی طرف مائل ہوئے کیونکہ زندگی کے مختلف شعبوں میں وہ ان کے تقاضے پورے کرتا تھا۔ اور اس طرح وہ فقہ جو کئی صدیوں سے ان کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ اس سے انہوں نے منہ موڑ لیا اور وہ کس مپرسی کی حالت میں ہو گئی۔ لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس تاریک رات میں اس چمکتے ہوئے ستارے کا ذکر کریں جس نے رات کو دن میں تبدیل کرنے کی کوشش کی اور ترکِ تقلید اور اجتہاد کے دروازہ پر دستک دینے کی پوری قوت سے دعوت دی۔ اس دعوت کا پرچم سب سے پہلے امام ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ اور ان کے شاگرد ابن قیم جوزیہؒ متوفی ۷۵۱ھ نے اُٹھایا۔ ان دونوں نے تقلید اور مقلدین پر سخت حملے کئے۔ انہوں نے کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اِسلامی مسائل میں اجتہاد کرنے کی دعوت دی۔ بعض مسائل میں ان سے اختلاف کے باوجود ان کی اجتہادی بصیرت کا اور خدمات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دورِ ہذا میں فقہ کے تاخر کے اسباب: گذشتہ سطور کی روشنی میں ہم اس کے

Marfat.com

اسباب تلاش کر سکتے ہیں۔ ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

(۱) حکومت کا شیرازہ بکھر کر یہ زوال پذیر ہو گئی۔ حکومت پر غیر عرب قابض ہو گئے۔ اس سیاسی زوال کا اثر عملی اور دینی حالات پر پڑا۔

(۲) مختلف شہروں میں رہنے والے علماء کا باہمی رشتہ منقطع ہو گیا۔ جس کی وجہ سے شرعی علوم زوال پذیر ہوئے۔

(۳) علمائے اسلام اپنے آرام کی خاطر یا اسے مشکل تصور کرتے ہوئے اجتہاد کے کام سے ہٹ گئے۔

(۴) ائمہ کی کتب سے لوگوں کو کوئی دلچسپی نہ رہی کیونکہ انہوں نے طریقۂ تالیف میں اختصار سے کام لیا اور اِن کی کتب لوگوں کے لیے معمہ اور چیستیاں بن گئیں۔

چھٹا دور

جو کچھ ہم سطورِ بالا میں بیان کر چکے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان پست ہمت ہو گئے۔ فقہ رو بہ انحطاط ہوئی اور حالات حاضرہ کے ساتھ مطابقت نہ کر سکی۔ ان حالات کو دیکھ کر اسلامی ممالک میں کچھ مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی۔ انہوں نے لوگوں کو اسلامی فقہ کی دعوت دی اور اس بات کو اُن کے ذہن سے نکالا کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ انہوں نے زندگی کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کی دعوت دی، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

ما فرطنا فی الکتاب من شیءٍ (الانعام: ۳۸)

''ہم نے اس کتاب میں کسی شے کی کمی نہیں چھوڑی!''

اصلاحی دعوت کا آغاز: تیرھویں صدی ہجری کے اوائل میں اس دعوت کا آغاز

Marfat.com

مصر میں ہوا۔ اس کا سب سے بڑا مقصد اصلاح تھا۔ اگرچہ ہر ملک میں دعوت کے وسائل مختلف تھے تاہم یہ امور میں مشترک تھے۔

(۱) فقہ کے پہلے مصادر یعنی کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے میں اور تقلید اور جمود کے پنجے سے نجات حاصل کرنے میں۔

(۲) مشکل اور پیچیدہ کتابیں، جو علمی اور عملی زوال کے دور میں لوگوں میں نشر ہوئیں، ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے آسان اور سہل کتب کی تالیف کے کام میں۔

(۳) تمام اِسلامی فقہ سے فائدہ اُٹھانے اور لوگوں کو کسی خاص مذہب کی فقہ کی پابند نہ کرنے میں۔

فقہی تحریک کے مظاہر: اس دور میں فقہی تحریک کے اہم مظاہر مندرجہ ذیل تھے:

(۱) تمام بڑے بڑے فقہی مذاہب کی تعلیم کا انتظام کیا گیا اور کسی ایک مذہب کی فقہ کی ترجیح نہیں دی گئی۔

(۲) مفید موضوعات کی تعلیم کا انتظام کیا گیا اور بے سود فقہی تراکیب کو ترک کیا گیا یا اس میں معمولی سی بحث تمحیص کی گئی۔

(۳) ایسی فقہ کا اہتمام کیا گیا جو تمام مذاہب اِسلامیہ کو قریب تر کرنے والی تھی، خواہ کسی ایک ہی مسئلہ میں ہو یا کسی ایک قاعدہ میں یا شریعت اسلامی کے تمام مذاہب اور وضعی قوانین میں ہو۔ ان تعلیمات کی غرض وغایت یہ تھی کہ اِسلامی فقہ کے فضائل اور فوائد بیان کیے جائیں اور یہ ثابت کیا جائے کہ شریعت کے اختلافی مسائل کا حل اسلامی فقہ ہے۔

(۴) لوگ عام نظریات سے ہٹ کر اِسلامی فقہ کے نظریے اور تعلیم کی طرف متوجہ

Marfat.com

ہوئے۔

(۵) اِسلامی فقہ کی تعلیم کا خصوصیت سے انتظام کیا گیا۔ یہ یقینی امر ہے کہ ایسی تعلیم اِنسان میں اہلیت پیدا کرتی ہے اور اِسے ایک جید عالم بنا دیتی ہے، جو اِسلامی فقہ کے قوانین پر گہری نگاہ ڈال سکتا ہے۔

خلاصہ

اس بحث کے خاتمہ پر ہم دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اِسلامی فقہ ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لوگوں کے لیے قابل قبول ہے۔ خواہ معاشرہ میں اختلاف اور انتشار ہو، کیونکہ اس کے احکام دو اقسام میں منقسم ہیں۔

(۱) ایسے احکام جو پختہ ہیں، جن کی عام اُصولوں اور قواعد کلیہ میں تعمیل ضروری ہے، جو ضروری مقاصد کی حفاظت کے لیے ناگزیر ہیں اور جن پر زندگی کا انحصار ہے۔

(۲) ایسے احکام جو اِنسانی زندگی میں لوگوں کی نئی نئی ضروریات اور مختلف قوموں کے حالات کے مطابق قابلِ قبول رہیں۔ اِسلامی فقہ اپنی حقیقت اور شرعی اُصول کے لحاظ سے حالات سے عین مطابقت رکھتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''ہم نے اپنی کتاب میں کسی بات کی کمی نہیں رہنے دی۔''

اسلامی فقہ میں تبدیلی کے اہم وسائل میں سے ایک صحیح اجتہاد ہے، جو شریعت کے اسرار و مقاصد پر گہرے ادراک پر مبنی ہو اور اس کے احکام، اسباب اور استنباطِ احکام میں قابلِ اعتماد دلائل پر مبنی ہو اور ان کو سمجھنے کے لئے فہم دقیق ہو۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ اپنی زندگی میں احکام کی علت اور شریعت کے مقاصد میں اجتہاد کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ آپ کی زندگی میں اور آپؐ کے انتقال فرمانے کے بعد حضور اکرم ﷺ کے اُصولوں کے

Marfat.com

مطابق اجتہاد کرتے تھے۔ ان کے بعد علمائے اُمت ان کے اُصولوں کے مطابق اجتہاد کرتے تھے۔ وہ شرعی نصوص کو سمجھانے کے لیے اجتہاد کرتے اور ان کے اسرار سے واقفیت حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح امت کے علمائے مجتہدین نئے نئے واقعات کو مدنظر رکھ کر ان کے لیے احکام تلاش کرتے تھے۔ استنباط میں اس قسم کے فہم نے اُمت کے سلف کے لیے شریعت اِسلامی میں ان کی ضروریات کے مطابق فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے کو ممکن بنا دیا۔ چنانچہ ان کو ہزاروں ایسے مسائل سے واسطہ پڑا جن کو پہلے کوئی نہیں جانتا تھا۔ اُنہوں نے ہمت نہیں ہاری بلکہ ان مسائل کے حل کے لیے احکام تلاش کیے جو بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے چراغ ثابت ہوئے۔ صحابہؓ کا رسولِ اکرم ﷺ کے زمانہ میں اجتہاد اور آپؐ کی رحلت کے بعد اجتہاد میں صرف یہ فرق تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے عہد مسعود میں جب وہ اجتہاد کرتے تو نبی کریم ﷺ اس کے درست یا غلط ہونے کی وضاحت فرما دیتے تھے، جیسے کہ بنو قریظہ میں جا کر صحابہ کرامؓ کا عصر کی نماز پڑھنے کا واقعہ ہے۔ بعض نے وہاں جانے سے پہلے پڑھ لی اور بعض نے بنو قریظہ میں جا کر پڑھی۔ ایسے ہی بعض صحابہؓ کا کسی قوم کو کلمۂ توحید پڑھنے کے بعد قتل کرنے کا واقعہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اِسے غلط قرار دیا لیکن نمازیوں کے کام کو درست قرار دیا۔ اِسلامی فقہ میں قوموں کی مصلحتوں کو نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ ان کو پوری طرح ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ اس میں ایسے وسائل موجود ہیں جو مجتہدوں کے لئے دینی اُمور میں مشکلات اور مسائل کا حل آسان بنا دیتے ہیں جو ہر زمانہ اور ہر مقام کے لوگوں کے حالات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ضرورت ان امر کی ہے کہ قدیم کی رہنمائی میں جدید فقہ اسلامی کی تشکیل کا کام کیا جائے۔ اسے آگے بڑھایا جائے جمود کو ہٹایا جائے۔

Marfat.com

اسبابِ اختلاف اُمت

عہد نبوت

تاجدارِ ختم نبوت ﷺ کے زمانہ میں فقہ فن کی طرح مدون اور مرتب نہ تھی۔ اُس وقت احکام کے باب میں بحث کا یہ طریقہ فقہی بھی نہ تھا۔ جس طرح فقہا میں رائج ہوا کہ انہوں نے اپنی انتہائی اعلیٰ دماغی صلاحیتیں اور قابلیتیں صرف کر کے دلائل و براہین کے ساتھ ایک ایک چیز کے علیحدہ علیحدہ ارکان، شرائط اور آداب بیان کئے۔ مسائل کی فرضی صورتیں سامنے رکھ کر ان پر بحثیں کیں۔ جن چیزوں کی تعریف ہو سکتی تھی اُس کی منطقیانہ تعریف بیان کی اور جن کا حصر بیان کیا جا سکتا تھا اُن کا حصر بیان کیا وغیرہ اس کے برعکس حضور نبی اکرم ﷺ کا مبارک طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ مثلاً وضو فرماتے اور صحابہ کرامؓ آپؐ کا طریقہ وضو دیکھ کر اُسے اختیار کر لیتے۔ بغیر اِس کے کہ آپ ﷺ اِس بات کی وضاحت فرمائیں کہ یہ وضو کا رُکن ہے اور فلاں چیز واجب ہے اور فلاں چیز سنت ہے اور فلاں چیز اُس کے آداب میں سے ہے۔ اِسی طرح حضور ختمی مرتبت ﷺ نماز پڑھتے، صحابہ آپؐ کے نماز پڑھنے کا ڈھنگ دیکھتے اور اِسی طرح خود پڑھنے لگتے۔ آپ ﷺ نے حج ادا فرمایا صحابہ نے آپؐ کے حج و عمرہ کرنے کے طریقے اور مراسم دیکھے اور اِسی طرح خود حج عمرہ کرنے لگے۔ غرض کہ آپ ﷺ کا عام طریقہ تعلیم یہی تھا۔ آپ ﷺ نے کبھی یہ وضاحت نہ فرمائی کہ فلاں چیز کے چار فرض ہیں یا چھ اور نہ کسی چیز کا پیشگی حکم بیان فرمایا کرتے۔ فرضی اور غیر واقعی صورتوں کے احکام کے متعلق شاید ہی کبھی کچھ فرمایا ہو۔ دوسری طرف صحابہ کرامؓ بھی اِسی طرح کی باتوں کے بارے میں آپ ﷺ سے بہت ہی کم سوال کیا کرتے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسولؐ نے آپ ﷺ کی پوری زندگی میں صرف

Marfat.com

آپؐ سے تیرہ سوال کئے جو سب کے سب قرآنِ حکیم میں مذکور ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ صرف اُنہی چیزوں کے متعلق پوچھا کرتے تھے جو اُن کے لئے باعثِ نفع ہوا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ فرضی اور غیر واقعی صورتوں کے متعلق سوال کرنے والوں کو برا خیال فرماتے تھے۔ فرضی مسائل کے متعلق کھود کرید کا تصور صحابہ میں بہت ہی کم تھا۔ غرض کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کے زمانے میں صحابہ پیش ہوئے اور نبی کریم ﷺ اُن کا فیصلہ فرما دیتے۔ لوگوں کو اچھے اور نیک کام کرتے دیکھتے تو اُن کی مدح و تعریف فرماتے اور برے کاموں کو کرتا دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے اور مذمت فرمایا کرتے۔

عہد صحابہؓ

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ خلافت آیا اور کسی مسئلہ میں حکم شریعت معلوم نہ ہوتا تو وہ دوسرے اصحابِ رسولؐ سے اِستفسار کیا کرتے کہ کیا تم میں سے کسی نے اِس بات کے متعلق حضور نبی کریم ﷺ کا کوئی فرمان سنا ہے۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے دادی کی وراثت کا مسئلہ پیش ہوا تو آپؓ نے فرمایا کہ میں نے اِس کے حصے کے بارے میں کوئی ارشاد نبوی نہیں سنا۔ اِس لئے اس کے متعلق دوسرے اصحاب سے پوچھتا ہوں۔ نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد آپؓ نے اصحاب سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے حضور ختمی مرتبت ﷺ کو دادی کے حق وراثت کے بارے میں کچھ فرماتے سنا ہے؟ مغیرہ ابن شعبہ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے دادی کو میت کے مال کا چھٹا حصہ دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پھر پوچھا کہ یہ بات اِن کے سواء اور کسی کو بھی معلوم ہے۔ محمد بن سلمہؓ نے کہا مغیرہ بن شعبہ صحیح کہتے ہیں: یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جس عورت کا معاملہ پیش تھا اُس کے پوتے کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ دے دیا۔

حضرت عمرؓ کے سامنے جنین کے خون بہا کا مسئلہ پیش آیا تو چونکہ آپؓ کو اِس کے

Marfat.com

بارے میں کوئی نصِ شرعی معلوم نہ تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے اصحابؓ رسولؐ سے استفسار کیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ نے اُس کا خون بہا غرّہ مقرر کیا یعنی ایک غلام آزاد کیا جائے یا جنین کے ولی کو پچاس دینار پانچ سو درھم دیئے جائیں۔

صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی عبادت کے اِن ہی طریقوں اور آپ کے اِن ہی فتوؤں اور فیصلوں کو یاد کر لیا جن کو اُسے دیکھنے اور سننے کا موقع نصیب ہوا تھا۔ پھر انہوں نے اِن میں سے ہر حکم کے قرائن حال پر نظر ڈالی، علّتِ متعین کی۔ موقع و محل کے اِن قرائن و علامات کو سامنے رکھا انہوں نے تعیین علّت و مقصد کے لئے کافی اطمینان کیا۔ پھر کسی حکم کو مباح ٹھہرا دیا، کسی کو مستحب اور کسی کو منسوخ۔ اِس باب میں صحابہ کرامؓ کا اعتماد صرف اپنے دل کے اطمینان پر تھا۔ اِستدلال کے پُر پیچ منطقیانہ طریقوں سے صحابہ کرامؓ کے ذہن آشنا نہیں تھے۔ جیسے سیدھے سادھے دیہاتی لوگوں کو دیکھا جائے کہ وہ آپس کی گفتگوؤں کا مطلب بآسانی سمجھ جاتے ہیں۔ اُن کی گفتگوؤں کے اندر اِستعمال ہونے والے اشارات و کنایات اور تصریحات کا مدعا آپ سے آپ واضح ہوتا جاتا ہے۔ لیکن انہیں اِس کی خبر تک نہیں ہوتی۔ عہد رسالتؐ کے بعد صحابہ کرامؓ مختلف اطراف و ممالک میں پھیلتے چلے گئے۔ اور اِن میں سے ہر ایک الگ الگ علاقے میں عوام کا رہنما بنتا گیا۔ اب اُن کے سامنے زندگی کے بے شمار واقعات اور مسائل پیش ہونے شروع ہوئے۔ اِن سے فتوے پوچھے جاتے، ہر صحابیؓ اپنی منصوص معلومات یا اپنے استنباط کے مطابق اُن کے جوابات دیا کرتا اور اگر وہ اپنے معلومات اور اِستنباط میں کوئی چیز نہ پاتا جس سے وہ مطلوبہ مسئلہ کا جواب دے سکتا تو وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرتا اور اُس علّت کو معلوم کرنے کی کوشش کرتا جس پر حضور ختمی مرتبت ﷺ نے اپنے منصوص احکام کی بنیاد رکھی تھی۔ پھر جس مقام پر اِن کو وہ علّت نظر آتی وہاں وہی حکم لگا دیتے مگر ایسے قیاسات کرتے وقت یہ صحابہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کے

Marfat.com

مقصد کا لحاظ کرنے میں اپنے مقدور بھر کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھتے تھے۔ یہاں سے صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف کا آغاز ہوا۔ اِس اختلاف کی وجوہ مختلف تھیں۔

صحابہ کے باہمی اختلافات کے وجوہ واسباب

(۱) حدیث نبویؐ سے واقفیت اور عدمِ واقفیت کا اختلاف

پہلی اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ بعض صحابہ کرامؓ کو کسی چیز کے متعلق حضور ختمی مرتبت ﷺ کا حکم اور ارشاد معلوم تھا اور دوسرے اِس سے ناواقف تھے۔ اِس لئے انہوں نے مجبوراً اپنے اجتہاد سے کام لیا۔ جس کی چند صورتیں یہ ہوئیں:

(۱) پہلے تو یہ اجتہاد حدیثِ نبویؐ کے عین مطابق ہوتا۔ اِس کی مثال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے ایک ایسی عورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ جس کا شوہر حق مہر مقرر کرنے اور اُس سے مقاربت کرنے سے پہلے ہی وفات پا گیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایسے معاملے میں حضور ختمی مرتبت ﷺ کا کوئی فیصلہ مجھے معلوم نہیں۔ ایک مہینہ لوگ یہی سوال پوچھتے رہے کہ فیصلہ کیا جائے۔ تب حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اجتہاد کر کے یہ فیصلہ دیا کہ اُس عورت کو اُتنا ہی حق مہر ملنا چاہیے جتنا اُس کی ہم مرتبہ عورتوں کا ہوا کرتا ہے۔ نہ ہی کم ہو اور نہ ہی زیادہ اور اِس کے ساتھ وہ عورت عدّت گزارے گی اور وہ شوہر کے ترکہ میں حصہ پائے گی۔ حضرت معقل بن بسیار نے کھڑے ہو کر اِس کی تصدیق کی اور بطور شہادت کہا کہ ہمارے قبیلہ کی ایک عورت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے یہی حکم دیا تھا۔ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔

(۲) دوسرا یہ کہ دو صحابہ کی آپس میں کسی مسئلہ کے بارے میں بحث ہوئی اور اِس طریقہ سے کوئی حدیث نبویؐ سامنے آئی۔ جس سے اِس سلسلہ میں اُس مسئلہ کی صحت کا ظن

Marfat.com

غالب ہوتا تھا۔ اس لئے مجتہد نے اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر حدیث نبویؐ کو اختیار کیا۔ مثلاً حضرت ابوھریرہؓ کے خیال میں "جو شخص طلوعِ صبح کے وقت جنبی رہا اُس کا روزہ نہیں ہوتا۔ لیکن جب بعض ازواج مطہرات نے حضور ختمی مرتبت ﷺ کا عمل حضرت ابو ہریرہ کے خیال کے خلاف بیان کیا تو انہوں نے اپنے خیال سے رجوع کر لیا۔

(۳) تیسرا یہ کہ اجتہاد کرنے والے صحابی کو حدیث تو پہنچی مگر ایسے قابل اطمینان طریقے سے نہیں پہنچی کہ اُس کے صحیح ہونے کا اُسے گمانِ غالب ہوتا۔ اِس لئے مجتہد صحابی نے روایت کو نا قابلِ اعتبار سمجھتے ہوئے اپنے اجتہاد ہی پر عمل کیا۔ مثلاً حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے حضرت فاروقِ اعظمؓ کے سامنے حاضر ہو کر کہا" کہ مجھ کو تین طلاقیں دی گئی تھیں۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ نے نہ تو مجھ کو زمانہ عدّت کا نفقہ دلایا اور نہ مکان۔ حضرت عمرؓ نے اِن کی گواہی ماننے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ ہم ایک عورت کے قول کی بناء پر کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ لہٰذا تین طلاقیں پانے والی عورت کو نفقہ اور قیام گاہ دونوں ملنا چاہیے۔

نوٹ: حضرت عمرؓ کے اِس طرزِ عمل سے ہمیں ایک اہم اُصول ملتا ہے کہ جب قرآنِ حکیم کے مشا اور مفہوم سے روایت ٹکرائے تو اُسے تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔ ثابت ہوا کہ احادیث میں صرف سند میں قابل لحاظ شے نہیں ہے بلکہ متن بھی دیکھنا چاہیے۔ سند بالکل سلسلۃ الذہب ہی کیوں نہ ہو پھر بھی حدیث میں غلطی کا امکان ہو سکتا ہے۔ سند کی صحت ہر حال میں صحت حدیث کو مستلزم نہیں۔

(۴) چوتھا یہ کہ اجتہاد کرنے والے صحابی کو حدیث نبویؐ سرے سے پہنچی ہی نہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ ابن عمرؓ عورتوں کو یہ حکم دیتے تھے کہ وہ جب غسل کریں تو اپنے سر کے بال کھول لیں۔ حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کو اِس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے تعجب فرمایا کہ ابن عمرؓ نے عجیب بات کہی ہے۔ حالانکہ میں اور حضور ختمی مرتبت ﷺ ایک ہی برتن سے

Marfat.com

غسل کرتے تھے اور میں اپنے بالوں کے سلسلہ میں اِس کے سواء کچھ نہیں کرتی تھی کہ اِن پر تین بار پانی بہادیتی تھی اور کبھی اِن کو کھولتی نہیں تھی۔

(۲) فعل رسول کی تعیین نوعیت میں اختلاف

اختلافِ صحابہؓ کی دوسری بنیاد یہ ہے کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کو ایک کام کرتے سب نے نہیں دیکھا مگر افکار بشری میں فطری تفاوت کی وجہ سے اُس فعل کی نوعیت سمجھنے میں اختلاف ہوگیا۔ کسی صحابیؓ نے اُس فعل کو عبادت سمجھا اور کسی نے اُس کو صرف اباحت پر محمول کیا۔ مثلاً: تحصیب یعنی سفرحج کے دوران وادی ابطح میں آپ ﷺ کا اُترنا حضرت ابوھریرہؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے نزدیک یہ اُترنا بحیثیت عبادت تھا اِس لئے انہوں نے حج کے سنتوں میں شمار کیا۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے نزدیک یہ اُترنا محض ایک تفاقی امر تھا نہ کہ کسی سنت کے طور پر۔ جمہور کے نزدیک بیت اللہ کا طواف کرتے وقت "رمل" یعنی اکڑ کر چلنا سنت ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے نزدیک رمل کرنا محض ایک اتفاقی طور پر اور ایک عارضی سبب سے تھا۔ یعنی مشرکین مکہ کا یہ طعن کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے بالکل چور کر ڈالا ہے۔ اِس طعن کے جواب میں حضور ختمی مرتبت ﷺ نے مسلمانوں کو اکڑ کر چلنے کا وقتی حکم دیا تھا ورنہ یہ فعل کوئی مستقل سنت نہیں ہے۔

(۳) وہم تعبیر کا اختلاف

اختلافِ صحابہؓ کی تیسری وجہ یہ ہے کہ افعال رسول ﷺ کے بیان کرنے میں صحابہؓ نے مختلف گمانوں سے نام لیا۔ مثلاً حضور ختمی مرتبت ﷺ نے حج ادا فرمایا اور تمام صحابہ کرامؓ نے اِس کا مشاہدہ کیا لیکن اِس حج کی نوعیت بیان کرتے وقت اختلاف ہوا۔ جو تعبیری اختلاف ہے اِس کے لئے اختلاف الفقہاء کے موضوع پر کتب کا مطالعہ کیا جائے۔

Marfat.com

باب نمبر ۶:

نماز اور اُس کے مسائل

Marfat.com

نماز کے ارکان کی تقسیم

سوال: نماز کے ارکان کو فرض، واجب، سنت اور نفل میں تقسیم کیا جاتا ہے؟ کیا یہ تقسیم منصوص من اللہ ہے؟

جواب: فقہائے امت نے عامۃ الناس کی سہولت اور آسانی کے لئے یہ تقسیم کی ہے۔ یہ تقسیم منصوص من اللہ یعنی من جانب اللہ نہیں ہے۔ اس لئے ان کو یاد رکھے بغیر بھی نماز ادا ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نماز میں بعض چیزیں فرض یعنی لازمی ہیں اور بعض چیزیں لازم نہیں۔ پسندیدہ و مستحب ہیں اِس لئے اِن کو نفل کہا جاتا ہے۔ فرض وہ ارکان ہیں جن کا التزام حضور نبی کریم ﷺ نے دواماً و اِستمراراً یعنی ہمیشہ کیا اور وہ صحابہ کرامؓ کے عملی تواتر سے اُمت کو منتقل ہوئے ہیں۔

نیت کے الفاظ کی زُبان سے ادائیگی

سوال: کیا نیت کے الفاظ کی زبان سے ادائیگی کرنا ضروری ہے؟

جواب: زُبان سے جس طرح الفاظ ادا کیے جاتے ہیں کہ میں نماز پڑھتا ہوں خدا کے لئے چار رکعت فلاں وقت پیچھے امام کے وغیرہ وغیرہ ان الفاظ کا زُبان سے کہنا فرض نہیں ہے۔ اصل نیت ارادہ ہوتی ہے اور وہ دل میں ہوتی ہے اور دل کی نیت کفایت کر جاتی ہے۔ زُبان سے اِن کلمات کو ادا کئے بغیر نماز تو ادا ہو جاتی ہے۔ تاہم اگر کر لی جائے تو بہت اچھا ہے۔

Marfat.com

امام کے پیچھے سری نماز میں مقتدی کا تلاوت کرنا

سوال: کیا امام کے پیچھے سری نمازوں میں مقتدی تلاوت کر سکتا ہے؟

جواب: فقہائے اُمت کی اِس بارے میں دو آراء ہیں۔

(۱) بعض فقہاء کے نزدیک امام کی قرأت، مقتدی کی قرأت ہے۔ اس لئے مقتدی کو چاہیے وہ خاموش رہے۔ جبکہ دوسرے فقہاء کے نزدیک چونکہ مقتدی کی قرأت سے دوسروں کی نماز میں خلل اندازی کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا اور مقتدی کی توجہ اپنی قرأت پر مرکوز رہتی ہے۔ وہ انتشار ذہنی سے محفوظ رہتا ہے۔ اسلئے انہوں نے کہا کہ بہتر یہی ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرے۔ فقہ حنفی کے مقلدین کے لئے تو یہی ہے کہ وہ قرأت نہ کریں۔ تاہم ایسے لوگ جو قرأت کے بغیر اپنی توجہ مرکوز نہیں رکھ سکتے وہ قرأت کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں مؤقف کے فقہائے کرام نے قرآن و سنت کی روشنی میں ہی اجتہاد کر کے رائے اختیار کی ہے۔ لہٰذا جن کی بھی تقلید اختیار کی جائے گی اِنشاء اللہ وہ اجر کا ضرور مستحق ہوگا۔

جہری نماز میں امام کے پیچھے مقتدی کا قرأت کرنا

سوال: جہری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کا قرأت کرنا کیسا ہے؟

جواب: اِس بارے میں بھی فقہائے اُمت کی دو آراء ہیں۔ فقہائے احنافؒ کے نزدیک مقتدی کو جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ اِن کی دلیل قرآن حکیم کی یہ آیت ہے کہ جب قرآن حکیم پڑھا جا رہا ہو تو اُسے خاموشی سے سنا جائے۔ اس کے ساتھ مقتدی امام کے تابع ہے اس لئے جب وہ امام کی قرأت سن رہا ہو تو یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے وہ خود قرأت کر رہا ہو۔ لہٰذا کسی معلوم چیز کا سننا یا زبان سے پڑھنا ایک ہی حکم میں ہے۔ دوسرے فقہاء کے نزدیک امام کے پیچھے جہری نمازوں میں بھی مقتدی سورۂ

Marfat.com

فاتحہ پڑھے۔ کیونکہ حدیث نبویؐ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔ فقہائے احنافؒ کا مؤقف زیادہ وزنی ہے۔ لہٰذا اِس کو اختیار کرنا زیادہ افضل ہے۔

ثناء کے کلمات

سوال: کیا نماز میں ثناء کے کلمات سبحنک کے علاوہ بھی پڑھے جا سکتے ہیں؟

جواب: ثناء میں کوئی بھی دعائیہ کلمات پڑھے جا سکتے ہیں۔ درج ذیل دو دوعاؤں میں کوئی ایک دُعا پڑھنا بہت اچھا ہے۔ ہم عام طور پر یہ پڑھتے ہیں۔

(۱) **سبحنک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا اِلٰہ غیرک.**

اے پروردگار عالم! تیری ذات پاک ہے اور حمد وثناء تیرے لئے ہے۔ تیرا نام برکت والا ہے۔ تیری شان بلند ہے اور تیرے سواء کوئی معبود نہیں۔

(۲) **اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب. اللھم نقنی من خطایا ی کما ینقی الثوب الابیض من الدنس اللھم أغسلنی من خطایای بالثلج والمآءِ و البرد.**

اے پروردگار عالم!! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان دُوری پیدا کر دے۔ اتنی دوری جتنی تو نے مشرق ومغرب میں پیدا کی ہے۔

اے پروردگار عالم! تو مجھے گناہوں سے پاک کر دے، جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے پاک کیا جاتا ہے۔

اے پروردگار عالم! میرے گناہ پانی، برف اور اولوں سے دھودے۔

Marfat.com

رکوع میں تسبیح کے کلمات

سوال: رکوع میں تسبیح کے کون سے کلمات پڑھے جاسکتے ہیں؟

جواب: رکوع میں تسبیح کے کوئی بھی کلمات پڑھے جاسکتے۔ عام طور پر دو تسبیح کے کلمات پڑھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) **سبحان ربی العظیم۔** میرا رب پاک، عظمت والا ہے۔

(۲) **سبحنک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی۔**

اے پروردگار عالم! تو پاک ہے۔ تو ہمارا رب ہے۔ تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ یا اللہ مجھے بخش دے۔

سجدہ کی حالت میں تسبیح کے کلمات

سوال: کیا سجدہ کی حالت میں تسبیح کے کلمات مخصوص پڑھنا ضروری ہیں؟

جواب: سجدے کی حالت میں تسبیح کے کوئی بھی کلمات پڑھے جاسکتے ہیں۔ عموماً دو طرح کے کلمات پڑھے جاتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) **سبحان ربی الاعلی۔** میرا رب بے عیب، بلند و برتر ہے۔

(۲) **سبحان اللھم رَبنا وبحمدک اللھم اغفرلی** ۔ اے پروردگار عالم! تو پاک ہے۔ تو ہمارا رب ہے۔ تمام تعریفات تیرے لئے ہیں یا اللہ تو مجھے بخش دے۔

تشہد کے بعد دعائیں

سوال: تشہد کے بعد کون سی دعائیں مانگی جاسکتی ہیں؟

جواب: اُصولی طور پر تشہد پر نماز کا اختتام ہو جاتا ہے۔ تاہم دعاؤں کا مانگنا بہت اچھا ہے۔ یہ خیر و برکت کا عمل ہے اِس لئے اس سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔ چنانچہ سب سے

Marfat.com

پہلے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود شریف کی صورت میں دعا مانگی جاتی ہے اور اس کے بعد مزید دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ دعا کا ادب بھی یہی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان کر کے اُس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجے جائیں اور پھر جمیع اُمت اور اپنے لئے دعائیں کی جائیں۔ دعا کے اِن مروجہ آداب کو ملحوظ رکھنا پسندیدہ ترین ہے۔

تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رفع یدین

سوال: تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کرنا کیسا ہے؟

جواب: تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفع یدین سنت ہے کیونکہ اِس پر تمام صحابہ اور فقہائے اُمت کا اتفاق منقول ہے۔ باقی ارکان کے لئے رفع یدین کرنا نفل ہے۔ چنانچہ رفع یدین کرنے والوں پر بھی کوئی حرج نہیں اور نہ کرنے والوں پر بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے اس کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرامؓ نے کبھی کبھی کیا ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے سنت کی حیثیت سے اپنی اُمت میں جاری نہیں فرمایا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کو جاری فرمایا ہوتا تو قیام، رکوع، قعدہ اور سجدہ کی طرح ہر صحابی ہر جگہ پر اس کا اہتمام کرتا اور یہ کامل اتفاق رائے سے جمہور اُمت کا عمل قرار پاتا۔ لہٰذا تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رفع یدین ایک نفل چیز ہے۔ اس کے نہ کرنے سے نماز میں کسی قسم کی کمی واقع ہرگز نہیں ہوتی۔ کیونکہ جمہور صحابہ کرام کا متواتر عمل یہی منقول ہوا ہے کہ رفع یدین نہ کیا جائے۔ بعض فقہائے کرام کے نزدیک چونکہ روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا۔ اس لئے ہمیشہ رفع یدین کرنا چاہیے۔ ہمارے نزدیک دونوں گروہوں کا طرزِ عمل تشدد پر مبنی ہے۔ صحابہ کرامؓ کے عملی تواتر اور روایات میں یوں مطابقت کی جاسکتی ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا فرض ہے اور اس کے علاوہ باقی تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرنا نفل ہے۔

Marfat.com

رفع یدین کرنے کی حکمت

سوال: رفع یدین کرنے کا کیا مفہوم ہے؟

جواب: یہ ایک قسم کا بندہ عہد کرتا ہے کہ اِس نے ہر طرف سے منہ موڑ کر اپنے رب کی طرف پوری توجہ کر لی ہے۔ اگر ہاتھ اُٹھا کر یہ عہد صرف نماز کے شروع میں کر لیا جائے تو یہ کافی ہے۔ تاہم شدتِ احساس کی وجہ سے نماز کے درمیان کسی بھی تکبیر یعنی ''اللہ اکبر'' کہنے کے وقت پھر یہ عہد دہرا لیا جائے تو یہ بھی غلط نہیں ہے۔ رفع یدین کرنے اور نہ کرنے والے دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔ دونوں کی نمازیں ٹھیک ہیں۔ اِن مسائل کو وجہ تنازع بنانا اور مبارزت کرنا مناظروں کا ماحول بنانا ہرگز درست نہیں ہے۔

امین بالجہر

سوال: فاتحہ کے بعد آمین بلند آواز سے کہی جائے یا آہستہ ہلکی آواز سے؟

جواب: آمین کا حکم حضور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے امین بلند آواز سے بھی کہا ہے اور سری یعنی ہلکی آواز سے بھی۔ کسی آواز کا بلند یا ہلکا ہونا ہر اِنسان کی داخلی کیفیت پر مبنی ہے۔ لہٰذا درمیانی آواز میں آمین کہہ لی جائے تو اچھا ہے۔

قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنا

سوال: قیام کی حالت میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟

جواب: اِس بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ کہ ہاتھ سینے پر باندھے جائیں۔ اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جائیں۔ ہاتھ باندھنا دراصل ادب واحترام کی علامت ہے اس کی متوازن و معتدل صورت جو

Marfat.com

ادب کا تقاضا ہے وہ ناف کے عین اُوپر باندھنے کی صورت میں پورا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ رائج طریقہ بھی یہی ہے اور اِس طرح تمام روایات کی صحیح تطبیق اور تاویل بھی ہو جاتی ہے۔

نماز کے بعد اجتماعی دعا

سوال: نماز میں سلام پھیرنے کے بعد اجتماعی دعا مانگنا کیسا ہے؟

جواب: اجتماعی دعا خیر و برکت والی چیز ہے۔ یہ عمل اُمت کا عملی تواتر سے ثابت ہے۔ ہر نماز کے بعد اجتماعی دعا مانگنا مستحب عمل ہے۔ ٹھیک ہے یہ عمل دواماً ہر نماز کے بعد حضور نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے بعض فقہائے اُمت نماز کے بعد اجتماعی دعا مانگنا مسنون اور مستحب نہیں مانتے۔ اُن کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے ہر نماز کے بعد اجتماعی دُعا مانگی اور صرف خاص موقعوں پر یا خاص وجوہ کی بناء پر اجتماعی دعا مانگی۔ اِس لئے اُمت کو بھی معمول نہیں بنانا چاہیے۔ تاکہ کہیں اجتماعی دُعا کو اُمت اپنے اوپر فرض نہ سمجھ لے اور نماز کا لازمی حصہ سمجھ کر نہ مانگنا شروع کر دے۔ ہم پہلے مؤقف کو ترجیح دیتے ہیں۔

فرض نمازوں کی رکعات

سوال: فرض نمازیں کون سی ہیں اور اِن کی کتنی رکعات ہیں؟

جواب: فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی پانچ نمازیں فرض ہیں اور فرض رکعتوں کی تعداد مندرجہ ذیل ہے۔

فجر	:	دو
ظہر	:	چار
عصر	:	چار
مغرب	:	تین

اور عشاء کی چار رکعتیں ہیں۔

Marfat.com

سنت مؤکدہ اور نفل میں فرق

سوال: سنت مؤکدہ اور نفل میں کیا فرق ہے؟

سنت مؤکدہ اصلاً نفل نماز ہی ہے؟ تاہم اِس میں اِتنا فرق ضرور ہے کہ عام نفل نمازیں تو ممنوع اوقات کے علاوہ ہر وقت پڑھی جا سکتی ہیں۔ لیکن حضورِ کائنات ﷺ نے اِن مسنون نوافل کی بڑی تاکید کی ہے۔ اور ان پر بڑے اجر وثواب کی خبر دی ہے۔ یہ مسنون نوافل فجر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر سے پہلے چار اور ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں اور عشاء کے بعد دو رکعتیں ہیں۔ اِن نوافل کو کسی عذر شرعی کے بغیر ترک نہیں کرنا چاہیے۔

مسنون نوافل کا نماز کے بعد ادا کرنا

سوال: اگر فرض نماز سے پہلے مسنون نوافل ادا نہ کیے جائیں تو کیا انہیں بعد میں پڑھنا ضروری ہے؟

جواب: یہ مسنون نوافل بڑے اجر وثواب کے حامل ہیں۔ اگر یہ فرض نماز سے پہلے ادا نہ کیے جا سکیں تو بعد میں ادا کرنا اچھا ہے۔

نمازِ فجر کے دو مسنون نوافل

سوال: کیا نمازِ فجر جب کھڑی ہو جائے تو پہلے مسنون نوافل ادا کرنا ضروری ہیں یا جماعت میں شریک ہو جائے اور بعد میں پڑھ لئے جائیں؟

جواب: اِس بارے میں فقہائے اُمت کی دو آراء ہیں: بعض فقہائے اُمت کے نزدیک چونکہ فجر کی نماز اور سورج نکلنے کے درمیان وقفہ کم ہوتا ہے اِسلئے اگر جماعت کھڑی ہو تب بھی مسنون نوافل پہلے ادا کیے جائیں۔ اور اگر یہ رہ جائیں تو پھر سورج

Marfat.com

نکلنے کے بعد ادا کئے جائیں۔ جبکہ دوسرے فقہائے اُمت کے نزدیک کہ جب فجر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو فوری طور پر جماعت میں شریک ہو جانا چاہیے۔ مسنون نوافل، جماعت کے بعد ادا کریں۔ بعد میں ادا کرنا حدیث سے ثابت ہے۔ اِن کا اصل موقع نماز سے پہلے ہی کا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ پہلے ادا کر لینے چاہئیں۔

نماز کا وقت

سوال: نماز کو کس وقت میں پڑھنا چاہیے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نماز کے اوقات میں وُسعت رکھی ہے۔ اِنسان کے حالات کا خیال رکھنا چاہیے۔ جب کسی نماز کا وقت شروع ہو جائے تو اِبتدائی وقت میں پڑھنا اچھا ہے۔ بلاوجہ مؤخر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اوّل کو ترجیح دینی چاہیے۔ تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اِس کی اطاعت میں جلدی کرنی چاہیے۔ تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

نماز تراویح

سوال: نماز تراویح کے بارے میں صحیح تر مؤقف کیا ہے؟

جواب: نماز تراویح رمضان المبارک میں ادا کی جاتی ہے۔ اور یہ تہجد کی نماز کا گویا ایک حصہ ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک کے مہینے میں رات کے درمیانی حصے میں جماعت کے ساتھ پوری زندگی میں تین دفعہ پڑھا۔ چونکہ تراویح تہجد ہی کی نماز ہے۔ اِس لئے اِس کی رکعتوں کی کوئی خاص تعداد آپ ﷺ نے مقرر نہیں فرمائی۔ مزید تفصیل یہ ہے کہ چونکہ رمضان المبارک میں فجر سے پہلے سحری کے وقت کھانے پینے، پکانے اور کچھ دوسرے مشاغل کی غیر معمولی مصروفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اِدھر قدرتی طور پر لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس بابرکت مہینے میں وہ زیادہ سے زیادہ نوافل

Marfat.com

پڑھ کر تہجد کا اجر حاصل کریں۔ اِس طرح آپ ﷺ نے مسلمانوں کو سونے سے پہلے نوافل پڑھنے کی اجازت دے دی۔ جنہیں تراویح کہا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اِس نفل نماز میں کسی خاص تعداد کی پابندی کا کوئی حکم اپنے صحابہؓ کو نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ نے رمضان المبارک کے مہینے میں نصف رات میں جماعت کے ساتھ پوری زندگی میں تین دفعہ پڑھا۔ اِس کے علاوہ آپ ﷺ کے باقی زمانے اور عہدِ خلافتِ صدیقی میں لوگ اپنی مرضی سے اِس نماز کو انفرادی طور پر مسجد یا گھر میں ادا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں یہ بات محسوس فرمائی کہ لوگ مسجد میں الگ الگ گروہوں کی شکل میں اور فرداً فرداً بھی پڑھتے ہیں جس سے مسجد میں بدنظمی سا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ اِس لئے حضرت عمرؓ نے مسجد میں ایک امام مقرر کر دیا۔ اس طرح تراویح کی جماعت کی طرح ڈالی گئی۔ بعض فقہائے اُمت نے اِس نماز کو تراویح کا نام اِس لئے دیا کہ اِس میں عام طور پر چار رکعت کے بعد تھوڑا سا تراویح یعنی وقفہ کیا جاتا ہے۔ مسنون تعداد متفق علیہ نہیں ہے۔ کیونکہ اِس کے بارے میں آپ ﷺ نے بالکل کوئی واضح حکم بھی نہیں فرمایا اور نہ ہی آپ ﷺ نے تمام صحابہ کرامؓ کے ہمراہ اِس کو ساری زندگی کیا ہے۔ تراویح کی تعداد کے بارے میں متنوع روایات منقول ہیں۔ بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ نے گیارہ رکعات اور بعض کے مطابق تئیس (۲۳) رکعات پڑھا کرتے تھے۔ تاہم یہ تعداد راویوں کے مشاہدے پر مبنی ہے۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے نماز تراویح کے لئے باقاعدہ امام مقرر فرمایا تو آپؓ نے نظم کی خاطر اِس کی تعداد بھی وتروں کے ساتھ تئیس مقرر فرما دی۔ فقہائے کرام نے اُمت کی سہولت کی خاطر عشاء کی نماز کے متصل پڑھنے کا فتویٰ دے دیا۔ بہر صورت تراویح پڑھنا بہت اچھا ہے۔ بغیر کسی عذر کے چھوڑنا معمول بنا لینا مناسب نہیں ہے۔ رکعتوں کی تعداد پر چیلنج

Marfat.com

کرنا، مناظرے کرنا اور اِس کو بنائے فساد قرار دینا چنداں دُرست نہیں ہے۔ دلیل اور تحقیق کے بعد جس پر کامل اطمینان ہو جائے اُس پر عمل کرنا چاہیے۔ وجہ تنازع نہیں بنانا چاہیے۔ جمہور فقہائے اُمت کے نزدیک وتروں کے ساتھ تیئس (۲۳) رکعات پڑھنا بہت اچھا ہے۔ اِس طریقے پر عمل کرنے سے بہت سی روایات پر عمل ہو جاتا ہے۔ حنفی فقہائے اُمت کے نزدیک یہی تعداد مسنونِ صحابہ ہے۔

نمازوں کی امامت کے لئے امام کی تقرری

سوال: باجماعت نمازوں کی امامت کے لئے امام مقرر کرنے کا اختیار کس کے پاس ہے؟

جواب: اِسلامی ریاست میں مسجدوں کی تعمیر اور اِن کا انتظام اور اِن میں امام کو مقرر کرنے کا اختیار شہریوں کی مدد سے حکومتِ اسلامی ہی ذمہ داری ہے۔ چونکہ آج کل اِسلامی حکومتیں غافل ہیں اور وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں مساجد کا انتظام و اہتمام شامل نہیں سمجھتیں۔ اِس لئے اہلِ محلّہ اور مساجد کی کمیٹیاں امام مقرر کرنے والی حکومت کی نائب ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ وہ قرآنِ حکیم کو بہت اچھی طرح سمجھتا اور پڑھ پڑھا سکتا ہو۔ وسیع النظر اور کشادہ قلب ہو۔ فرقہ وارانہ ذہنیت نہ رکھتا ہو۔ اس کے ساتھ وہ احکام شریعت کے بنیادی مسائل جاننے والا ہو۔ خوبصورت ہو، خوب سیرت ہو، بااخلاق ہو اور سنجیدہ و متین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ نسبتاً پختہ عمر کا ہو تو بہت اچھا ہے۔

نمازِ جمعہ اور اس کے شرائط

سوال: نمازِ جمعہ پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟ اِس کا خطبہ کون دے؟ اور اس کے لئے مصر کی شرط کا کیا مطلب ہے؟

جواب: نمازِ جمعہ کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی ریاست کا سربراہ صدر، وزیر اعظم اور

Marfat.com

دیگر وزراء و ذمہ دارانِ ریاست اسلامی جمعہ کا خطبہ دیں اور نماز جمعہ کی امامت کریں۔ نمازِ جمعہ دو خطبوں اور اِس کے بعد دو رکعت فرض پر مشتمل ہے۔ پہلے خطبہ میں امام اُمت کو ملی و دینی اور مذہبی مسائل سے متعلق سامعین و حاضرین کی رہنمائی کرے۔ اور دوسرا خطبہ آیاتِ قرآنی، حضور نبی کریم ﷺ پر درود و سلام اور اصحابِ و آل رسول ﷺ اور عام مسلمانوں کے لیے دعاؤں پر مشتمل ہو۔ فقہائے امت نے مصر کی شرط اس لیے عائد کی تھی کہ چونکہ اسلامی ریاست کا سربراہ یا اُس کا نائب ہمیشہ مرکزی مقام پر رہتا تھا، اِس لیے ضروری تھا کہ صرف مرکزی مقام پر یہ جمعہ کی نماز ادا کی جائے اور قُرب و جوار اور اردگرد کے لوگ جمع ہو کر اس میں شریک ہوں۔ جمعہ درحقیقت مسلمانوں کے سیاسی اور انتظامی سربراہ کے احتساب، مسئولیت اور عوام سے ملاقات اور عام میل جول کا دن بھی ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں ہر ضلع، تحصیل اور یونین کونسل کے کسی مرکزی مقام کو مصر جامع قرار دے کر سب لوگوں کو اس بات کا پابند کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس مقرر کردہ ہیڈ کوارٹر پر نماز جمعہ ادا کریں۔ تاہم جب تک اسلامی ریاست کی طرف سے ایسا انتظام نہیں کیا جاتا اور کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی اُس وقت تک ہر جگہ جمعہ پڑھا جا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی زیادہ مناسب یہی ہے کہ بڑے بڑے شہروں اور دیہاتوں میں جمعہ پڑھا جائے۔ ایک ایک بستی اور ایک ایک گاؤں میں دو دو تین تین مقامات پر جمعہ کی ادائیگی بڑی عجیب لگتی ہے۔ جمعہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ آج کل جمعہ تیمّم کے اُصول پر پڑھا جا رہا ہے۔ یعنی جس طرح پانی نہ ملنے پر تیمّم کی اجازت ہو جاتی ہے۔ اس طرح علمائے اسلام نے یہ اجتہاد کیا کہ اگر اسلامی حکمران نماز جمعہ کا اہتمام پوری شرائط کے ساتھ نہیں کر رہے ہے تو کم از کم اس نماز کی ظاہری شکل و صورت کو تو باقی رکھا جائے۔ اگر مرکزی مقامات پر نما جمعہ کا اہتمام ہونے لگ جائے تو فرقہ وارانہ کشیدگی کا خاتمہ بآسانی ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

سفر میں نمازِ قصر

سوال: سفر میں نمازِ قصر سے کیا مراد ہے؟ اور کتنی مسافت میں نمازِ قصر ادا کی جا سکتی ہے؟ نیز نماز کے لیے اور کیا رخصتیں شرعاً دی گئی ہیں؟

جواب: شریعت میں سفر، حالت جنگ یا کسی بھی ہنگامی ایمرجنسی میں نماز میں رُخصتیں دی گئی ہیں۔ سفر کے بارے میں فقہائے اُمت کی تین آراء ہیں

۱۔ جمہور فقہائے امت کے نزدیک سفر وہ ہوتا ہے جس میں انسان کم از کم چھپن میل کا قصہ کرے۔

۲۔ بعض فقہاء کے نزدیک سفر اُسے کہتے ہیں جس میں انسان اپنے گھر سے آٹھ میل تک کہیں جانے کا قصد کرے۔

۳۔ کچھ فقہائے کرام نے کہا کہ سفر کا مسافت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب کوئی انسان اپنے آپ کو حالتِ سفر میں محسوس کرے تو ایسا شخص سفر کی رُخصتوں سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک جمہور فقہائے کرام کی رائے زیادہ مضبوط اور وزنی ہے۔ سفر کے دوران ظہر کی چار کے بجائے دو رکعت، عصر کی چار کے بجائے دو رکعت اور عشاء کی چار کے بجائے دو رکعت پڑھنا ضروری ہیں۔

سفر کی رُخصت لازم ہے

سوال: کیا سفر کی یہ رُخصت لازم ہے یا پوری نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب: جمہور فقہائے اُمت کے نزدیک رخصت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام ہے اور اس سے فائدہ نہ اُٹھانا انتہائی ناشکری ہے۔ اس لئے رُخصت یعنی قصر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ بعض فقہا کے نزدیک رُخصت بس رُخصت ہے۔ لہٰذا یہ کوئی لازمی نہیں۔

Marfat.com

رُخصت یعنی قصر پڑھنا اچھا ہے۔ تاہم اگر کسی سفر میں کوئی مشکل ہی نہ ہو اور گھر جیسا آرام ہو تو پھر رُخصت سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہیے۔ ہمارے نزدیک جمہور اُمت کا مؤقف زیادہ وزنی ہے۔

جمع بین الصلاتین

سوال: کیا حالت سفر میں جمع بین الصلاتین کی اجازت ہے؟

جواب: جمہور فقہائے اُمت کے نزدیک حج کے ایام میں مناسک حج مکۃ المکرّمہ میں ادا کرتے ہوئے جمع بین الصلاتین پڑھی جاتی ہے۔ ظہر و عصر کی دو دو رکعتیں ایک ہی وقت میں اکٹھی پڑھی جاتی ہیں۔ مغرب و عشاء کو بھی ایک وقت میں پڑھا جاتا ہے۔

بعض فقہا نے عام حالاتِ سفر میں بھی اس بات کی اجازت دی ہے کہ ظہر و عصر کی دو دو رکعتیں ایک ہی وقت میں پڑھی جا سکتی ہیں۔ تاہم اِس کے بارے میں بھی دو آراء ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اگر اِن نمازوں کو اکٹھا پڑھنا مقصود ہو تو یہ عین اُس وقت پڑھی جائیں جب ظہر و عصر کا یا مغرب و عشاء کا درمیانی وقت ہو۔ جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ اِس طرح تو مسافر کو مزید پریشانی لاحق ہو جائے گی۔ اِس کو سفر کی حالت میں یہ دیکھنا پڑے گا کہ اِن کا عین درمیانی وقت کون سا ہے اور اُس لمحے اُسے لازماً رُکنا پڑے گا۔ اِس لئے اصل رُخصت یہ ہے کہ ظہر کے پہلے وقت سے لے کر عصر کے آخری وقت تک دونوں نمازوں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ایک ہی وقت میں پڑھا جا سکتا ہے۔

ہوائی جہاز میں نماز

سوال: ہوائی جہاز میں نمازوں کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: اگر سفر تھوڑی مسافت کا ہو تو کسی بھی ایئرپورٹ پر اُتر کر نماز پڑھ لی جائے۔ اگر سفر لمبا ہو۔ یعنی بین البراعظم ہو تو پہلے سے حالات کے مطابق نمازوں کا ٹائم ٹیبل بنالیا

Marfat.com

جائے۔ آج کل بہت سے جہازوں میں نماز پڑھنے اور سمت قبلہ معلوم کرنے کی سہولت موجود ہے۔ اگر یہ سہولت موجود نہ ہو تو کوئی اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔

قُطبین کے قریب مقامات میں نمازیں

سوال: قطبین کے قریب مقامات میں جہاں دن اور رات چھ چھ مہینوں پر محیط ہوتے ہیں وہاں نمازیں کیسے ادا کی جائیں؟

جواب: جہاں دن رات کا اُلٹ پھیر چوبیس گھنٹے میں ہوتا ہو۔ وہاں اپنے اوقات ہی میں نمازیں ادا کی جائیں گی اور جہاں دن رات چوبیس گھنٹوں سے لمبے ہوں وہاں لوگ چوبیس گھنٹوں کے مطابق اپنے باقی معمولات کا ٹائم ٹیبل جس طریقے سے بناتے ہیں۔ اسی طریقے سے وہاں کے سب مسلمان اہل علم مل کر نمازوں کے اوقات متعین کریں۔ یا بصورتِ دیگر قریبی ممالک کے ٹائم ٹیبل کے مطابق نمازوں کی ادائیگی کریں۔

نماز کے دوران شلوار کا ٹخنوں سے اُوپر کرنا

سوال: کیا نماز کے دوران شلوار ٹخنوں سے اُوپر کرنا ضروری ہے؟

جواب: اس بارے میں دو آراء ہیں۔ بعض کے نزدیک شلوار ٹخنوں سے اُوپر ہونی چاہیے اس لیے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے جبکہ اکثر فقہائے امت کے نزدیک اس سلسلے کی تمام روایات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اصل ممانعت تکبر اور غرور کا لباس پہننے کی ہے۔ عہد رسالت میں متکبر لوگوں کا یہ انداز تھا کہ ان کی لنگی زمین پر گھسیٹتی رہتی تھی۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے غرور و تکبر کی دیگر علامات پر پابندی کے ساتھ ساتھ غرور و تکبر کے اس لباس پر پابندی لگائی۔ تاہم آجکل شلوار کے پائنچوں کے ساتھ تکبر و غرور کا کوئی تصور وابستہ نہیں ہے۔ اس لیے ٹخنوں سے اوپر شلوار کرنا ضروری نہیں۔ لیکن پھر بھی ایسے

Marfat.com

لباس پر پابندی ہونی چاہیے جس میں تکبر وغرور یا بے حیائی پائی جاتی ہو۔ مثلاً کھلے بٹن، کھلے بازو، انتہائی چُست لباس، لباس کے اُوپر اسلحہ کی نمائش وغیرہ وغیرہ۔

ننگے سر نماز پڑھنا

سوال: ننگے سر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: فقہائے کرام نے نماز میں سر کو ڈھانپنا ادب قرار دیا ہے۔ اگر ننگے سر پڑھنا تواضع وانکساری کے باعث ہو تو جائز ہے۔ نماز میں ٹوپی پہننے یا نہ پہننے پر شرعاً کوئی پابندی لازمی نہیں۔ اگر ٹوپی کسی سوسائٹی کے لباس کا لازمی جُزو ہو تو وہاں ٹوپی پہننا بہتر ہے اور اگر کسی معاشرے میں اس کا رواج نہیں تو وہاں ننگے سر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم سر کو ڈھانپ کر رکھنا شُرفاء کی علامت ہے۔ اس کا اہتمام اچھا ہے۔ خواہ مخواہ اُلجھنا اچھا نہیں ہے۔

جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال: کیا جوتوں کے ساتھ نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب: اگر جوتوں کے ساتھ ظاہری نجاست یعنی گندگی نہ لگی ہو تو ان کے ساتھ نماز ادا کی جا سکتی ہے تاہم آج کل کیونکہ مساجد اور نمازیں ادا کرنے والی جگہوں پر صفائی کی وجہ سے جوتے اُتارنے کا باقاعدہ معمول ہے۔ اور جوتے اُتارنا عام ادب کا طریقہ بن چکا ہے اس لیے جوتے اُتار کر پڑھنا چاہیے۔ ہاں اگر کسی کُھلے میدان میں نماز پڑھی جا رہی ہو تو جوتے پہن کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ معمول بنانا بھی اچھا نہیں ہے اور خاص حالات یعنی سفر کے دوران کوئی جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ اور اذانِ ثانی

سوال: کیا اذان ثانی حضرت عثمان غنیؓ نے شروع کرائی تھی؟

Marfat.com

جواب: حضرت عثمان غنیؓ نے کوئی اذان ثانی شروع نہیں کروائی تھی۔ یہ ایک عام سی بات ہے کہ اگر امام کی آواز دور دور تک نہیں پہنچ سکتی تو جماعت کے درمیان میں کچھ لوگ مکبرین کی صورت میں امام کی آواز کے ساتھ تکبیر کہتے ہیں تاکہ باقی نمازیوں کو ادائیگی نماز میں آسانی ہو۔ چونکہ آپؓ کے عہد خلافت میں مدینہ منورہ کی آبادی خاصی بڑھ گئی تھی اور مسجد کی اذان سب تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس لیے آپؓ نے یہی خطبے والی اذان مکبرین کے اصول پر مدینہ منورہ کی دور دراز جگہوں میں دینے کا اہتمام کیا۔ تاکہ مسجد کے ساتھ ساتھ باہر کے لوگوں کو بھی پتہ چلے کہ خطبہ جمعہ شروع ہوا چاہتا ہے۔ جمعہ کی اذان ثانی کا باقاعدہ اہتمام کی طرح ایسے پڑی۔ اور اس کی ضرورت بھی تھی۔ اسے بدعت کہنا درست نہیں ہے۔

حالتِ سفر میں مسنون نوافل

سوال: کیا حالتِ سفر میں مسنون نوافل پڑھنا ضروری ہیں؟

جواب: نوافل اگر عام حالات میں چھوٹ جائیں تو شرعاً کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ البتہ نفل عبادت کے اجر سے محرومی ضرور ہو جاتی ہے۔ لیکن سفر میں فرض نمازوں میں بھی رُخصت یعنی قصر کا حکم کیا گیا ہے۔ اس لئے اِن مسنون نوافل کی پابندی لازمی نہیں ہے۔ اگر کوئی پڑھنا چاہے تو پڑھ کر اجر پا سکتا ہے۔

دعائے قنوت

سوال: دعائے قنوت کیا ہے؟

جواب: فقہائے احناف کے نزدیک وتروں کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے۔ اس کے لئے ہاتھ ناف پر باندھے بھی جا سکتے ہیں اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر یا

Marfat.com

چھوڑ کر بھی یہ دُعا مانگی جا سکتی ہے۔ جمہور فقہا کے نزدیک مفتی بہ قول یہی ہے کہ تیسری رکعت میں رفع یدین کر کے ہاتھ ناف پر باندھ کر پڑھی جائے۔

نماز کے بعد اجتماعی ذکر

سوال: نماز کے بعد اجتماعی ذکر کرنا کیسا ہے؟

جواب: نماز کے بعد اجتماعی ذکر کرنے کا حکم حضور نبی کریم ﷺ نے نہیں فرمایا۔ اس لئے اسے لازمی نہیں سمجھنا چاہیے۔ البتہ جو دعائیں جس طرح سے آپ ﷺ پڑھتے تھے اِن کو ضرور پڑھنا چاہیے۔ اِن دعاؤں کو دلیل بنا کر پوری مسجد میں ذکر کی دھوم مچا دینا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ بعد میں نماز پڑھنے والوں کے لئے پریشانی ہوتی ہے۔ لہٰذا دھیمی آواز میں کلمہ طیبہ یا دیگر ادعیہ کلمات کو پڑھنا اچھا ہے۔

خواتین کا مسجد میں نماز پڑھنا

سوال: کیا خواتین مسجد میں نمازیں ادا کر سکتی ہیں؟

جواب: خواتین شرعاً تمام نمازوں کے لئے مسجد میں جا سکتی ہیں اور شوہر کو شرعاً یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اِن کو مسجد میں جانے سے منع کریں۔ تاہم خواتین کے لئے مسجد کے بجائے اپنے گھر میں تنہا نماز پڑھنا زیادہ پسندیدہ ہے۔ آج کل کے دور میں یہ صورت حال کہ خواتین مسجد میں جا ہی نہیں سکتیں بالکل غلط ہے۔ اِس تصور کی اصلاح ضروری ہے۔ مردوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایسا معقول انتظام کریں کہ خواتین مسجد میں نماز ادا کر سکیں۔ جمعہ و عیدین کی نمازوں کے لئے خواتین کی شمولیت پسندیدہ ہے۔ تاکہ وہ بھی شرعی معلومات حاصل کر سکیں نماز باجماعت میں خواتین مردوں کے پیچھے ایک طرف علیحدہ صفیں بنا کر نماز ادا کر سکتی ہیں۔

Marfat.com

حالتِ صفر میں تیمّم

سوال: حالتِ سفر میں تیمّم کیا جا سکتا ہے؟

جواب: اس بارے میں دو آراء ہیں۔ جمہور فقہائے اُمت کے نزدیک اگر سفر کے دوران میں پانی دستیاب نہ ہو تو تیمّم کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ دوسرے فقہا کے نزدیک سفر میں اِس رُخصت کا باعث سفر کی مشکلات ہیں۔ بعض اوقات اِنسان نے ایسے کپڑے پہنے ہوتے ہیں جن کا اُتارنا اُس کے لیے باعثِ تکلیف ہوتا ہے۔ اس کے پاس وقت کی تنگی بھی ہوتی ہے۔ اس لئے سفر میں تیمّم کیا جا سکتا ہے۔

نمازی کے سامنے سترہ

سوال: نمازی کے سامنے سے گذرنے میں سُترہ بنانے کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: جس جگہ تک نمازی سجدہ کرتا ہے اِتنی جگہ میں کوئی اور نہ گذرے تاکہ اِس کی نماز میں کوئی خلل نہ ہو۔ دوسرے لوگوں کو بتانے اور دکھانے کے لئے نمازی اگر اپنے سجدہ کے مقام سے آگے کوئی نشان نصب کرے تو اِسے سترہ کہا جاتا ہے۔ تاہم صف یا جائے نماز میں بھی سجدہ تک کی جگہ کا تعین کرنا یہ بھی سترہ کے قائم مقام ہے۔ اگر کسی نمازی نے اپنے آگے کوئی نشان نہ لگایا ہو تو اُس کے سجدہ کرنے کی جگہ اندازے سے فرض کر کے اُسے چھوڑ کر سامنے سے گذرا جا سکتا ہے۔

تیمّم کی حیثیت

سوال: تیمّم کب اور کیسے کیا جاتا ہے؟

جواب: جب اِنسان کو پانی نہ ملے یا حالتِ سفر میں ہو تو وضو کے بجائے تیمّم کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

اس کا طریقہ یہ ہے کہ پاک مٹی یا کسی بھی غبار آلود چیز پر ہاتھ مار کر چہرے پر پھیر لیں۔ پھر ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کی کہنیوں تک پھیر لیں۔ تیمم طہارت حاصل کرنے کا ایک علامتی اظہار ہے۔

بدعمل امام کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال: کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے جس کے اندر بدعملی ہو؟

جواب: نماز کے ہونے یا نہ ہونے کا تعلق امام سے نہیں بلکہ خود اپنی نیت سے ہے۔ دیکھئے اگر ایک امام دل سے پکا کافر یا منافق ہے مگر بظاہر مسلمان ہے اور عام لوگ اُس کا مسلمان ہونا ہی جانتے ہیں تو اُس کے پیچھے کسی مقتدی کی نماز فاسد و باطل نہیں ہوتی۔ ہر مسلمان شخص کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے۔ تاہم امام مقرر کرتے وقت اُس کے بارے میں اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیں کہ وہ باعمل مسلمان ہے یا نہیں۔

Marfat.com

☆ اہل اِسلام کے علمی سرمائے کو خاص سلیقے سے پیش کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔

☆ زندگی کو آگے بڑھانے والا لٹریچر منضبط کرنا روحِ عصر کا تقاضا ہے۔

☆ ماضی کے ساتھ وابستہ رہتے ہوئے حال کے علمی سرمائے سے بھی اِستفادہ کرنا اور مستقبل کے نصب العین کو پیشِ نظر رکھنا تخلیقی علم کا تقاضا ہے۔

☆ یہ ادّعا کہ ہماری ہر رائے حرفِ آخر ہے علم کے منافی ہے۔

☆ اساسی اقدار کے سوا کوئی چیز بھی ارتقائی تغیر سے خالی نہیں نہ زندگی اور نہ اُس کے مسائل۔

☆ ثبات صرف بنیادی اقدارِ حیات کو حاصل ہے اور یہ صرف دین کی شان ہے۔

☆ قابلِ تحقیق صرف چند فقہی مسائل ہی نہیں بلکہ فقہ، تاریخ، روایات، ادب، لغت، فلسفہ، فلکیات اور طب غرض تمام طرح کے علوم وفنون میں ارتقاء پذیری کے باعث تحقیق ضروری ہے۔

☆ تمام علوم وفنون کی تحقیق نو اور تدوینِ جدید اور تغیر وتبدل کی گنجائش ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

☆ تحقیق کا دروازہ کھلا ہے اِسے بند ہی کرے گا جو اپنی فطرت میں خود جامد ہو۔

☆ یہ کہنا کہ فلاں علم وفن نا قابلِ تحقیق ہے عجیب بات ہے۔

☆ جمود کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زمانہ کسی کی پرواہ کئے بغیر آگے نکل جاتا ہے اور پیچھے رہ جانے والے پستے رہ جاتے ہیں۔

☆ زمانہ خود ارتقاء پذیر ہے اِس لئے ہر دور میں مسائل زندگی نئی تشکیل کا تقاضا کرتے رہیں گے۔

☆ اِسلامی قانون میں خدا نے اِتنی خوش گوار اور ابدی لچک رکھی ہے کہ کسی دور کے تقاضوں کو پورا کرنے سے یہ عاجز نہیں۔

Marfat.com

رویت ہلال کی شرعی حیثیت

سوال: رویت ہلال اور مطالع کے اختلاف کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ کوئی ایسا بنیادی اُصولی اختلاف کا مسئلہ نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کیا جائے۔ رویت ہلال کا مسئلہ رویت سے یا شہادت سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس میں مسلمانوں کی اجتماعیت کی واضح رعایت موجود ہے۔ اختلاف مطالع کے باوجود مسلمان ایک مخصوص فاصلے تک ایک رویت کی پابندی کر سکتے ہیں۔ اِس کے ساتھ یہ حقیقت بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ یہ خواہش بھی شرعی لحاظ سے کوئی درجہ اِستشہاد نہیں رکھتی کہ تمام دنیا بھر کے مسلمان ایک ہی روز عید منائیں۔ جس طرح دنیا بھر میں نمازوں کا وقت ایک نہیں ہوسکتا۔ سورج کے طلوع وغروب کے اوقات مختلف ہونے کی وجہ سے ہر علاقے کے لوگوں کے اوقات قدرے مختلف ہوتے ہیں، اِسی طرح چاند کے طلوع وغروب میں واقعاتی فرق کی بناء پر رمضان، عید الفطر اور عید الاضحیٰ وغیرہ میں بھی فرق لابدی امر ہے۔ علم الافلاک کے ماہرین کا یہ نظریہ ہے کہ قمر بھی دوسرے سیاروں کی طرح آسمان میں گردش کرتا ہے اور قرآنِ حکیم میں واضح طور پر موجود ہے کہ "کل فی فلک یسبحون" کہ سورج چاند وغیرہ آسمان میں تیر رہے ہیں۔

چاند کا چکر ایک مہینہ میں پورا ہوتا ہے اور سال میں بارہ چکر ہوتے ہیں۔ چاند کا چھوٹا بڑا، باریک موٹا اور بتدریج گھٹتے بڑھتے رہنے کے بارے میں صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ چاند کا چھوٹا بڑا ہونا اوقات معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔ سورج اور چاند کے طلوع کا محل آسمان ہے جو گول ہے۔ نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں: یعنی "زمین جسم ہے جو گیند کی طرح گول ہے۔ یہ بھی کہا ہے وہ گیند کی شکل نہیں اور وہ اپنے تمام پہاڑوں، سمندروں، آباد اور خراب زمینوں سمیت

Marfat.com

ہوا میں ٹھہری ہوئی ہے اور اِس کی تمام جہتوں کی طرف سے ہوا اِس کو محیط ہے، جیسے انڈہ میں زردی ہوتی ہے اور آسمان سے اِس کی تمام جہتیں یکساں دوری پر ہیں اِس حالت میں سورج اور چاند کی روشنی بیک وقت زمین کو منور نہیں کر سکتی بلکہ زمین کا جو قطعہ سورج اور چاند کے سامنے ہوگا وہ پہلے روشن ہوگا اِس لئے یہ حقیقت ہے کہ سورج اور چاند کے مطالع میں اختلاف فطری اور طبعی ہے۔

مہینے کے دن

قمری مہینے تیس (۳۰) دن کے ہوتے ہیں اور اُنتیس (۲۹) کے بھی، لیکن زیادہ اُنتیس دن کے ہوتے ہیں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں: الشھر یکون تسعة و عشرین ویکون ثلاثین۔

''مہینہ اُنتیس دن کا بھی ہوتا ہے اور تیس دن کا بھی''

حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے بعض حفاظِ حدیث سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نو برس روزے رکھے ہیں، اِن میں دو رمضان تیس تیس دن کے تھے امام نوویؒ بیان کرتے ہیں کہ پے در پے دو، تین چار حد چار مہینے اُنتیس دن کے ہوتے ہیں۔ مسلسل چار سے زیادہ مہینے اُنتیس دن کے نہیں ہوتے۔ قمری مہینے کا آغاز اور اِس کے انتہاء رُویت ہلال پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قمری مہینے طبعی اور فطرتی ہیں، مہینہ کا اُنتیس یا تیس دن کا ہونا، یہ اختلاف بھی طبعی ہے۔

ایک علاقہ کی رویت دوسرے علاقہ کے لئے

سوال: کیا ایک علاقہ کی رویت دوسرے علاقہ کے لوگوں کے لئے معتبر ہے یا نہیں؟

Marfat.com

جواب: رویت ہلال کے بارے میں جتنے پیش آمدہ مسائل ہیں۔ اِن میں یہی مسئلہ ہی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ ایک علاقہ یا ایک ملک کی رویت دوسرے علاقے یا ملک کے لئے معتبر ہے یا نہیں؟ اِس بات پر تو تمام اہل علم کا اِتفاق ہے کہ ملک ایک ہو اور اِس کے کسی ایک شہر میں دیکھا ہوا چاند تمام ملک کے لئے کافی ہے۔ البتہ ایک ملک کی رویت دوسرے ملک کے لئے قابل قبول ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ شہروں کے درمیان اِتنی مسافت ہو جس قدر مدینہ اور شام کے درمیان ہے تو اِن میں سے ایک شہر کے لئے کافی نہیں۔ اگر اِس سے کم مسافت ہو تو ایسے شہروں میں ایک شہر کی رویت دوسرے شہروں کے لئے کافی ہے۔

بُعد کی تعریف

سوال: بُعد کی کیا تعریف ہے؟ اِس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: بُعد کی تعریف کے بارے میں ائمہ وفقہا کے کئی اقوال ہیں۔ بعض فقہا نے مطالع کے اختلاف کو بُعد کی بنیاد قرار دیا ہے یعنی جن بلاد کے مطالع میں اختلاف ہے وہ ایک دوسرے سے دور شمار ہوں گے۔ بعض کے نزدیک مسافتِ قصر تک جتنے بلاد ہیں وہ ایک دوسرے کے قریب ہیں اور جو اِس حدِ مسافت سے باہر ہیں، اِن پر بُعد کا اطلاق ہوتا ہے، یعنی وہ ایک دوسرے سے دور شمار ہوں گے۔ میرے نزدیک ایک اہل بلد کی رویت دوسرے کے لئے معتبر ہے اور اُن پر روزہ لازم ہو جاتا ہے جب کہ ہر دو بلاد کا مطلع ایک ہو یا اِتنا فرق ہو کہ اگر ایک بلد میں اِتنا فرق ہو کہ اگر ایک بلد میں چاند طلوع ہوا ہے تو دوسرے بلد میں بھی اُس کا طلوع ممکن ہو۔ اگر ہر دو بلد کے مطالع میں اِتنا فرق ہے کہ جب دونوں میں سے ایک بلد میں چاند طلوع ہو اور دوسرے میں طلوع نہ ہو بلکہ اُس فرق سے تاریخ بدل جائے تو ایسے ہر دو بلاد میں ایک بلد میں دیکھا ہوا چاند دوسرے بلد کے

Marfat.com

لئے قطعاً کافی نہیں ہوگا۔ روزہ اور عید ادا کرنے میں وہ ایک دوسرے کے پابند نہیں ہونگے۔

سعودی عرب کے مطابق روزہ اور عید ادا کرنا

سوال: کہا جاتا ہے کہ سعودی عرب تمام اسلامی ممالک کے لئے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ تمام اسلامی ملکوں میں روزہ اور عید ادا کرنا چاہیے۔ اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ نظریہ اختلافِ مطالع جہاں معتبر ہے اُن ممالک کے لئے درست نہیں ہے۔ یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک کا مرکز سعودی عرب ہے لیکن احکامِ اسلامی کی تنقید کے لئے یہ نظریہٗ قائم کرنا درست نہیں ہے۔ مطالع کا اختلاف ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے یہ نظریہٗ درست نہیں ہے کہ سعودی عرب کے ساتھ دیگر اسلامی ممالک روزہ رکھیں عید اور دیگر مناسک عبادات ادا کریں۔

جغرافیہ اور علم ہیئت

سوال: کیا جغرافیائی لحاظ سے زمین کی حد بندی سے رویت ہلال کا کوئی تعلق ہے؟

جواب: اصلاً جغرافیائی لحاظ سے زمین کی حد بندی سے رویت ہلال کا کوئی تعلق نہیں۔ جس کی بناء پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ ایک ملک کی رویت دوسرے ملک کے لئے یا ایک بلد کی روئیت دوسرے بلاد کے لئے معتبر ہے یا نہیں تاہم یہ حقیقت ہے کہ زمین کا جو حصہ طلوعِ ہلال کے وقت اُس کے سامنے ہوگا، اُس تمام حصہ میں رویت ہلال کا تصور ہوگا۔ اُس علاقہ میں ایک ملک ہو یا زیادہ، ایک بلد ہو زیادہ بلاد ہوں، اِن سب کا مطلع ایک شمار ہوگا۔ ملکوں کے مختلف ہونے یا مسافتِ قصر وغیرہ کی حد بندی کرنا شریعت اور عقل کی رُو

Marfat.com

سے درست نہیں۔ علم ہیئت اور جغرافیہ کے ماہرین نے اپنے تجربہ کی بناء پر کہا ہے کہ: ''غروب آفتاب کے وقت چاند اگر کسی بلد میں آٹھ درجے بلند ہے تو غروبِ آفتاب کے بعد تیس منٹ تک رہے گا تو ایسا چاند مشرقی علاقہ میں پانچ سو ساٹھ میل تک ضرور موجود ہوگا۔'' اِسی طرح اُن کا کہنا ہے کہ جس بلد میں چاند آٹھ درجے بلند ہو، اُس بلد سے جو بلد ستر میل مشرق میں ہے وہ سات درجے پر ہوگا اور جو بلد اِس بلد سے مغرب میں ہے وہاں چاند نو درجے پر ہوگا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب ایک بلد میں چاند نظر آجائے تو اُس کے قریب جتنے بلاد ہیں، اِن میں چاند طلوع ہوسکتا ہے۔ یہ بات علم ہیئت کی متفق علیہ میں سے ہے اور اِس بلد کے مشرق کی جانب پانچ سو ساٹھ میل تک طلوعِ ہلال کا اعتبار ہوگا لیکن مغربی بلاد میں رویت ہلال کا مطلق اعتبار ہوگا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی اِس طرف اشارہ کیا ہے، کہتے ہیں: ''مشرق میں چاند نظر آجائے تو مغرب میں اِس کا طلوع ضروری ہے لیکن مغرب میں دیکھنے سے مشرق میں دیکھا جانا ضروری نہیں۔

چھ ماہ یا کم و بیش مدت کے دن

سوال: وہ ممالک جہاں چھ ماہ یا کم و بیش مدت کے دن ہیں وہاں کے رہنے والے نماز، روزہ کیسے رکھیں؟ اِن کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض ایسے علاقے ہیں وہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے، بلکہ بعض ایسے علاقے بھی ہیں جہاں غروبِ آفتاب کے تھوڑی دیر بعد فجر طلوع ہوجاتی ہے۔ ایسی صورت میں جو اِن علاقوں کے ہمسایہ ملک یا علاقے ہیں ان کے اوقات کے مطابق اندازہ کر کے نماز ادا کی جائے اور روزے رکھے جائیں۔

Marfat.com

مہینے کے دن

سوال: عموماً مہینے کے دن کتنے ہوتے ہیں؟ قمری مہینوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: قمری مہینے تیس (۳۰) دن کے بھی ہوتے ہیں اور اُنتیس (۲۹) دن کے بھی، لیکن زیادہ انتیس (۲۹) دن کے ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی معیت میں جتنے ماہ روزے رکھے ہیں، اِن میں اکثر دنوں کی گنتی تیس (۳۰) دن کے مقابلہ میں انتیس (۲۹) دن کی تھی۔ قمری مہینے کا آغاز اور اِس کی انتہاء رویت پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قمری مہینے طبعی اور فطری ہیں۔ مہینہ کا انتیس دن کا بھی ہونا اور تیس دن کا بھی ہونا، یہ اختلاف بھی طبعی ہے۔ چاند بذاتِ خود تاریخ اور مہینہ کے لئے حسی علامت ہے۔ ہر واقف اور ناواقف چاند دیکھ کر تاریخ اور مہینہ کی اِبتداء اور انتہاء کا اندازہ آسانی کے ساتھ لگا سکتا ہے۔ چنانچہ تقویم تاریخی کے مصنفین میں سے بعض نے لکھا ہے۔ ''قمری سال حقیقی ہے، یعنی چاند کے بارہ مرتبہ عروج وزوال کو ایک سال شمار کیا جاتا ہے، اس میں موسم کا کوئی لحاظ نہیں۔ کبھی یہ سال سردیوں سے شروع ہوتا ہے اور کبھی گرمیوں میں، کبھی بہار میں اور کبھی خزاں میں۔ چاند زمین کے گرد چکر لگاتا ہے۔ وہ دائرہ جس پر چاند زمین کے گرد چکر لگاتا ہے۔ بالکل گول نہیں ہے۔ اِس لئے چاند کبھی زمین سے قریب تر ہوتا ہے اور کبھی بعید تر اِسی طرح چاند کی رفتار ہر جگہ برابر نہیں ہوتی۔ کبھی تیز ہوتی ہے کبھی ست۔ اِس لئے زمین کے گرد چاند کا چکر کبھی تیس دن میں مکمل ہوتا ہے اور کبھی اُنتیس (۲۹) دن میں۔ اِسی طرح چاند کے مہینے اُنتیس (۲۹) دن کے ہوتے ہیں اور کبھی تیس دن کے۔ زمین کے گرد چاند کے بارہ چکروں کی مجموعی مدت قریباً تین سو چون دن ہوتی ہے۔ اس لئے ہر قمری سال اِتنی ہی مدت کا ہوتا ہے۔ اِس میں کسی حسابی کے زحمت اُٹھانے کی ضرورت نہیں۔ کسی ایک مقام پر تیرھویں

Marfat.com

بار چاند یا اس سے کم مدت میں نظر آ ہی نہیں سکتا۔ یہ تو ممکن ہے کہ مطلع غبار آلود ہو یا بادل چھائے ہوں تو چاند وقت پر نظر نہ آئے لیکن یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اِس سے کم مدت میں چاند نظر آ جائے۔'' (تقویم تاریخی مرتبہ ہاشمی)

علمِ فلکیات اور عینی شہادت

سوال: کیا فلکی حساب پر اعتماد کر کے اعلان کیا جا سکتا ہے کہ فلاں دن سے مہینہ شروع ہوگا؟ اکثر علماء یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو اِس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: آج سے چودہ سو سال پہلے سادہ ترین تمدن رکھنے والی اُمت کو اِس سے زیادہ اور کیا بتایا جا سکتا تھا؟ حضور نبی کریم ﷺ اِس کے لئے بجز رُویت کے اور کیا طریقہ تجویز فرماتے؟ اُس دور میں وہاں فلکی تقویم کے وہ اکتشافات موجود نہ تھے جو علوم جدیدہ کی پیداوار ہیں۔ اُس وقت رویت کا بدل صرف عینی شہادتیں ہوسکتی تھیں۔ جو قرب و جوار سے حاصل کر کے مسافتِ قریبہ تک پیدل یا سوار آسانی سے چند گھنٹوں میں پہنچ جاتی تھیں۔ اب حالات یکسر بدل چکے ہیں۔ ذرائع نقل و حمل اور رسل و رسائل کا یہ حال ہے کہ ہزاروں میل سے چوتھائی سیکنڈ میں خبریں آجاتی ہیں۔ زمین کی مسافت اِتنی سکڑ گئی ہے کہ مہینوں کا راستہ گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ فلکی علوم اور تقویمات کا یہ عالم ہے کہ اب پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ معلوم ہے کہ:

(۱) ۲۹ دن، ۱۲ گھنٹے، ۴۴ منٹ اور ۷ اعشاریہ ۸، ۷ سیکنڈ میں چاند اپنی گردش پوری کر لیتا ہے۔

(۲) ۳۶۵ دن، ۶ گھنٹے ۶ منٹ اور ۹ اعشاریہ ۵ سیکنڈ میں زمین اپنی مداری گردش پوری کر لیتی ہے۔ اور آج پورے وثوق کے ساتھ مہینوں پہلے یہ پیشینگوئی کر دی

Marfat.com

جاتی ہے کہ:

(۳) اِتنے بج کر اِتنے منٹ اور اِتنے سیکنڈ پر فلاں جگہ چاند گرہن یا سورج گرہن لگنا شروع ہوگا۔

(۴) اور چاند یا سورج کے اِتنے حصے پر گرہن لگے گا اور پھر کم ہونا شروع ہوگا۔

(۵) اور اِتنی دیر تک فلاں جگہ اور اِتنی مدت تک فلاں جگہ گہن قائم رہے گا۔

اس ترقی یافتہ دور میں یہ سمجھنا کہ طلوع ہلال کی صحیح تاریخ و وقت معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ عجیب قسم کی بچگانہ بات ہے۔ علامہ صُبحی محمصانی نے نہایت عمدہ لکھا ہے:

''لکھتے ہیں کہ معلول اپنی علت کے ساتھ موجود و معدوم ہوتا ہے۔ اِسی قاعدہ کی بنیاد پر بعض فقہا نے فلکی حساب سے اِسلامی مہینوں خصوصاً رمضان کے ہلال کی تعیین کو جائز قرار دیا ہے اور اِس کی تشریح یوں کی ہے کہ وہ حدیث جس میں روزے کے متعلق صرف رویت ہلال پر اعتماد کرنے کا حکم ہے ایک مخصوص علت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مخاطب اُمت امی واقع ہوئی تھی جو لکھنا اور حساب کتاب کرنا نہیں جانتی تھی۔ لہٰذا جب یہ اُمت اُمیت سے نکل کر لکھنے پڑھنے اور حساب و کتاب کے لائق ہوگئی اور لوگوں کے لئے ہلال کے حساب میں یقین اور قطعیت تک پہنچنے کا امکان و سامان پیدا ہو گیا تو اِس عمومی صورت حال کے ہوتے ہوئے اور اُمیت کی علت ختم ہونے کے بعد اب یہی ضروری ہے کہ لوگ اِس حسابی قطعیت و یقین کی طرف رجوع کریں اور ہلال کو معلوم کرنے کے لئے تنہا فلکی حساب و کتاب کا طریقہ اختیار کریں اور رُویت کے سابق طریقے کی طرف وہیں رجوع کریں جہاں فلکیات کا جاننا دشوار ہو۔''

علامہ محمصانی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ:

(۱) معلول ہمیشہ اپنی علت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔

Marfat.com

(۲) ہلال دیکھ کر صوم وافطار کا حکم اِس اُمت کے لئے ہے جو اُمی ہو اور علمِ فلکیات سے واقف نہ ہو۔ نہ خبریں پہنچائی جا سکتی ہوں نہ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبار کی سہولت موجود ہو۔ اب بھی ایسے مقامات میں رُویت ہی پر دارومدار ہوگا۔

(۳) لیکن جہاں یہ مجبوریاں نہ ہوں وہاں بلا تامل فلکی علم کے مطابق تعیین چاند کی جا سکتی ہے۔

دیکھئے آج پوری اِنسانیت اور مسلمانانِ عالم حساب و کتاب ہی پر اکتفا کر رہے ہیں اور علمِ فلکیات معتبر گردانا جا رہا ہے۔ مثلاً:

(۱) آج کوئی شخص سحری کے وقت اُٹھ کر سیاہ اور سفید دھاری کے امتیاز کو نہیں دیکھتا۔ فلکی حساب کے مطابق سائرن بجتا ہے اور لوگ اِس پر اعتماد کرتے ہیں۔

(۲) افطار کے وقت بھی غروبِ آفتاب کی رؤیت کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اور فلکی ریاضیات ہی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

(۳) اب ایک نمازی بھی سایہ ناپ کر یا اپنی آنکھوں سے شفق وغیرہ کو دیکھ کر نمازیں نہیں پڑھتا بلکہ فلکی حساب کے مطابق جو اوقات نامے مسجدوں میں آویزاں ہوتے ہیں اِن ہی پر اعتماد کر کے نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔

غرض اگر ہلالِ رمضان وعیدین میں بھی فلکیات پر اعتماد کر لیا جائے تو کوئی حرج والی بات نہیں ہے۔ ماہر فلکیات بہت پہلے یہ ٹھیک طور پر بتلا دیتا ہے کہ کسی مہینے کی پہلی تاریخ کب ہوگی؟ ثبوتِ ہلال کے بارے میں شریعت اور علمِ افلاک کے درمیان کوئی تناقض نہیں ہے۔ درست ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مہینے کی بنیاد ظاہر پر رکھی ہے اور دقیق ریاضی کا پابند نہیں بنایا۔ لہٰذا اب موجودہ دور میں یہ علم بڑا ترقی کر چکا ہے۔ یہ علم سینکڑوں سال پہلے بتا دیتا ہے کہ فلاں دن اِتنے بج کر اِتنے منٹ اور اِتنے سیکنڈ پر

Marfat.com

سورج یا چاند گرہن لگے گا۔ اور یہ بھی بتا دیتا ہے کہ یہ گہن اِتنے حصے پر ہوگا یا پورا ہوگا۔ ماہرین علم فلکیات کے مطابق ہلال رمضان وعیدین کا فیصلہ بہت سی اُلجھنوں کے سدِ باب کا باعث ہوگا۔

Marfat.com

باب نمبر ۷:

اِسلام اور جدید ذہنوں کے شکوک و شبہات

Marfat.com

نوجوانوں کے اِسلام کے متعلق شکوک وشبہات

سوال: نوجوانوں کے ذہنی ونفسیاتی مسائل و پرابلم کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: بجا ہے کہ اکثر مسلم اور غیر مسلم نوجوانوں کی طرف سے یہ سوالات کئے جاتے ہیں۔ اِسلام میں مرد اور عورت میں تفریق کیوں ہے؟ مرد کو اس تفریق کے باعث برتری کیوں حاصل ہے؟ عورت کے لیے پردہ لازمی کیوں ہے؟ اِسلام میں مخلوط تعلیم منع کیوں ہے؟ جہاد کیا ہے؟ فتویٰ کی تعریف کیا ہے؟ شراب اور خنزیر کیوں حرام ہے؟ خودکش حملے جائز ہیں یا ناجائز؟ کئی سوالات ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق دین کی بنیاد سے ہوتا ہے کئی سوالات ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق فقط ثقافت سے ہے اور کئی سوالات غلط فہمی اور کم علمی کے باعث ہوتے ہیں۔ بعض اعتراض واقعی صحیح ہوتے ہیں لیکن اکثر اوقات اعتراض کرنے والے نوجوانوں کا علمی رابطہ ایسے شخص یا اشخاص سے ہوتا ہے، جو صاحب علم نہیں یا پھر دنیا میں واقع ہونے والی تبدیلیوں سے پوری طرح باخبر نہیں ہوتے۔ وہ اِسلام کی تعلیمات کو صحیح طریقے سے پیش کرنے میں کوتاہی کر جاتے ہیں، جس سے غیر مسلم یا مسلم نوجوانوں کے ذہن میں مزید سوالات پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یورپی نوجوان سوال کرنے میں بے باک جرأت مند ہیں۔ وہ حقیقت تک پہنچنا چاہتے ہیں، بشرطیکہ ان کے سوالات واعتراضات کو غیر اہم نہ سمجھا جائے۔

ایک مرتبہ ایک انگریز لڑکی نے مجھ سے سوال کیا: قرآن پاک میں ہر مقام پر مردوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنو (اے ایمان والو)......اٰمنو جمع مذکر کا صیغہ ہے اور قرآن میں کہیں بھی عورتوں سے خطاب نہیں کیا، کیوں؟ میں یہ سوال سن کر کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا کیونکہ یہ سوال میرے لیے بالکل نئی نوعیت کا تھا۔ پھر میں نے اس کا جواب دیا وہ عربی زبان کے قواعد وضوابط اور عرب کے معاشرتی

Marfat.com

حالات پر مشتمل تھا۔ میں نے اسے قرآن پاک سے بے شمار ایسی آیات بھی نکال کر دیں جن میں عورت کا ذکر ہے۔ میں یہ بتاتا چلوں کہ اس انگریز طالبہ نے قرآن پاک کو باترجمہ کئی بار پڑھا اور اس کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ میں نے اس کا نام ''فاطمہ'' رکھا۔

فتویٰ کے متعلق اکثر نوجوانوں کا خیال ہے کہ ''قتل کا حکم جاری کرنا'' فتویٰ کہلاتا ہے۔ پہلی بار لفظ ''فتویٰ'' چند غیر مسلموں کی زبان سے سن کر مجھے بہت حیرانی ہوئی۔ میرے خیال کے مطابق امام خمینی مرحوم نے سلمان رشدی کے قتل کا فتویٰ جاری کیا تھا جس کو یورپ میں خاصی شہرت حاصل ہوئی تھی شاید اسی لیے ان کے نزدیک فتویٰ کی تعریف یہی قرار پائی۔ دوسرے موضوعات کی نسبت ''جہاد'' کے موضوع پہ کئی بار گفتگو کا موقع ملا اور سوال و جواب کی محفل میں تلخ سوالات کا سامنا کرنا پڑا۔ سوال ہمیشہ سائل کی سوچ اور اس کی اندرونی بے چینی کا اظہار ہوتا ہے۔

یورپ و امریکہ کے طلباء و طالبات سے گفتگو کر کے اور سوالات سن کر مجھے بہت حیرانی ہوئی۔ میری وہ باتیں جن سے یورپ میں رہنے والے اور تعلیم حاصل کرنے والے مسلم نوجوان مطمئن ہو جاتے تھے اب وہ انہی باتوں سے بے چین ہو گئے ہیں۔

اِسلام کا تصور جہاد

میں یورپ میں جہاد کے حوالے سے ان نکات کا ذکر کرتا رہا ہوں مثلاً اِسلام کا تصورِ جہاد صرف ''دفاع'' کے لیے ہے۔ غزوات بتاتے ہیں کہ مسلمانوں نے صرف دفاع کیا اور کافروں نے جارحیت کی۔ قرآن پاک نے مسلمانوں کو صرف ان سے لڑنے کا حکم دیا جو لڑائی کریں۔ قرآن پاک ''فساد فی الارض'' سے منع کرتا ہے۔ فساد پھیلانے والے حکمرانوں، قوموں اور بادشاہوں کو ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔ قرآن پاک اہل کتاب سے معاشرتی معاملات اور لین دین کی اجازت دیتا ہے اور اہل کتاب کے ساتھ

Marfat.com

(حلال) کھانے پینے کی اجازت دیتا ہے۔ مکۃ المکرّمہ کے تیرہ سال میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہیں تھی۔ مسلمانوں نے صبر کیا۔ ان پر تشدد کیا گیا، انہیں مارا پیٹا گیا، لیکن کسی نے بھی اسلحہ ہاتھ میں نہ لیا۔ اگر اِسلام جارحیت پسند ہوتا، تشدد پرمبنی ہوتا اور جنگ وجدال کا مذہب ہوتا تو پہلے دن سے مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت دے دی جاتی۔ جہاد ہمیشہ ریاست کی طرف سے ہوتا ہے کوئی شخص انفرادی طور پر اعلان جہاد نہیں کرسکتا۔

عالم اِسلام کے حالات

یورپ اور پاکستان بلکہ عالم اِسلام کے حالات بہت مختلف ہیں۔ آج کثیر مسلمان غیر مسلم حکومتوں کے زیر اثر زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ وہاں روزی کما رہے ہیں۔ یہ لوگ ان تجربات اور حالات سے گزر رہے ہیں جن سے قرون اولیٰ کے مسلم عوام علماء، فقہاء اور سکالرز بھی نہیں گزرے، کیونکہ عہد رسالت ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور سے ہی اِسلام پھیلتا چلا گیا اور مسلمان حکمران بنتے چلے گئے، اس طرح مسلمان محکوم نہیں حاکم تھے۔ محکوم قوموں کے مسائل ومشکلات ہمیشہ حاکم قوموں سے یکسر مختلف ہوتے ہیں۔ آج کے دور کی طرح اگر مسلمان محکوم ہوتے پھر اس دور میں جو نفسیات وجود میں آئی اور علماء وفقہاء کی طرف سے مسائل کا حل پیش ہوتا، اس کی روشنی میں آج کا محکوم مسلمان اپنے مسائل بھی حل کر لیتا ۔ یورپ کے مسلمان ایک عملی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ جذبات سے کام لینے اور سخت رویہ اختیار کرنے کے بجائے، حکمت کے پہلو مدِ نظر رکھتے ہیں۔ وہ صاف ستھری گفتگو اور مضبوط اِستدلال پسند کرتے ہیں، کیونکہ اس طرح وہ غیروں کے اعتراضات سے اپنے مذہب کا دفاع کرسکتے ہیں۔ آج علماء اور سکالرز کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اجتہاد کریں اور اجتہاد کے ذریعے موجودہ مسائل کا حل پیش کریں۔

Marfat.com

پاکستان اور یورپ کے حالات کا تفاوت

پاکستان کے حالات یورپ سے بالکل مختلف ہیں۔ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے، یہاں مسلمان اکثریت میں اور غیر مسلم اقلیت میں ہیں۔ پاکستان کی سرحد ایک طرف ہندوستان سے ملتی ہے اور دوسری طرف افغانستان سے۔ 56 سال گزرنے کے باوجود مسئلہ کشمیر حل نہیں ہو سکا۔ پاکستانی حکومت کے مطابق طالبان حکومت کے خاتمے اور افغانستان پر حملے کے لیے امریکہ کے ساتھ اگر تعاون نہ کیا جاتا تو وہ ہمیں بھی نیست و نابود کر دیتا۔ مذہبی جماعتیں حکومت کے اس رویے اور تعاون کی بھرپور مخالفت کرتی ہیں جب کہ جہادی تنظیموں کا رویہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

''جہاد'' کے موضوع پر کیے جانے والے اکثر سوالات انہی حالات کے پیدا کردہ ہیں جو پاکستان سمیت عالمِ اِسلام کو درپیش ہیں۔ ایک نوجوان نے بتایا کہ ایک عالم قرآن سے ثابت کرتے ہیں کہ خودکش حملہ جائز ہے۔ ایک نوجوان نے سوال کیا کہ جہادی تنظیموں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ ایک سوال یہ بھی ہے کہ امریکہ، عراق اور افغانستان میں، اسرائیل فلسطین میں اور ہندوستان کشمیر میں دہشت گردی کر رہا ہے، کیا اس کے بعد ہم پر جہاد فرض نہیں ہو جاتا، میں کہتا ہوں ''ہم اگر یہود و ہنود کے خلاف جہاد کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں جدید ترین ٹیکنالوجی اور سائنس کی ضرورت ہے سب سے پہلے آیئے! ہم سب مل کر جہالت کا خاتمہ کریں، تعلیم کے حصول اور سائنس و ٹیکنالوجی میں کامیابی کے حصول کے لیے دن رات ایک کر دیں۔ اس دورِ جدید میں ہمارے زوال کا علاج حصولِ تعلیم کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

Marfat.com

اِسلام اور جبر یہ شادی

سوال: کیا اِسلام میں جبر یہ شادی جائز ہے؟ اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب: جبر یہ شادی کو انگلش میں Forced Marriage کہتے ہیں جس میں مجبوری اور دباؤ شامل ہوتا ہے۔ دونوں (لڑکا، لڑکی) یا دونوں میں سے کسی ایک کی رضا شامل نہیں ہوتی۔ جبر یہ شادی فقط وہ کہلاتی ہے جس میں اولاد کو آزادی سے فیصلہ کرنے کا حق نہ ہو اور جبراً ان پر مسلط کر دی جائے۔ Arranged Marriage جبر یہ شادی نہیں ہوتی۔ لڑکا، لڑکی کی چاہت خاندان کی شمولیت اور والدین کی شرکت سے طے پانے والی شادی ''ارینجڈ میرج'' کہلاتی ہے۔

جبر یہ شادی کی وجہ

جن خاندانوں میں Joint Family System کا تصور موجود ہے وہاں والدین اپنی اولاد کی شادی میں اپنی مرضی کو شامل کرتے ہیں تاکہ ہمارے نظام میں کوئی ایسا فرد نہ آنے پائے جس سے اس خاندان کا شیرازہ بکھر جائے۔ اس لئے وہ اپنے بچوں کی شادی رشتہ داروں میں کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اُن کے خیال کے مطابق، غیر خاندان سے تعلق رکھنے والی بہو یا داماد اُس طرح ایڈجسٹ نہیں ہو سکتے جیسے اپنے خاندان کی لڑکی یا لڑکا ایڈجسٹ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے خاندانی تقاضوں کو جانتے ہیں۔ اسی معاشرتی پس منظر کو قائم رکھنے کی فکر میں وہ اپنی اولاد پر جبر کرتے ہیں اور دو زندگیاں برباد کر کے اپنا خاندان ہمیشہ کے لیے منتشر کر دیتے ہیں۔

جبر یہ شادی اور معاشی پس منظر

شادی کو کسی غریب و مفلس خاندان کی سپورٹ کا ذریعہ خیال کیا

Marfat.com

جاتا ہے مثلاً ماں یا باپ کے بہن یا بھائی غریب و مفلس ہے وہ (ماں باپ) اپنے بچوں کی شادی اُن کے بچوں سے کرنا چاہیں گے تاکہ وہ بھی یورپ میں آکر محنت مزدوری کر سکیں اور معاشی طور پر مضبوط خاندان کا فرد بننے سے وہ اپنے خاندان کو سپورٹ کر سکیں۔ بعض اوقات میاں بیوی (بچوں کے ماں باپ) میں بھی علیحدگی کا باعث یہی بات بنتی ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک اپنے بچوں کی شادی اپنے رشتہ داروں میں کرنا چاہتا ہے آخر کار یہ محرک اور اولاد کے انکار پر غم و غصے اور اُن پر جبر کا باعث بنتا ہے۔

جبریہ شادی اور روایتی پس منظر

کئی خاندانوں میں یہ رسم و رواج ہے کہ وہ اپنے بیٹے اور بیٹی کا رشتہ خاندان اور برادری سے باہر نہیں کرتے۔ وہ اسے اپنی روایات کے خلاف تصور کرتے ہیں۔ اگر اولاد غیر خاندان میں شادی کرنا چاہتی ہے تو والدین اِسے اپنی رسم و روایات کے خلاف خیال کرتے ہیں اور اولاد کی زبردستی خاندان میں شادی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایک غلط نظریہ ہے جو معاشرے میں جڑ پکڑ چکا ہے۔ یہ تمام اسباب معاشرت، معیشت اور روایات سے تعلق رکھتے ہیں اِن تمام کا اِسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ مذہب اِسلام کا پیروکار قرآن حکیم کی آیات کا حوالہ دینے کے بجائے روایات کا حوالہ دے تو کتنی عجیب بات ہے۔ رسوم و روایات تو غلط ہو سکتی ہیں لیکن مذہبی اقدار تو غلط نہیں ہو سکتے۔ جبریہ شادی کے ان تمام محرکات میں (سوائے روایتی پس منظر) والدین کی نیت اور خواہش خاندانی نظام کا تحفظ اور اُس کی بقاء ہے۔ والدین کی نیت اور ارادے کے صحیح ہونے کے باوجود بھی جبریہ شادی کو کسی صورت میں بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بعض اوقات، اخلاص کی بنیاد پر ہونے والے فیصلے بھی غلط ہو جاتے ہیں۔ اب زمانہ اور حالات بدل چکے ہیں۔ اب نئی نسل تعلیم یافتہ اور مغربی معاشرے کی پروردہ ہے۔ اس

Marfat.com

نسل کو اپنی بات سمجھانے کے لیے جبر زیادتی اور زور کی بجائے حوصلہ، دانشمندی اور معاملہ فہمی سے کام لینا ہوگا۔

حکمت عملی اور معاملہ فہمی کی ضرورت

اس معاشرے میں حکمت اور معاملہ فہمی کی راہ اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔ ایک طرف حکمت اور دوسری طرف جبر ہے۔ حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی کام بھی جبر سے کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جبر جسم پر ہوتا ہے، لیکن رُوح و جان وہی مانتی ہے جو سچ اور حق ہوتا ہے۔ والدین بالخصوص اس کے پابند ہیں کہ وہ حکمت اور معاملہ فہمی کی راہ اختیار کریں کیونکہ وہ سرپرست اور ذمہ دار ہیں۔ میانہ روی یہ نہیں ہے کہ والدین کہیں تو ہماری پسند کے مطابق شادی کر لے باقی تیری گھر سے مرضی باہر جس سے چاہے دوستی رکھ یا دشمنی ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔

اعتدال پسندی کی ضرورت

معتدل راہ یہ بھی نہیں کہ بیٹا کہے میں آپ کی بات اس شرط پہ مانوں گا کہ مجھے شادی کے بعد باہر کی مصروفیات سے کوئی نہیں روکے گا۔ معتدل راہ تو یہ ہے کہ اولاد اپنی پسند کا اظہار کرے اگر وہ رشتہ مناسب نہیں ہے تو والدین اولاد کو سمجھائے اگر اولاد سمجھ جائے تو ٹھیک ورنہ پھر دو راستے ہیں یا تو والدین بالکل غیر متعلق ہو جائیں یا پھر مستقبل کے نتائج کی ذمہ داری اولاد پر ڈال کر ان کی شادی ان کی خواہش کے مطابق کر دیں اس کے علاوہ کوئی ایسا راستہ نہیں جس سے معاملہ حل ہو جائے۔

اسلام کی عطا کردہ آزادی

اسلام دستورِ حیات بن کر اُس دور میں اترا جب انسان ہمہ قسمی آزادی سے

Marfat.com

محروم تھا۔ انسان اپنے جیسے انسانوں کا غلام تھا۔ عورت ذلت ورسوائی کی زندگی گزار رہی تھی۔ مرد کہیں تو غلام تھا اور کہیں جانور کی طرح کام کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ اُس دورِ تاریک میں اِسلام نے آزادی انسان کی آواز بلند کی۔ انسان کو سوچ وفکر اور گفتار کی آزادی دی۔ اِسلام نے ہر انسان کو بنیادی حقوق دیئے اور جینے کا آزادانہ حق دیا۔

اسلام کا تصورِ نکاح

قرآن حکیم نے ''شادی'' کے لئے جو الفاظ اِستعمال کئے ہیں اگر ان کا مفہوم و معنی واضح ہو جائے تو اِسلام کا تصورِ نکاح خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔

(۱) لفظ ''نکاح'' کا مطلب:

Marriage کے لئے عربی زبان میں ''نکاح'' کا لفظ اِستعمال ہوتا ہے نکاح کا معنی ملانا، جوڑ دینا اور جمع کرنا ہے۔ جس طرح انسان کی آنکھوں میں نیند گھل جاتی ہے اس کے لئے عربی زبان میں **نکح النعاس عینه** (نیند آنکھوں میں گھل مل گئی) کہتے ہیں۔ نکاح کو نکاح اس لئے کہتے ہیں کہ دو افراد آپس میں گھل مل جاتے ہیں، اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ جب آسمان سے بارش برستی ہے تو وہ زمین میں آکر جذب ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے عربی زبان میں **نکح المطر الارض** (بارش زمین میں جذب ہوگئی) کہتے ہیں۔ اسی طرح دو افراد بھی آپس میں جذب ہو جاتے ہیں۔

(۲) لفظ ''عقد'' کا مفہوم:

رشتہ زوجیت میں منسلک ہو جانے کے لئے ''عقد'' کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ عقد کا ایک معنی گرہ ہے۔ جیسے دو ٹکڑوں کو آپس میں ملانے کے لئے گرہ (Tie) لگاتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے شادی کو عقد کیوں کہا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے چونکہ

Marfat.com

دو افراد آپس میں بندھ جاتے ہیں، جڑ جاتے ہیں اس لئے عقد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔عقد کا دوسرا معنی معاہدہ (Contract) ہے۔

اوفوا بالعقود ۵/۱ معاہدوں کو پورا کرو۔

عقود، عقد کی جمع ہے۔

زوج کا مطلب

میاں بیوی کے لئے عربی زبان میں ''زوج'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔زوج اس فرد کو کہتے ہیں جس کا کوئی جوڑ (ساتھی) ہو۔زوج کا معنیٰ بیوی یا شوہر دونوں ہیں۔ شوہر بیوی کا زوج اور بیوی شوہر کی زوج ہے۔دونوں ایک دوسرے کی شخصیت کی تکمیل کرتے ہیں۔اس لئے قرآن نے دونوں کو ایک دوسرے کا لباس فرمایا ہے۔زوج کا بھی ایک مطلب ''گھل مل جانا'' ہے۔

تزوجه النوم (نینداس کی آنکھوں میں گھل مل گئی)۔اب نیند کو آنکھوں سے اور آنکھوں کو نیند سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔یہ ہے میاں بیوی کا تعلق۔

حضور ﷺ نے مرد عورت کے خوبصورت تعلق کو اس طرح بیان فرمایا:

"ان الرجل اذا نظر الی امرأته و نظرت الیه نظر الله تعالیٰ الیهما نظر الرحمة۔''

''جب مرد اپنی عورت کو عورت اپنے مرد کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کی نظر ڈالتا ہے۔''

امریکن مفکر Will Durant کہتا ہے:

The basic reality in life is not politics, nor industry, but human relationships the association of a man with a woman and of parents with a child, about these two face of love, mate-love and mother-love all life revolves.

Marfat.com

ترجمہ: سیاست اور صنعت زندگی میں بنیادی حقیقت نہیں رکھتے، البتہ انسانی تعلقات یعنی مرد اور عورت، والدین اور اولاد کے تعلقات بنیادی حقیقت ہیں۔ انسان کی ساری زندگی انہی دو مرکزوں کے گرد گھومتی ہے جنہیں رفاقت اور مامتا کہا جاتا ہے۔

نکاح کا مقصد صرف Sexual Desire کی تکمیل نہیں بلکہ روحانی، ذہنی ذاتی اور معاشرتی طور پر اِنسان کی تکمیل کا ایک ذریعہ اور سکون واطمینان کا باعث ہوتا ہے۔قرآنِ پاک میں ہے: "محصنین غیر مسافحین" (۴/۲۴) "عصمت کی حفاظت کرتے ہوئے نہ کہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔"

نکاح کا مقصد یہ ہے کہ جب نکاح ہو جائے تو یہ نکاح تمہاری شرافت اور باکرداری کی بنیاد بن جائے۔ نکاح کا مقصد ہے تم اپنی عزت وعصمت (Chastity) کی حفاظت کرو۔ نکاح کا مقصد یہ نہیں کہ تم شہوت رانی کرو، اپنی طاقت (Energy) کو ضائع کرو۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنی Sexual Desire کو پورا کرو۔ اس کے بعد Sex کے حوالے سے کوئی برائی تمہاری زندگی میں نظر نہیں آنی چاہیے۔ نکاح کا مقصد ایک ایسی اولاد کو پیدا کرنا ہے جو معاشرے میں کارکن اور ممبر کی حیثیت سے خدمات سر انجام دے سکے۔ ایک ایسی نسل متعارف کروانا ہے جو واقعی باکردار، بااخلاق اور تعلیم یافتہ ہو۔ ایسی نسل کی تربیت ہی دراصل نکاح کا مقصد ہے۔ انسان کی ازدواجی زندگی کو پُرسکون بنانے کے لیے قرآنِ پاک نے دو باتیں بیان کی ہیں:

(۱) ہم خیال ہونا:

مرد اور عورت کا ذہنی معیار اور سوچ وفکر کا انداز ایک ہو تو دونوں کی زندگی پُرسکون پُر امن اور اطمینان کے ساتھ گزرتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مشرک مرد عورت سے مسلمان مرد عورت کا نکاح حرام قرار دیا کیونکہ ان کا عقیدہ اور نظریہ حیات مختلف ہیں

Marfat.com

مسلمان مرد کی جو ہم آہنگی ایک مومنہ لونڈی سے ہو سکتی ہے وہ مشرکہ آزاد عورت سے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح مسلمان عورت اور مسلمان غلام کے مابین نکاح کے بعد جو ہم آہنگی اور ہم خیالی ہو سکتی ہے وہ مسلمان عورت اور مشرک مرد کے درمیان نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نظریہ شرک سے تعلق رکھنے والوں سے نکاح کرنے سے منع کر دیا۔

(۲) باکردار ہونا:

حقیقت یہی ہے پاکیزہ مرد کا گزارا ایک بدکردار عورت کے ساتھ نہیں ہو سکتا اور جو پاکیزہ عورت ہے اس کا گزارا ایک ناپاک مرد کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے جہنم میں ناپاک افراد کا ملاپ ہوگا اور جنت پاکیزہ لوگوں کی ملاقات کا مقام ہے۔

''ادخلوا الجنة انتم و ازواجکم تحبرون'' (۴۳/۷۰)

''تم اور تمہاری بیویاں عزت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔''

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

عورت سے نکاح چار باتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ (۱) مالداری (۲) حسب (۳) خوبصورتی (۴) دینداری۔ تم دینداری کو ترجیح دو۔

ایک اور حدیث پاک میں فرمایا:

''عورتوں سے نکاح (صرف) اُن کے حسن کی وجہ سے نہ کرو ہو سکتا ہے اُن کا حسن انہیں تباہ کر دے، ان کے مال کی وجہ سے بھی نہ کرو ہو سکتا ہے اُن کا مال انہیں سرکشی میں مبتلا کر دے، ہاں دین کی بنیاد پر نکاح کر لو سیاہ رنگ کی باندی جو دیندار ہو، اللہ کی نگاہ میں گوری خاندانی (جو دیندار نہ ہو) عورت سے بہتر ہے۔

واضح بات ہے وہی مرد دیندار، پاکیزہ اور باحیا عورت کا مستحق ہے جو پہلے خود ان صفات و عادات کا مالک ہے۔ اسلام نے نکاح کا تصور بھرپور معاشرتی اور خانگی

Marfat.com

زندگی کے حوالے سے دیا ہے۔ نکاح کا مقصد شہوت رانی ہے اور نہ ہی اپنی صلاحیت اور وقت کو عیاشی کی نذر کرنا ہے۔ نکاح رفاقت اور دوستی کی خوبصورت تعبیر کا نام ہے۔ اور اس تعبیر کا اتفاق اور ہم آہنگی سے سنبھالے رکھنا ہی دراصل اسلام کے تصورِ نکاح کی تکمیل ہے۔

اسلام جبریہ شادی کے خلاف ہے

جبریہ شادی کا مسئلہ یورپین معاشرے میں بہت زیادہ اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ جب والدین کی طرف سے اولاد پر جبر ہوتا ہے اور بیٹے یا بیٹی کی شادی زبردستی کر دی جاتی ہے تو یہ اعتراض فوراً اسلام پر آجاتا ہے۔ میڈیا میں اسے اس طرح پیش کیا جاتا ہے اور ماحول ایسا Create کر دیا جاتا ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ جو مسلمان والدین اپنی اولاد کی شادی بالجبر کرتے ہیں انہیں ایسا کرنے کی اجازت اسلام دیتا ہے۔ وہ سب کچھ اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق کرتے ہیں۔ قرآن پاک اور احادیثِ رسول ﷺ کا علم رکھنے والا جانتا اور سمجھتا ہے کہ اِسلام میں والدین کو اولاد کی پسند اور رضا کے خلاف اُن کی شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہوگیا اس کے لئے پہلا حکم یہ ہے کہ وہ (بیوہ) چار ماہ دس دن عدت گزارے۔ عدت کے بعد اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ قرآنِ پاک نے فرمادیا وہ اپنے بارے میں جائز طریقے سے جو بھی فیصلہ کرتی ہے اس کا کوئی مواخذہ اور گناہ ''ولی'' پر نہیں ہے۔ اگر ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہ ہوتا تو رب ذوالجلال یہ نہ فرماتا ''تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔'' اگر اس کو اپنے نکاح کے بارے میں اختیار نہ ہوتا اور اسے اپنی رضا اور خوشی کی اجازت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ نہ فرماتا وہ خود اپنے بارے میں جو کرنا چاہتی ہے اُسے کرنے دو وہ جو قدم اُٹھائے گا اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ سورۃ

Marfat.com

البقرہ کی آیت نمبر ۲۴۰ میں بھی اسی مفہوم کو بیان کیا گیا کہ اگر وہ گھر سے نکل کر اپنے بارے میں جائز فیصلہ کرے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اگر عورت کو اپنی پسند کی شادی کی اجازت نہ ہوتی تو پھر ولی (سرپرست) کو کہا جاتا۔ چونکہ عورت کو نکاح کے معاملے میں اجازت نہیں ہے کہ وہ خود اپنا نکاح کرے لہٰذا تم جس مرد سے چاہو اس کا نکاح کر دو۔ لیکن قرآن پاک نے جب نکاح کی بات کی تو عورت کو اس فعل کا فاعل بنایا اور ذمہ دار ٹھہرایا کہ اگر عورت اپنے بارے میں فیصلہ کر دے تو تم بھی اس کے فیصلے کو تسلیم کرلو۔

اِسلام میں ولی کا تصور

A guardian who is resnponsible for another person.

ولی اُسے کہتے ہیں جو کسی دوسرے کا ذمہ دار ہو۔

اسلامی قانون میں ولی یعنی سرپرست کی حیثیت یہ ہے کہ وہ زیرِ ولایت شخص کے حقوق کا محافظ ہوتا ہے۔ اُسے دنیاوی معاملات میں نقصان، زیادتی اور پریشانی سے بچاتا ہے۔ ولی اگر اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے والا، شرعی حدود توڑنے والا اور اپنی غرض و لالچ سے نکاح نہ ہونے دے تو اِسلامی قانون کے مطابق ایسے ولی کی ولایت ختم ہو جاتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عن ابن عباس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الایم احق بنفسھا من ولیھا.'' (رواہ مسلم)

''ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیر شادی شدہ لڑکی اپنے نکاح کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ (فیصلہ کرنے کی) حقدار ہے۔''

Marfat.com

ایّم کا مفہوم

وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو۔ وہ کنواری (Unmarried) بیوہ (Window) یا مطلقہ (Divorcee) ہو سکتی ہے۔

Ayyam means a woman who has no husband, this may mean a woman who has not been married or a woman previously married but who has either been divorced or lost her husband.

اس حدیث پاک کے مطابق ہر عورت کو اپنی شادی کے متعلق پسند اور ناپسند کے فیصلے کا حق ہے۔ اس کے اس حق کو کوئی شخص بھی چھین نہیں سکتا۔

روایات کی روشنی میں پسند اور ناپسند کے فیصلے کا حق

حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰنؒ بیان کرتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کی بارگاہ میں ایک عورت حاضر ہوئی اور عرض کرتی ہے یا رسول اللہ ﷺ میرے بیٹے کے چچا (دیور) نے میرے لئے نکاح کا پیغام بھیجا لیکن میرے والد نے اس نکاح کے پیغام کو رد کر دیا اور میرا نکاح اس جگہ کر دیا جہاں میں پسند نہ کرتی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کے والد کو بلوایا اور اُس سے اس بارے میں پوچھا وہ عرض کرنے لگا میں نے نکاح کے معاملے میں بھلائی کو نہیں چھوڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ نکاح نہیں ہوا اور اُس عورت سے فرمایا جاؤ جس سے چاہو نکاح کر لو۔

حضرت خنساء بنت حزام بیان کرتی ہیں کہ وہ بیوہ تھیں اور اُن کے والد نے اُن کا نکاح کر دیا جب کہ ان کو یہ نکاح پسند نہیں تھا وہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر

Marfat.com

ہوئیں تو حضور اکرم ﷺ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔ (صحیح البخاری)

سیدنا ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اپنے نکاح کے حوالے سے شکایت کرتی ہے۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں فخیرھا النبی ﷺ یعنی ''نبی ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دیا۔'' (سنن ابو داؤد)

ترجمہ: ایک (کنواری) لڑکی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اس کے والد نے اس کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا لیکن اسے یہ رشتہ پسند نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے فیصلہ کرنے کا اختیار دیا۔ اس نے کہا میرے والد نے جو رشتہ کر دیا میں اسے برقرار رکھتی ہوں۔ دراصل عورتوں کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ باپ کو لڑکی کی مرضی کے بغیر رشتہ کر دینے کا اختیار نہیں ہے۔''

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے جوان اولاد اپنے نکاح کے بارے میں اوّلین اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی رائے کو اہمیت و فوقیت نہ دینا اور اس کی پسند و ناپسند کی پرواہ نہ کرنا والدین کے لئے جائز نہیں ہے۔

حضرت حارثؓ اور اُن کی بیوی حضرت بریرہؓ کسی شخص کے غلام تھے۔ حضرت بریرہ آزاد ہو جاتی ہیں لیکن حارث کو آزادی نہیں ملتی۔ بریرہ نے آزاد ہوتے ہی اس نکاح کو ختم کر دیا۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں حارث کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتی۔ جبکہ حارث بریرہ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بریرہ حارث کے نکاح میں رہو۔ عرض کرتی ہیں یا رسول اللہ ﷺ یہ حکم ہے یا مشورہ؟ آپ فرماتے ہیں مشورہ۔ عرض کرتی ہیں یا رسول اللہ ﷺ مجھے اس (حارث) کی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں ہے اس فیصلے کے بعد کبھی بھی کسی کی طرف سے کوئی جبر نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بھی حکم نہیں دیا۔ حکم نہ دینے میں حکم یہ تھا تاکہ معلوم ہو جائے عورت

Marfat.com

اپنے نکاح کے بارے میں آزاد ہے اسے قبول ورد کا پورا اختیار حاصل ہے۔

حضرت بریرہؓ کو زندگی بھر کسی شخص نے حارث کے حوالے سے طعنہ نہیں دیا تھا، مجبور نہیں کیا تھا اور نہ ہی آپ کے کردار پر کیچڑ اچھالا گیا۔لیکن آج ہمارے معاشرے اور خاندان میں کوئی بیٹا یا بیٹی اپنی پسند یا ناپسند کا اظہار کردے تو اسے خاندان کی روایت اور شرافت کے خلاف تصور کیا جاتا ہے۔ ہر شخص کو چاہیے اولاد کو اپنے جذبات کے آئینے میں دیکھے جیسے ہر شخص آزادی مانگتا ہے، من پسند زندگی چاہتا ہے، من پسند زندگی کا ساتھی مانگتا ہے اِسی طرح اولاد بھی یہی خواہش کرتی ہے کہ وہ بھی اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے۔انا، ذات پات برادری اور رسوم وروایات نے معاشرہ میں فتنہ وفساد برپا کر رکھا ہے۔خاندانی اتحاد اور معاشرتی سکون ختم ہوتا جارہا ہے، بچے نافرمانی اور بغاوت کی راہ پر چلنے لگے ہیں۔کوئی جرائم کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو کوئی نشے کا عادی ہو رہا ہے۔ جوان اولاد والدین کے روایتی رویئے سے تنگ آکر نئے جہاں کی تلاش میں نکل رہی ہے۔ اِن حالات میں ذاتیات وانانیت سے باہر نکل کر اِسلام کو بدنامی سے بچانا ہوگا۔

من پسند شادیوں کا حشر

وہ اولاد جس نے خاندان کی روایت توڑی، ماں باپ کا دل توڑا، جس حسن کی دیوی کے لئے سارے زمانے کو اپنا دشمن بنایا جس پرائے کے لئے اپنوں کو پرایا بنایا، اس میں تو بوئے وفا نہیں ہے۔ جو شادی سے پہلے دوستی کے روپ میں اچھی لگتی تھی اب بیوی کے روپ میں ذرا نہیں بھاتی۔اب سمجھ آئی جسے ہم محبت سمجھ بیٹھے تھے وہ تو ضرورت تھی وہ تو مرعوبیت تھی۔ جو پردے شادی سے پہلے عشق نے نہ اُٹھنے دیئے اب حقیقت نے وہ سارے پردے اُٹھا دیئے ہیں۔اب پشیمان پھرتا ہے، شکستہ دل کو دکھا بھی نہیں سکتا، اپنا

Marfat.com

دکھڑا کسی کو سنا بھی نہیں سکتا۔ گھر ہے کہ گھر لگتا ہی نہیں، کوئی مسافر خانہ لگتا ہے جہاں دو مسافر رہتے ہیں جو اپنی گاڑی کی انتظار میں بیٹھے اور علی الصبح چلے جاتے ہیں۔ شام کو آتے ہیں اور غیر ذمہ دارانہ رویے سے سو جاتے ہیں۔ گھر تو وہ ہے جہاں چاہتیں ہوں محبتوں کی برسات ہو، جہاں یک جاں دو قالب ہوں، جہاں رہنے والے ایک دھڑکن پہ جئیں۔ گھر تو وہ ہے جس کے مکین خلوص کا پیکر اور سراپا ایثار کا مجسمہ ہوں۔

وقت بیتتا چلا گیا اسی بیزاری میں ''نور چشم'' کی ولادت ہوگئی جو اچھی بیوی ثابت نہ ہوسکی وہ اچھی ماں کیسے بنے! اب ماں بن گئی تو میاں کی آخر آئی اب صاحبزادے کو اپنے ماں باپ یاد آئے، ماں کی محبت اور مامتا یاد آئی۔ باپ بنا تو باپ یاد آیا ماں بنی تو ماں یاد آئی۔ اب سوچتا ہے شادی سے پہلے ہی حقیقت اور سچائی کی وادی میں قدم رکھ دیتا، ظاہری حسن کے بجائے باطنی حسن بھی پرکھ لیتا، والدین کی روایات و رسوم کو جھٹلا کر بھی ''رفیقہ حیات'' بننے والی کی خوبی و خامی عادات و خصائل اور سوچ و کردار کا ذرا کچھ دیر کے لئے جائزہ لے لیتا تو آج اس جہنم کا قیدی نہ ہوتا۔ اب چھوڑوں تو بچہ کہاں جائے! زمانے کی باتیں کون سنے! اتنا جگرا کون لائے! دوستوں کی لعن طعن کون برداشت کرے! اب وقت ایک بار پھر بیت چکا ہے۔ معاملہ یہ ہے:

لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

میں یہ مانتا ہوں اور ثابت بھی کر چکا ہوں اگر ایک شخص اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتا ہے دنیا کا کوئی قانون، مذہب اور نظام اسے نہیں روکتا یہ اس کا بنیادی حق ہے۔ اس کا یہ عمل کسی شریعت کے بھی خلاف نہیں ہے۔ وہ بالغ، عاقل، تعلیم یافتہ اور باشعور ہے۔ اسلام اس کی ہر جائز خواہش کا احترام کرتا ہے۔ لیکن ایک نوجوان کی شخصیت میں توازن و اعتدال کا ہونا بھی ازحد ضروری ہے۔ ایک طرف اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے اسلام کا

Marfat.com

سہارا لیا جاتا ہے تو دوسری طرف یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ اِسلام کے دوسرے معاملات اور احکامات بھی ہیں جن پر عمل نہیں کیا جاتا۔ مثلاً اِسلام شادی سے پہلے مرد عورت کے جنسی تعلق کو حرام قرار دیتا ہے۔ شراب و خنزیر کو بھی حرام قرار دیتا ہے۔ ہمیں اِسلام میں پورا پورا داخل ہونے کا حکم ہے۔ ایسا رویہ تو کسی بھی مہذب معاشرے میں قابل تحسین نہیں ہے جس کے قوانین کا کچھ حصہ اپنے مخصوص مفادات کی خاطر قبول کرلیا جائے اور باقی حصہ اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ وہ مفادات کے خلاف ہے۔ یہ رویہ غیر متوازن اور بے اعتدالی پر مبنی ہے۔ اس سے منافقت خودسری اور خود غرضی کی بے انتہا بدبو آتی ہے۔

عورتوں پر تشدد کیوں؟

سوال: کیا اِسلام میں عورتوں پر تشدد کرنے کی اجازت ہے؟ آپ اِس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: میں اِس بارے میں کسی قسم کے تشدد کا قائل نہیں ہوں اور نہ ہی اِسلام اِس کی اجازت دیتا ہے، جو نیم خواندہ مولوی حضرات اجازت دیتے ہیں میں اِن سے پوچھنا چاہتا ہوں۔

(۱) مرد کی حاکمیت اور عورت کی محکومیت کا تصور کیا ہے؟ موجودہ دور میں اس تصور کو کیسے دیکھا جا سکتا ہے؟

(۲) کیا قرآن کے بیان کردہ تین طریقے مرد کے رویے اور بدکرداری کے خلاف عورت بھی اِستعمال کر سکتی ہے؟

(۳) اگر مرد کسی عورت پر نظر رکھے تو اس کی پٹائی کون کرے گا؟

(۴) کیا مارنے والا اس احتیاط سے پٹائی کرتا ہے کہ جسم پر نشان نہ پڑ جائے؟

(۵) مرد عورت کو مسواک سے مارے یا کپڑے کے کوڑے سے کیا اس میں کمتری

Marfat.com

اور حقارت نہیں؟

(۶) کیا آج تلک کسی مرد نے اپنی بیوی کو اتنے وقار، سنجیدگی اور خدا خوفی سے پیٹا ہے؟

(۷) عورت کے قصور کا تعین کون کرے گا اور مرد کی مار کا تعین کون کرے گا؟

(۸) اگر چار باتوں کی خلاف ورزی مرد (شوہر) کرے تو اس کے خلاف کیا قدم اُٹھایا جا سکتا ہے؟

(۹) کیا مرد عورت کا تعلق اُستاد شاگرد کا ہے یا دونوں زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں جو کسی طرح بھی ایک دوسرے سے کمتر نہیں ہیں؟

(۱۰) وہ کس قسم کی عورتیں ہیں جو پٹے بغیر نہیں رہ سکتیں کیا ایسے مرد بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو ان کی عادات کیسی ہوتی ہیں؟

(۱۱) اگر مرد خلاف ورزی کرے تو عدالت پنچائیت یا ثالث سے عورت رابطہ کرے اگر عورت قصوروار ہو تو عدالت پنچائیت یا ثالث کے فیصلے کے مطابق سزا کیوں نہیں دی جا سکتی؟ عورت کے معاملے میں مرد کو مارنے کی اجازت کیوں؟

(۱۲) کیا قوم کی علمی پسماندگی ایک صنف کی برتری کے نظریات کو پروان نہیں چڑھاتی؟

(۱۳) کیا جاگیردارانہ نظام، نظام ملوکیت اور محکومیت کے زیر سایہ پرورش پانے والی قوم کے نظریات میں تشدد اور جبر غالب نہیں آجاتا؟

(۱۴) کیا ہمارے دیہی علاقوں میں عورتوں پر تشدد کی شروعات ایسے نظریات سے نہیں ہوتی؟

(۱۵) کیا جس ریاست میں عدالتیں اور پنچائیتیں کام کر رہی ہوں وہاں کسی کو انفرادی

Marfat.com

طور پر سزا دینے کا حق ہوتا ہے؟ خواہ وہ سزا چھوٹی ہو یا بڑی؟

(۱۶) کیا آج کی تعلیم یافتہ عورت ان نظریات سے مطمئن ہو سکتی ہے؟

(۱۷) ایسے نظریات و مسائل ہمیں موجودہ دور میں اجنبی کیوں محسوس ہوتے ہیں؟

(۱۸) قرآن پاک میں چور اور چورنی کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو فرمایا: فاقطعوا ایدیھما ''ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو''۔ زانی اور زانیہ عورت کو سزا دینے کا حکم دیا تو فرمایا: الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائة جلدة ''جو عورت اور مرد بدکار ہو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔'' ان سزاؤں کا ایک طریقہ کار ہے جس کے بعد مجرم کو سزا دی جاتی ہے قاضی کے فیصلے کے مطابق سزا کا حکم ہوتا ہے لیکن فقط اس مقام پر عورت کو پیٹنے کا مرد کو اختیار کیوں دیا گیا؟ جب کہ اس آیت سے اگلی آیت میں خاوند اور بیوی کے جھگڑے میں ثالثی کے کردار کا بیان ہے۔

ہر شخص اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ مسلمان کسی نہ کسی حد تک آشنا ضرور ہے ہر شخص کے گھر میں قرآن پاک باترجمہ موجود ہوتا ہے۔ مسجد کے خطیب سے ہفتہ وار ماہانہ یا پھر سالانہ مذہبی تعلیم حاصل کرتے ہیں ہماری بزرگ خواتین اب بھی ایسی کتابیں بچیوں کو پڑھ کر سناتی ہیں اور انہیں جہیز میں دیتی ہیں جو میاں بیوی کے حقوق فرائض سے متعلق ہیں جن میں مردوں کی برتری حاکمیت اور فضیلت کا ذکر ہے اور ساتھ ہی عورتوں کی کمتری محکومیت اور احقریت کا بیان بھی ہے نتیجتاً (شوہر) کو یہ حق دیا جاتا ہے اگر عورت (بیوی) نافرمانی کرے تو وہ اسے پیٹ بھی سکتا ہے قرآن پاک کی سورۃ النساء کی آیت نمبر 34 کو اس نظریہ اور مسئلہ کی بنیاد بنایا جاتا ہے جس کا ترجمہ ہے ''مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔

Marfat.com

اس آیت کریمہ میں دو الفاظ اہم اور توجہ طلب ہیں ایک لفظ ''نشوز'' جس کا مطلب اس ترجمہ میں ''بدخوئی'' کیا گیا ہے اور دوسرا لفظ ''ضرب'' ہے جس کا مطلب مارنا ہے۔ سب سے پہلے ہم نشوز کی تحقیق کرتے ہیں اہل لغت نے اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں مثلاً عورت کا اپنے شوہر سے بغض رکھنا، ناموافقت ہونا، نباہ نہ ہونا، بلند ہونا، عورت کے نشوز سے اس کی بدخوئی، بددماغی، نافرمانی، خاوند کی مخالفت اور اس سے بغض وغیرہ مراد ہے۔ امام راغب نے لکھا ہے ''نشوز المراۃ کے معنی عورت کے اپنے شوہر کو برا سمجھنے اور سرکشی کرنے اور کسی دوسرے مرد پر نظر رکھنے کے ہیں۔'' اس طرح ضرب کے بھی مختلف معانی ہیں مثلاً مارنا، بیان کرنا، چلنا، بتانا، ظاہر کرنا۔

عصر حاضر میں مسلم دانشوروں اور سکالرز کا کردار

سوال: موجودہ دور میں مسلم دانشوروں کو کس انداز میں اِسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام کرنا چاہیے اِس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: دور جدید میں مسلمانوں کو درپیش چیلنجوں میں سب سے بڑا چیلنج اِسلام کی آفاقی تعلیمات سے ترقی یافتہ دنیا کو روشناس کرانا ہے۔ دنیا بھر میں اِسلام کو دہشت گرد مذہب ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مغربی اور امریکن میڈیا اِسلام اور مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈہ کررہا ہے۔ ایک ارب تیس کروڑ مسلمان ڈیڑھ کروڑ یہودیوں کی بنائی ہوئی پالیسیوں کے سامنے بے بس اور مجبور محض کیوں ہیں؟ کیوں اس کی وجہ نااتفاقی قرار دے گا، کوئی حکمرانوں کو مجرم گردانے گا، اور کوئی کہے گا کہ ہم نے اسلام پر عمل چھوڑ دیا ہے۔ بلاشبہ مسلمانوں کی کمزوری اور زوال کی وجہ سے اسلام سے دوری ہے اور دوری اس معنی میں کہ ہمارا فہم اِسلام کے متعلق بہت محدود ہے۔ محدود فہم نے ہمارے افکار و اعمال کو بھی محدود کردیا ہے۔ آج دنیا کے حالات یہ ہیں کہ امریکہ نے افغانستان کے بعد

Marfat.com

عراق کو بھی اپنی ہوس اور ملک گیری کا نشانہ بنالیا ہے۔ اب شام اور ایران کو بھی مسلسل دھمکایا جا رہا ہے۔ کشمیر اور فلسطین کے مسئلوں کو حل کرنے کے بجائے مسلمانوں کے لئے مزید مسائل پیدا کئے جارہے ہیں۔ ان حالات کے باوجود میرا یقین ہے کہ یہ صدی اِسلام کی نشاۃ ثانیہ کی صدی قرار پائے گی۔ یہ بھی یاد رکھئے خداوند کی لاڈلی مخلوق کا تصور عیسائیت اور یہودیت میں موجود ہے، لیکن اِسلام میں نہیں ہے۔ اسلام نے ہمیں جینے اور جی کر دکھانے کا طریقہ سکھایا ہے، عروج و زوال کے قوانین مقرر کئے ہیں، سعی و کوشش سے منزل تک پہنچنے کا حوصلہ دیا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

میں پچاس سال سے یورپ میں رہ رہا ہوں جہاں رفاہی ریاست کا اِسلامی تصور عملی طور پر نظر آتا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نظام کفالت کی یاد تازہ ہوتی ہے اور جہاں کوئی بھی شخص رات کو بھوکا نہیں سوتا، ہر شخص کو بنیادی سہولتیں میسر ہیں، سائنسی عروج اور تعلیمی معیار سے آپ واقف ہیں۔ ایسے ترقی یافتہ ممالک میں اِسلام کو اجتہادی بصیرت کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ذمہ داری اور فریضہ فقط فردِ واحد سے ادا نہیں ہوسکتا۔ مسلم مفکرین، سکالرز اور جدید تصورات و نظریات کی حامل شخصیات اس ''جہاد'' کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔

11 ستمبر 2001ء کے واقعہ نے اس مسئلے کو کچھ اس طرح حل کر دیا کہ اہل یورپ و امریکہ نے قرآن پاک کو خود پڑھنا اور سمجھنا شروع کیا۔ 11 ستمبر کے بعد سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب قرآن مجید قرار پائی۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ

Marfat.com

اہلِ یورپ نے براہِ راست قرآن سے ناطہ جوڑا ہے، مگر میں یہ بات انتہائی دُکھ اور افسوس سے کہہ رہا ہوں کہ یورپ اور امریکہ میں ہماری گفتگو، تحقیق اور بحث کا موضوع آج بھی مخالف فرقہ ہے۔ اس فرقہ بندی، گروہی اختلافات اور باہمی جنگ وجدل نے ہمیشہ اُمت کی وحدت کو متاثر کیا۔ اِسلامی حکومت وریاست کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی۔ تیرھویں صدی میں سقوط بغداد ہوا۔ چند سالوں بعد سپین کا اقتدار بھی خطرے میں پڑ گیا۔ اس کے بعد ترکی، مصر، ایران اور ہندوستان کا اقتدار بھی ختم ہو گیا مسلمان پستی در پستی کا شکار ہوتے گئے۔ موجودہ سائنسی، تعلیمی اور شعوری دور میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اسلام اور یورپ کو گفتگو اور بحث کا موضوع بنائیں، اِسلام اور جدید نظام ہائے زندگی کے تقابلی جائزہ اور غیر اِسلامی معاشرے میں رہنے والے مسلمان جن تہذیبی مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں انہیں اپنا موضوع بنائیں، وہ سیاسی نظام جسے مغربی مفکرین نے تشکیل دیا اور اپنے ممالک میں کامیابی سے نافذ کیا اس میں ایک مسلمان کی **Adjustment** کی کتنی گنجائش ہے؟ اِس پر تحقیق کریں۔ مغربی معاشی نظام کے اِستحکام کی وجوہات کیا ہیں؟ جہاد کیا ہے عالمی حالات میں ''جہاد'' پر اُٹھنے والے اعتراضات کے جوابات کیا ہیں؟ جنگ میں مخالف فریق کی جنگی طاقت اور دفاعی حیثیت کے اندازے کے بعد جنگ لازمی ہے یا ان عوامل کو جانچے اور پرکھے بغیر ''جہاد'' شروع کر دینا چاہیے؟ اِن جیسے سینکڑوں بلکہ ہزاروں موضوعات اور سوالات ہیں، جن کا جواب یورپ کا ہر نوجوان چاہتا ہے۔

خوداحتسابی سے فرار

ہمارے قومی رویوں میں ایک اور رویہ بھی در آیا ہے، جس نے ہمیں حقیقت پسندی، خوداحتسابی کی دولت سے محروم کر دیا اور وہ رویہ ''الزام کی پالیسی'' ہے۔ اپنی ناکامی کی وجوہات پہ غور کرنے کے بجائے، دوسروں پر الزام دھرنا ہماری عادت بلکہ

Marfat.com

فطرت سی ہوگئی ہے۔ جب کہ تاریخ بتاتی ہے قوم سب سے پہلے معاشی اور اقتصادی بدحالی کا شکار ہوتی ہے، پھر مختلف طبقوں میں معاشی بلندی اور پستی کا معیار پیدا ہوتا ہے، اسی سے معاشرے میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ انتشار گروہ بندی، تنگ نظری اور حرص وطمع کے نتیجے میں جو خلاء پیدا ہوتا ہے اِسے پھر بیرونی طاقتیں آ کر پُر کرتی ہیں۔ اِس طرح آزاد معاشرہ وریاست بالواسطہ بیرونی طاقتوں کا غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ ذمہ داری پاکستان کے اہل علم وقلم کی ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلم سکالرز کی ہے کہ وہ قوم میں اجتماعی بیداری کی لہر پیدا کریں۔ جس میں کسی قوم، فرد اور ملک کے خلاف نفرت نہیں بلکہ اپنے استحکام، بقا اور خوش حالی کا شعور ہو۔

تاریخ کا کٹھن دور

ہم تاریخ کے بڑے کٹھن دور سے گزر رہے ہیں۔ آزادی کے باوجود دور غلامی سے باہر نہیں آ سکے۔ اسے سامراجی تسلط کہیئے، عالمی سیاست کا حصہ کہئے، مسلم حکمرانوں کی نا اندیشی کہیئے، زمانے کی قیامت کی چال کہیے، اپنی کوتاہ اندیشی کہیے، امریکہ کی بڑھتی ہوس زر و مال کہیے یا پھر شامت اعمال کہیے؟ ہم تاریخ کے اس دوراہے پر آ کھڑے ہوئے ہیں جہاں فیصلے کے لئے وقت بہت کم ملتا ہے۔ اب ہمیں جلد فیصلہ کرنا ہے۔

طویل المیعاد پالیسی اپنانے کی ضرورت

غلامی، بے یقینی اور پریشان نظری سے چھٹکارا پانے کے لئے طویل المیعاد پالیسی بنانی ہے۔ ہم نے مختصر المیعاد پالیسی بنا کر دیکھ لیا جب امریکہ سر پر آیا غیرت جاگی، اُمت کے فرقے متحد ہو گئے۔ ہم ان ہنگامی حالات میں جو خیر کا عمل کرتے ہیں کیا وہ عمل ہماری معاشرتی، سیاسی اور مذہبی زندگی کا مستقل حصہ نہیں بن سکتا؟ امریکہ کی غلامی

Marfat.com

راتوں رات اختیار کی گئی اور نہ ہی راتوں رات غلامی کا لبادہ اُتار کر پھینکا جا سکتا ہے، اس کے لیے معیشت دانوں اور ماہرین سیاست کو مسلسل کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اُمت کی جہالت، تعلیمی معیار میں پستی، سائنس اور فلسفہ سے دوری کو دور کرنے کے لئے دور رس نقطۂ نظر کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں جوش سے زیادہ ہوش، جذبات سے زیادہ حقیقت، جنوں سے زیادہ عقلیت اور دیوانگی سے زیادہ فرزانگی کی ضرورت ہے۔

قانون مکافات کا ظہور

قوموں کی عمارت نہ تو ایک دن میں تعمیر ہوتی ہے اور نہ ایک دن میں گرتی ہے جو قومیں آج امن وچین کی بانسری بجا رہی ہیں، حکمرانی وغلبہ کے مزے لے رہی ہیں، اِن قوموں نے وہ دن بھی دیکھے ہیں جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ وہی قومیں ہمیشہ ترقی کرتی ہیں جو اپنی تخریب سے سبق سیکھتی ہیں۔ جن کے اہلِ علم سال ہا سال کے جھگڑوں سے بیزاری کا اعلان کر دیتے ہیں، جن کے حکمران اپنی قوم کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں اور جن کے دانشور اور صحافی اپنے عوام کو اصل حالات وواقعات اور حقائق کی اصلی اور سچی تصویر دکھاتے ہیں۔

Marfat.com

باب نمبر ۸:

اِسلام اور مغرب

Marfat.com

اِسلام اور مغرب

سوال: اسلام اور مغرب کے تعلقات کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ حقیقت ہے کہ اِسلام اور مغرب کے تعلقات کی تاریخ باہمی تصادم، کش مکش، رقابت، نفرت، عداوت، بدگمانی اور شکوک وشبہات سے عبارت ہے۔ اِن دونوں کے درمیان روابط وتعلقات کا آغاز میدانِ جنگ میں ہوا۔

تاریخی تسلسل

سوال: اِسلام اور مغرب کی کش مکش کا تاریخی تسلسل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: اسلام اور مغرب کی کش مکش کچھ اس طرح ہے کہ پہلی صدی ہجری میں مسلم افواج کے ہاتھوں شام اور ترکی میں مسیحی سلطنت رُوم یعنی بازنطینی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ اِس کے بعد ہسپانیہ میں مسیحی اقوام کی پے در پے شکستوں نے عالم مسیحیت کے دلوں میں اِسلام اور بانی اِسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ نفرت وحقارت اور بدگمانی کی نگاہ سے دیکھا اور مقدس دینی فریضہ کے طور پر مسیحیت کے پیروکاروں میں اِن دونوں کے بارے میں عداوت و دشمنی کے جذبات کو خوب پروان چڑھایا۔ جس کا نتیجہ طویل صلیبی جنگوں کی صورت میں نکلا۔ صلیبی جنگوں میں یورپ کی متحدہ مسیحی قوت کو سلطان صلاح الدین اُیوبی کے ہاتھوں شدید دھچکا لگا۔ اِس کے بعد عثمانی ترکوں کو ہاتھوں مشرقی یورپ کی مسیحی اقوام کو سخت ہزیمت اُٹھانا پڑی۔ اِسلام اور مغرب کے مابین صدیوں پر محیط اِس کش مکش نے مغرب کی نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ اِسلام اور مسلم دشمنی تو گویا اِس کے رگ و ریشہ میں رچ بس گئی۔ مسیحی مذہبی قیادت نے جذبہ اسلام دشمنی کو ہمیشہ زندہ رکھا۔ مسیحی

Marfat.com

مذہبی رہنماؤں نے مسیح کے پیروکاروں کے سامنے اِسلام کی صورت کو خوب مسخ کر کے اور پیغمبر اِسلام ﷺ کی ذات کو لائق نفرت بنا کر پیش کیا۔ بالآخر پروپیگنڈہ مغربی دنیا میں ''اِسلام'' کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں سنگِ گراں ثابت ہوا۔

مغرب اور اِسلام کا جدید دور میں رابطہ

سوال: مغرب نے جدید دور میں کس طرح اِسلام اور مسلمانوں پر اپنا تسلط جمایا ہے اِس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: مغرب اور اِسلام کا جدید دور میں وسیع پیمانے پر رابطہ انیسویں صدی عیسوی میں ہوا۔ سائنسی علوم وفنون اور جدید سامان حرب سے لیس مغرب، زوال وانحطاط اور تشتت وافتراق میں مبتلا عالم اِسلام پر چڑھ دوڑا اور بڑی سُرعت سے اِس کے کثیر ممالک پر تسلط جمالیا۔ قوت وطاقت سے سرشار مغرب نے محکوم ومفتوح مسلم اقوام کی نسل کشی کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب ومعاشرت کا تار پود بکھیرنے کا پورا پورا اہتمام کیا۔ مسلم ممالک میں وسیع پیمانے پر دین مسیحیت کی توسیع واشاعت کا بیڑا بھی اُٹھایا گیا ہے۔

نوآبادیاتی دور کی خرافات

سوال: نوآبادیاتی دور کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: نوآبادیاتی دور میں بعض سیاسی اغراض سے مغرب میں اِسلام اور بانی اِسلام ﷺ کے علاوہ مسلمانوں کی تہذیب وثقافت اور اُن کی سماجی اقدار کے بارے میں تحقیق ومطالعہ کی تحریک ''استشراق'' کا آغاز ہوا۔ مستشرقین نے اِسلام اور مسلمانوں کا مطالعہ غیر جانبدارانہ اور خالص علمی انداز میں کرنے کے بجائے حقائق کو خوب مسخ کر کے پیش کیا۔ اِسلام کو ایک وحشی، غیر مہذب وغیر متمدن قوم کے مذہب کے طور پر پیش کیا گیا۔

Marfat.com

جب کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی ذاتِ اقدس کو ناشائستہ اور گھٹیا الزامات و اتہامات کا نشانہ بنایا گیا۔ اسلامی شعائر اور اقدار کی خوب تنقیص کی گئی۔ یوں مستشرقین کا مطالعہ اسلام مغرب میں ''دعوت و تبلیغ اسلام'' میں ممد و معاون ہونے کے بجائے خود اُس کی راہ میں ایک بڑی رُکاوٹ بن گیا۔ اِس پر مستزاد یہ کہ اِن کی تصنیفات و تحقیقات مغرب کی زیر اثر مسلمان معاشروں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقات کو ''اِسلام'' کی ابدیت و حقانیت کے بارے میں شک و ریب اور تردد و ارتداد میں مبتلا کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ بن گئیں۔

نو آبادیاتی دور کے مسلم علماء پر اثرات

سوال: نو آبادیاتی دور کے ردِ عمل میں مسلم علماء و دانشوروں پر کیا اثرات مرتب ہوئے اِس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: نو آبادیاتی دور میں مسلم معاشروں کی دینی قیادت علمائے کرام ہوں یا صوفیائے عظام کی تمام تر قوت خارجی اثرات یعنی مغربی تہذیب و تمدن، افکار و نظریات اور مسیحی مشنریوں کی یلغار کے مقابلہ میں موروثی مسلمانوں کے مذہب و عقیدہ اور تہذیب و معاشرت کے تحفظ و بقا کی کوششوں میں صرف ہونے لگی۔ علماء و صوفیاء نے دینی علوم کی تعلیم و تدریس اور روحانی تربیت جیسے وظائف کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ جارح مغربی اِستعماری طاقتوں کے خلاف علم جہاد بھی بلند کیے رکھا۔ یوں اِس دور میں مغرب کی فاتح و حاکم اقوام کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنے کا کام اکثر و بیشتر نگاہوں سے اوجھل رہا۔ تاہم بعض جدید تعلیم یافتہ مسلمان دانشوروں کی طرف سے اہل مغرب کو اِسلام سے متعارف کرانے کی جو کوششیں ہوئیں وہ انہیں اِسلام کی طرف مائل اور راغب کرنے میں کچھ مؤثر ثابت نہ ہوسکیں۔

Marfat.com

مغربی ممالک میں مسلمان آبادیاں

سوال: مغربی ممالک میں مسلمان آبادیوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: انیسویں صدی کے رُبع آخر سے مغرب میں دعوت و تبلیغ اِسلام کے بڑے وسیع امکانات پیدا ہوئے۔ مشیتِ الٰہی سے مغربی اقوام کی مسلم نو آبادیات الجزائر، مراکش، تیونس، موریطانیہ، برصغیر پاک و ہند، جنوبِ مشرقی ایشیاء کے مسلمان ممالک اور دنیائے عرب سے ہزاروں کی تعداد میں مسلمان جدید مغربی تعلیم کے حصول یا پھر روزگاری تلاش اور کاروبار کے سلسلہ میں مغربی ممالک میں پہنچنے لگے۔ بیسویں صدی کے اختتام تک مغرب میں جا کر آباد ہونے والے اِن مسلمان افراد کی تعداد کئی ملین کو جا پہنچی۔ برطانیہ، فرانس، پرتگال، جرمنی، کینیڈا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مختلف شہروں میں متعدد چھوٹی چھوٹی مسلمان آبادیاں موجود ہیں۔ مغربی ممالک میں مسلم آبادی کی موجودگی سے بجا طور پر یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اہل مغرب کے سامنے ''دعوت اِسلام'' مؤثر طور پر پیش کریں گی اور اِسلامی اخلاق و کردار کا نمونہ پیش کر کے مغرب کے سنجیدہ طبقات کو اِسلام کی طرف مائل کرنے میں مؤثر کردار ادا کرے گی۔ یوں وہ مغرب میں دعوت اِسلام کے سلسلہ میں اُمت کی گذشتہ کوتاہیوں کا ازالہ کر سکے گی۔ لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثریت ایسے مسلمانوں کی ہے جو اِسلام کی بنیادی تعلیمات تک سے واقف نہیں اور عملی طور پر وہ اِسلامی تہذیب اور اقدار سے بھی محروم ہیں۔ جس کی وجہ سے دعوتِ اسلامی کا کام نہیں ہو سکا۔

Marfat.com

مغربی مما لک میں مسلم آبادی کی دینی سرگرمیاں

سوال: مغربی مما لک میں مسلم آبادی کی دینی سرگرمیوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ بات تو درست ہے کہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں مغربی مما لک میں مسلم آبادی کی دینی سرگرمیوں میں کچھ اضافہ اور بہتری ہوئی ہے۔ سینکڑوں کی تعداد میں مساجد تعمیر ہوئی ہیں۔ اسلامی اشاعتی ادارے وجود میں آئے ہیں۔ دعوت وتبلیغ کے میدان میں متعدد اسلامی اشاعتی ادارے وجود میں آئے ہیں۔ دعوت وتبلیغ کے میدان میں متعدد اسلامی تنظیمیں بھی سرگرم عمل ہیں اور ان سب کے نتیجے میں اسلام کی توسیع و اشاعت کے عمل کو قدرے تقویت پہنچی ہے۔ چنانچہ ہزاروں کی تعداد میں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ کہنا بھی غلط نہیں ہے مغرب میں ''اشاعت اسلام'' کے عمل میں کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہوسکی۔

مغربی مما لک میں دعوتِ اسلام کا منہاج

سوال: مغربی مما لک میں ''دعوت اسلام'' کے عمل میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہونے کے کیا اسباب ہیں اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: اس کا بنیادی سبب مغربی مما لک میں ایسے مسلم دانشوروں اور مبلغین کا فقدان ہے جو ایک طرف دین میں گہرا رُسوخ رکھتے ہوں، دوسری طرف مغربی تہذیب و معاشرت کے نقائص اور اس کے پیدا کردہ مسائل یعنی اخلاقی، روحانی، نفسیاتی اور سماجی مسائل کا صحیح شعور وادراک رکھتے ہوں۔ اہل مغرب کی ذہنی وفکری ساخت اور ان کی مذہبی نفسیات سے آگاہ ہوں۔ اس کے علاوہ مغربی زبانوں میں اعلیٰ درجے کی مہارت رکھتے ہوں اور مغرب کے اُسلوب تحریر وتقریر سے واقف ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ

Marfat.com

مغربی مسلمان عملی زندگی میں اسلامی اخلاق اور طرزِ معاشرت کا نمونہ پیش کرتے ہوں اور اِس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ علماء و مبلغین مسلکی اور گروہی تعصبات سے بالاتر ہو کر آفاقی ''اِسلام'' کی ترجمانی کرتے ہوں۔ دینی موضوعات پر مغربی زبانوں میں مؤثر اور معیاری کتب کی کمی ایک اہم مسئلہ ہے۔ انگریزی زبان میں دینیات و اِسلامیات پر ایک انتہائی وسیع کتب خانہ وجود میں آچکا ہے۔ تاہم مغرب کی دیگر زُبانوں میں ایسی کتب جو ''اِسلام'' کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کرتی ہوں اب بھی کامیاب ہیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ جس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مسلمان مغرب میں ''اِسلام'' کو صحیح متعارف کرانے میں کماحقہٗ کامیابی حاصل نہیں کر سکے ہیں۔ چنانچہ میری رائے یہ ہے کہ کسی بھی خطے میں دعوتِ اِسلام کا کام وہی مسلمان کریں جو خود اُس خطے کی تہذیبی روایات میں پیدا ہوئے ہوں یا پلے بڑھے ہوں۔ اِسلام کو اُن غلط فہمیوں کا جواب انہی لوگوں کے ذریعے دینا چاہیے جو مخاطبین اور سامعین کے سامنے اُن کی بولی، اُنہی کے لب و لہجہ میں بولتے ہوں۔ یہ اشاعتِ اِسلام کے سلسلہ میں بڑی خدمت ہوگی اگر مسلمان دانش ور خود کو بیک وقت کامیاب اہل علم اور ساتھ ہی قائل اور باعمل مسلمان کی حیثیت سے پیش کریں۔ ہمارے مسلمانوں کو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ دعوتِ اِسلام کا سب سے کامیاب طریقہ یہ ہے کہ ہم خالص غیر اِسلامی ماحول میں اِسلام کے مطابق زندگی گذاریں۔ خاموشی اور پُر امن طریقے سے لیکن اقدامی طور پر اعتماد و اظہار کے ساتھ۔ آج یا کل ہمارے پڑوسی ضرور متوجہ ہوں گے اور ہماری صفائی ستھرائی، راست بازی، رواداری و محبت، ایمان داری و شرافت اور وقار و سنجیدگی اور اخلاق و معاشرت سے ضرور اثر قبول کریں گے۔

Marfat.com

مغربی ممالک میں کامیاب مسلم دانشور

سوال: مغربی ممالک میں دعوت و تبلیغ کی کامیاب حکمتِ عملی سے کام کرنے والے کون سے مسلم دانشوروں ہیں اور اِن کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: نومسلم دانشور ڈاکٹر مراد ہوف مین، نومسلم مفکرِ دانش ور محمد اسد ڈاکٹر احمد دیدت اور اِن کے ہم عصر ڈاکٹر محمد حمید اللہ اِس باب میں سرفہرست ہیں۔ جو دعوت و تبلیغ کے میدان میں مطلوبہ معیار پر پورا اُترتے تھے۔ بلا تردد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مغرب میں دعوت و تبلیغ دین کے سلسلہ میں انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے اور موجود دور میں پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری بھی کامیاب مبلغ و مقرر ہیں۔

مغرب میں دعوت و تبلیغ کی جہتیں

سوال: مغرب میں دعوت و تبلیغ دین کی کیا جہتیں ہیں اور اِن کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: مغرب میں دعوت و تبلیغ کی مختلف اور متنوع جہتیں ہیں جنہیں مندرجہ ذیل عنوانات دیئے جاسکتے ہیں۔

۱۔ مستشرقین کے پھیلائے ہوئے زہر کا تریاق کیا جائے۔

۲۔ مغربی زبانوں میں اِسلامی ادب کی تیاری کا کام کیا جائے۔

۳۔ بین المذہبی مکالموں، علمی و تحقیقی مجالس و مذاکرات اور کانفرنسوں میں اِسلام کی آفاقی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا جائے۔

۴۔ نومسلموں میں دعوتِ اِسلام کا حکیمانہ انداز اختیار کیا جائے۔

۵۔ مسلمانوں کی دینی تعلیم و تربیت کا مؤثر اہتمام و انتظام کیا جائے۔

Marfat.com

مستشرقین کی تحقیقات کے منفی اثرات کا سدِّ باب

سوال: مستشرقین کی تحقیقات کے منفی اثرات کا ازالہ کرنے میں جو کاوشیں ہوئی ہیں ان کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: اِسلام، پیغمبر اِسلام ﷺ کی سیرتِ طیبہ احادیث وسنن کی تدوین وحفاظت اور فقہ اِسلامی کے مآخذ ومصادر کے بارے میں مستشرقین کے پھیلائے ہوئے مغالطوں اور شکوک وشبہات اور اِن کے پیدا کردہ منفی اثرات ونتائج کا تریاق فراہم کرنے کے لئے مسلم زُعماء نے قابلِ قدر کاوشیں کی ہیں۔ الجزائر میں امیر عبدالقادر الجزائری اور لیبیا یعنی ابرقہ وطرابلس الغرب میں سنوسی تحریک کی جدوجہد، علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، جسٹس سید امیر علی، مولانا جعفر شاہ پھلواری، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید ابوالحسن ندوی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مولانا الشاہ احمد نورانی، پیر محمد کرم شاہ الازہری اور پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری وغیرہ مفکرین اور دانشوروں نے مستشرقین کا نہایت محققانہ جواب دیا ہے اور اِن کی کتب لائق مطالعہ ہیں۔ مستشرقین نے اِسلام، پیغمبر اِسلام ﷺ کی سیرت واخلاق، احادیث وسنن اور فقہ وقانون اِسلامی کی ایک ایسی تصویر پیش کی ہے کہ اِن کی کتب کے مطالعہ کے بعد ایک مغربی اِنسان کو دین اِسلام میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی اور اُس کے دل ودماغ میں اِسلامی ذخیرہ کے بارے میں نفرت وبدگمانی جڑ پکڑ لیتی ہے اور موروثی مسلمان بھی اِن کے زہریلے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ جن لوگوں نے اِسلام کا مطالعہ مغربی زُبانوں اور مستشرقین کی کتب کے ذریعے کیا ہے اِن کے ذہنوں میں اِسلام کے مستقبل سے نااُمیدی، اِس کے مستقبل سے بے زاری اور اِس کے ماضی سے بدگمانی پیدا کرنے میں مستشرقین کی کتب نے نہایت زہریلا کردار ادا کیا ہے۔ قرآن، سیرت، فقہ وکلام، صحابہ کرامؓ، تابعین، ائمہ، مجتہدین، محدثین، فقہاء، مشائخ، رُواۃ

Marfat.com

حدیث، فن جرح وتعدیل، اسماء الرجال، حدیث کی صحت، تدوین حدیث فقہ اِسلامی کے مآخذ، فقہ اِسلامی کا ارتقاء وغیرہ اِن میں سے ہر ایک موضوع سے متعلق مستشرقین کی کتابوں میں اِتنا تشکیکی مواد پایا جاتا ہے جو اِس موضوع پر وسیع اور گہری نظر نہ رکھتا ہو پورے اِسلام سے منحرف کر دینے کے لئے کافی ہے۔ مستشرقین کی کتابیں اِسلام کی بنیادوں پر تیشہ چلاتی ہیں اور اِسلام کے سرچشموں کو مشکوک قرار دیتی ہیں۔ مسلم مفکرین نے اِن کی کتابوں کا علمی محاسبہ کیا ہے، اِن کی غلط فہمیوں اور ترجمہ واخذ مطلب میں اِن کی غلطیوں کو واضح کیا ہے۔ اِن کے اخذ کئے ہوئے نتائج کی غلطی کو واضح کر کے اِن کی بدنیتی اور مذہبی وسیاسی اغراض ومقاصد کو طشت از بام کیا ہے اور صاف صاف لفظوں میں بیان کیا ہے کہ یہ اِسلام اور مسلمانوں کے خلاف گھناؤنی سازش ہے۔ مسلم مفکرین نے فکری ارتداد کی روک تھام کے لئے سدِ سکندری کا کام کیا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ مذکورہ بالا مفکرین کی کتب کو پھیلا جائے اور نوجوان نسل کو اِن سے متعارف کرایا جائے۔

دوسروں کے افکار کو بہ چشمِ حقارت دیکھنا

سوال: دوسروں کے افکار کو بہ چشم حقارت دیکھنا کیسا ہے؟ اِس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: جب تک اِنسان دوسروں کے افکار وخیالات کو بہ چشمِ حقارت دیکھتا رہے گا نہ تو اِن سے آنکھ بند کر سکے گا اور نہ ہی شبہات کا کوئی معقول حل ڈھونڈ تلاش کر سکے گا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عقل اِنسانی کا سفر ہماری پسند اور خواہش کا تابع نہیں رہ سکتا۔ حق وحقیقت کسی گروہ یا نسل کے گروی نہیں ہو سکتے۔ حقائق کا سورج جب دنیا کے کسی کونے سے طلوع ہوتا ہے تو وہ سابقہ افکار کو بدل کر رکھ دیتا ہے اور زیرک ودانا لوگ وہ ہوتے ہیں جو اِس طلوع وغروب پر کڑی نظر رکھیں اور دن اور رات کی تمیز کریں اور آنکھیں بند کر کے اپنے لئے رات کو جاوداں کرنے کی کوششیں نہ کریں۔

Marfat.com

ناکامیوں اور تباہ حالیوں کے اسباب و محرکات

سوال: مسلمانوں کی جذبات پرستی کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: مسلمانوں کی ناکامیوں اور تباہ حالیوں کی ایک سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ بڑے جذباتی ہو چکے ہیں۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ حقائق کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں اور کوئی ایسا کام جس میں جذباتی تلاطم خیزیاں اور شورانگیزیاں نہ ہوں وہ مسلمانوں کی فطرت سیماب کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ ایک مدت کی جذبات پرستی سے اِس کے خوگر ہو چکے ہیں کہ ایک ہنگامہ ہو، ایک جوش ہو، ایک خروش ہو، لچھے دار اور دھواں دار تقریریں ہوں، فلک بوس نعرے ہوں، سیل انگیز جلوس ہوں، بڑی بڑی انقلاب آفریں اسکیمیں بنائی جائیں، آسمان اُلٹ دینے والے منشور پروگرام شائع کئے جائیں، تہلکہ مچا دینے والے عزائم و مقاصد کا اعلان کیا جائے اور اگر اِس سے بھی کام نہ چلے تو فریق مخالف کو گالیاں دے کر جیل خانہ ہو آئیں۔ پس اِس کے بعد باعمل مسلمان ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ جاتی۔ انہی کو معراج مقاصد گردانا اور شمار کیا جاتا ہے۔ یہ ہے ''عمل'' کا وہ تصور جو ایک عرصہ سے قوم کے ذہن میں مرتسم کیا جا رہا ہے اور جس کے ذریعے لیڈر قوم کے جذبات سے بری طرح کھیل رہے ہیں۔ تجربات کی بنیاد پر عرض کر رہا ہوں کہ قوموں کے حالات ہنگامہ خیزیوں اور تموج انگیزیوں سے نہیں بدلا کرتے۔ اِن کی حالت میں کوئی تبدیلی مستقل طور پر پیدا نہیں ہو سکتی جب تک اِن کے قلب و نگاہ میں تبدیلی نہ پیدا ہو۔ خارجی دنیا میں کوئی انقلاب رونما نہیں ہو سکتا جب تک اِنسان کی داخلی دنیا میں انقلاب واقعہ نہ ہو جائے، کسی قوم کا معاشرتی نظام صحیح خطوط پر متشکل نہیں ہو سکتا جب تک اُس میں تطہیر فکر و نظر نہ ہو جائے، اِنسان ویسا ہی کرتا ہے جیسا وہ سوچتا ہے۔ لہٰذا جب تک اِنسان کی سوچ کی بنیادیں صحیح نہ ہوں اُس کا کردار صحیح قالب میں نہیں ڈھل

Marfat.com

سکتا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فکر ونظر میں تبدیلی پیدا کرنے کی راہ بڑی صبر آزما اور ہمت شکن ہے۔ کیونکہ اِس راہ میں بڑی آہستہ خرامی اور نرم روی کی ضرورت ہے۔ اس میں اوپر سطح کی تلاطم انگیزیاں نہیں بلکہ عمیق دریا کی غیر محسوس روانیاں ہیں۔ پھر اس راہ کی دوسری بڑی رُکاوٹ یہ ہے کہ جذبات پرست قوم پیش پا اُفتادہ مفاد کی طرف لپکنے کی خوگر ہوتی ہے اور قلب ونظر کی تبدیلی کے آثار کئی نسلوں کے بعد جا کر سامنے آیا کرتے ہیں۔ مرزا اسد اللہ غالب کے بقول ''عجلت پسند قوم کی تمنائے حصول مقاصد بے تاب، اور دل دنیا کا عشق آسا انقلاب، صبر طلب ہوتا ہے۔ اس لئے ہنگاموں، جلسوں جلوسوں کی عادی قوم فکر ونظر کی تبدیلی کی جد وجہد کو عمل میں شمار ہی نہیں کرتی۔ ہم نے اپنے لئے قلب ونگاہ کی تبدیلی کی دشوار گذار راہ کو تجویز کیا ہے۔ ہمیں بخوبی علم ہے کہ شورش انگیز، ہنگامہ پرور قوم نے اقبال پر بھی یہ الزام عائد کیا تھا کہ وہ ایک باعمل شاعر ہے۔ کیونکہ جذباتی لوگوں کے نزدیک عمل کا مفہوم انہی جیسی ہنگامہ آرائیاں ہوتا ہے۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ سراپا عمل فصلی طیور اپنی اپنی بولیاں بولنے والے نہیں ہوتے بلکہ نتائج انہی بے عمل اِنسانوں کے فکر ومساعی ہی سے پیدا ہوئے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ راہ کتنی لمبی اور اِس کا سفر کس قدر حوصلہ آزما ہے۔ پیش پا اُفتادہ مفاد کی ایمان شکن جاذبتیں بھی ہمارے سامنے ہیں اور قدم قدم پر دعوت نظارہ دے رہی ہیں۔ ہم اِن مفادات کے سہل الحصول طریقوں کو بھی جانتے ہیں اور اِن کے غصب ونہب کی راہوں سے بھی واقف ہیں۔ لیکن اِس کے باوجود ہم نے اپنے لئے وہی طریق تجویز کیا ہے۔ جس میں نہ کوئی عاجلانہ لذت ہے نہ نگاہ فریب کشش۔ نہ فوراً مشتعل ہو جانے والے جذبات کی جھوٹی تسکین کا سامان ہے نہ راتوں رات انقلاب برپا کر دینے والی طفلانہ آرزوؤں کی فریب دہی کا کوئی نسخہ، ہماری راہ ستاروں کی سی خاموش روانیوں کی کہکشاں ہے جو رات کی پرسکوت و

Marfat.com

مہیب تنہائیوں میں بے بانگ رحیل و بے جرسِ کارواں، چپکے ہی چپکے طول وطویل منازل طے کرتی جاتی ہے۔ اِس وقت ضرورت اِس امر کی ہے کہ قوم کے بہی خواہ ذہنی اور قلبی انقلاب کے لئے کوشاں ہوں اس لئے کہ اس کے سواء ملت اِسلامیہ کے مرضِ کہن کا کچھ اور چارہ نہیں۔ اِس قسم کی بنیادی تبدیلیاں ایک دن میں رونما نہیں ہو جایا کرتیں۔ اِس وقت اِس انقلاب کے کوئی محسوس اور نمایاں آثار سامنے نظر نہیں آرہے اور ہوسکتا ہے کہ اِسکے لئے اِنسان اپنی پوری عمر اِس جدوجہد میں صرف کر دیں اور انقلاب محسوس صورت میں اِن کے سامنے نتیجہ خیز نہ ہو۔ اِس کام کے لئے نہایت اِستقلال واستقامت سے منہمک ہونا پڑتا ہے۔ اِس جدوجہد میں کسی ایک فرد، یا افراد کی اپنی زندگی کا سوال ہی نہیں۔ سوال تو پوری کی پوری قوم میں انقلاب پیدا کرنے کا ہے اور اِس کے بعد تمام نوعِ اِنسانی میں انقلاب پیدا کرنے کا۔ یہ ایک نسل کی جدوجہد میں پیدا ہو جائے یا اِس کے لئے کئی نسلوں کی مسلسل جدوجہد کی ضرورت پیش آئے۔ مدت کا اِس میں تعین کرنا چنداں درست نہیں ہے۔ حبِ عاجلہ اور فلسفہ نتیجہ خیزی کے ذہنی ونفسیاتی مریض اس کام کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ فکری وشعوری انقلاب برپا کرنے کے لئے تادیر مستقل بنیادوں پر دھیمے اور دھیرے لہجہ وانداز پر کام کرنا پڑتا ہے۔ مدت کی طوالت سے گھبرا کر پھر عاجلانہ طریق کار کی طرف لپک پڑنا ہرگز درست نہیں ہے۔ دوسرا کام اگلے مرحلے کا یہ کہ ملک کے طول وعرض میں درس گاہوں کا ایک ایسا سلسلہ قائم کیا جائے کہ جن میں اِبتداء سے انتہاء تک اِس نہج کی تعلیم دی جائے یعنی قرآن وسنت کی روشنی میں تمام قدیم وجدید علوم کی تعلیم۔ ایسا کرنے کے نتیجے میں قلب ونگاہ کا عرصہ بیس پچیس سال میں طے ہو جائے گا۔ ایسے نقطہ نظر کے حامل لوگ کسی ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور سارے ملک میں اِس قسم کی درسگاہوں کا جال بچھا دیں۔

Marfat.com

بنیاد پرستی اور جذبات پرستی

باہر کی دنیا کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ وہ پاکستانیوں کو (Sentimental Fools) یعنی جذباتی بے وقوف کہہ کر پکارتے ہیں اور اِنہیں Religious Esctremists یعنی مذہبی انتہا پسند کہتے ہیں اور باقاعدہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں مذہبی دیوانگی خوراک ہے۔ کٹر پن وہاں کا قاعدہ اور عام چلن ہے اور مذہب لوگوں کی افیون ہے۔

Fanaticism is the food,

orthodoxy the fule and religion the dope.

پھر بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمان مذہبی بحثوں میں اِس قدر اُلجھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو کافر بنانے میں اس قدر مست ہیں کہ دنیا کے دیگر مسائل سے بے گانہ ہو چکے ہیں۔ فلاں چیز اِسلامی ہے اور فلاں غیر اِسلامی۔ فلاں مسلمان ہے اور فلاں کافر۔ اس کے سواء ہم مسلمانوں کو کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ ہم مسلمانوں کو مستقبل کی خبر نہیں۔ اِسلام پوجا پاٹ کا معاملہ نہیں ۔ یہ اجتماعی زندگی کا نام ہے یہ ایک سوشل آرڈر ہے۔ جمال الدین افغانی نے کہا تھا کہ عالمِ اِسلام کے زوال کی بنیادی وجہ فکر اِسلامی میں انحطاط ہے۔ اگر فکر میں انحطاط رو پذیر ہو جائے تو پھر وعظ و تبلیغ بھی بے معنیٰ ہو جاتی ہے۔ یہ فکری انحطاط نہایت مہلک ثابت ہوتا ہے۔ ملتِ اِسلامیہ کو فکری زوال سے نکالنے کے لئے علامہ اقبال نے ایک منفرد کوشش کی تھی۔ فکرِ اقبال لادینی اور دینی مادہ پرستوں کو بتدریج اُبھرتی ہوئی لہروں کے تلے دبا ہوا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ فکرِ اقبال کو بظاہر اُبھارنے والی کوششیں بھی فکرِ اقبال کو دبا رہی ہیں۔ مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ ہم فروعی مسائل میں اُلجھے رہتے ہیں۔ یہ ظاہری عبادات ہی کو مکمل دین تصور کئے ہوئے ہیں۔ مسلمانانِ عالم کا ایک مرکزی مسئلہ اِسلام کے صحیح فہم اور تاریخ کے شعور کا ہے۔

Marfat.com

امریکہ دشمنی کے اسباب

سوال: اِس وقت امریکہ جو ہاتھ دھو کر مسلمانوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے اس کے کیا اسباب ومحرکات ہیں؟

جواب: امریکہ کی اصل دشمنی کا سبب اسلام دشمنی ہے۔ درحقیقت امریکہ کے نزدیک ہر وہ مسلمان دہشت گرد ہے جو اِسلام کو دین سمجھتا ہے اور اِسے ایک مکمل نظام زندگی سمجھ کر اس کے نظام کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ کے لیے ایسے مسلمان کوئی خطرہ کا باعث نہیں ہیں جو یہ سمجھتے ہوں کہ مذہب ایک انفرادی معاملہ ہے اس کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ نماز روزہ پڑھنے کے ساتھ اگر سود بھی کھالیا جائے اور حرامکاری بھی کر لی جائے تو ایمان و اِسلام پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ ایسے فکر کے حامل مسلمانوں کو امریکہ گلے لگانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ لیکن ایسے مسلمان جو اِسلام کو بطور نظام معیشت، قانونِ حدود وتعزیرات، تہذیب وتمدن اور شعائر اسلامی کے ساتھ ساتھ نظام عدلِ اجتماعی سمجھتے ہیں امریکہ کو ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ انہیں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ایسے مسلمان امریکہ کو کانٹے کی طرح چبھتے ہیں اور کھٹکتے ہیں۔ امریکہ اِسلام کو ایک نظام اجتماعی کے طور پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ امریکہ اِسلام کو ایک تہذیب، ایک تمدن اور ایک مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت سے ماننے اور قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اِسلام کا غلبہ اس کے لئے چیلنج بنتا ہے اس حیثیت سے ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ البتہ اِسلام زیردست ہو کر محض ایک مذہب کی حیثیت سے رہے تو قبول کرتا ہے۔ بصورت دیگر نہ انقلابی مسلمان اِسے ایک آنکھ بھاتے ہیں اور نہ ہی اِسلام بحیثیت نظام پسند ہے۔

Marfat.com

سرمایہ دارانہ نظام اور یہودیوں کا کنٹرول

اسلامی سطح پر رائج سرمایہ دارانہ نظام جسے یہودی کنٹرول کر رہے ہیں یہ ہر اُس نظریئے کو تہہ و بالا کر دینا چاہتے ہیں جس میں کبھی اور کسی طرح بھی ایک مکمل نظام اجتماعی بننے کے امکانات موجود ہوں۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ پہلے امریکہ کے ذریعے مسلمانوں کو ساتھ ملا کر اشتراکیت کو ناکام کیا گیا اور اب اس اشتراکیت کی باقیات کو مفادات کا لالچ دے کر اِسلام اور غیرتمند دینی حمیت رکھنے والے مسلمانوں کی بیخ کنی کرنے کی ٹھانی ہوئی ہے۔ یہ کہنا سراسر جہالت اور نادانی ہے کہ امریکہ سیکولرازم کا علمبردار اور حامی ہے اور مذہبی اور بنیاد پرستی کو دنیا اور عالمی امن کے لئے خطرہ کا الارم سمجھتا ہے تو اِسے سب سے پہلے بھارت کی مذہبی انتہاء پسند حکومت کے خلاف کاروائی کرنا چاہیے تھی۔

بھارت کی مذہبی انتہاء پسندی

کیونکہ بھارتی حکومت مذہبی انتہاء پسندوں کی حکومت ہے اور وہاں سب سے زیادہ مذہبی فسادات ہوتے ہیں۔ بھارت میں مسلمانوں کی عظیم تاریخی بابری مسجد شہید کی گئی، ہندوٗ انتہا پسندوں کے ہاتھوں کسی بھی مذہب کی عبادت گاہ محفوظ نہیں۔ سکھوں کے مقدس مقامات گرائے گئے۔ عیسائیوں پر یلغار کی گئی۔ پادریوں اور راہباؤں کو زندہ جلایا گیا۔ ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ لیکن عالمی امن کے ٹھیکہ دار اور چوہدری امریکہ کو بھارت میں یہ دہشت گردی دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے کان میں جوتک نہیں رینگتی۔ بھارت اِتنا بڑا ظالم اور سفاک ہونے کے باوجود بھی امریکہ کا دوست اور ممدوح ملک ہے اور سارے فساد کی جڑ مسلمانوں کو کہا جاتا ہے۔ عالمی امن کے نامِ نہاد ٹھیکیدار اور چوہدری امریکہ کے حکمران بش کو چھونی میں پانی ڈال کر ڈوب مرجانا چاہیے۔ غریب اور کنگال

Marfat.com

اسلامی ملک افغانستان اور عراق کے مفلس اور غیر تمند افغانی مسلمانوں کا جو خون بہایا جارہا ہے یہ رائیگاں نہیں جائے گا۔ یہ خون انقلاب کی تاریخ مرتب کر کے رہے گا۔ شکنجہ یہود میں جکڑی ہوئی مغربی عیسائی دنیا کو یہ یاد رہنا چاہیے کہ تاریخ اس امر پہ گواہ ہے کہ کبھی بھی مخلص اور غیرتمند مسلمانوں کا خون رائیگاں اور بے نتیجہ و بے اثر نہیں ہوا۔

مجاہدین کی اہمیت

تاریخ کے ہر موڑ پر انقلابی مجاہدین کے خون نے زندہ رہنے والوں کو درس دیا ہے اور غیرت کا پیغام ہر ظالم اور ہر وقت کے یزید اور فرعون سے خونِ مسلم نے حساب لیا ہے اور مسلمانوں نے اپنے خون کی رنگینی سے پرچم اسلام بلند کیا ہے۔ ہر دور کے مجاہد نے مرکر زندہ رہنے والوں کو زندگی کا پیغام دیا ہے اور ظالم حکومت کو موت کا پیغام دیا ہے۔ خونِ مسلم ہمیشہ غلبہ حق کی بحالی کا سبب بنتا رہا ہے۔

صلیبی جنگیں

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عیسائی طاقتوں کی طرف سے صلیبی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ آلات اور انداز اور طریقہ واردات مختلف ہے۔ وہ مسلم اُمۃ کا وہی حشر کرنا چاہتے ہیں جو کبھی سپین میں ہوا تھا۔ یہ سب کچھ نظریاتی سطح پر ہو رہا ہے اور ہم پورے شعور و ادراک سے کہتے ہیں کہ اس کا جواب پسپائی در پسپائی نہیں بلکہ اس کا اصلی علاج مزاحمت ہے۔ جہاں کہیں بھی مسلمان کے بنیادی حقوق پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہے اور اُسے محض اسلام کے حرکی اور انقلابی نظام کی سزا دی جارہی ہے وہاں مزاحمت کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ زمین میں جذب ہونے والا خون ہی وہ قوت پیدا کرتا ہے کہ یزید مرجاتا ہے اور مٹ جاتا ہے اور حسینؑ حق کا اور انقلابی آواز کا استعارہ بن جاتا ہے۔

Marfat.com

رُوحِ مسلم کٹی ہے...نہ جلی ہے

خون دیئے بغیر وقت کے فرعون اور یزید کو مٹانا ممکن نہیں ہے۔ جہاد مسلمان کی زندگی کا ایک ایسا ستون ہے کہ جو ہمیشہ اسے سربلند کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ امریکہ نے غرور اور طاقت کے نشے میں بدمست ہوکر بے سرو سامان مسلمانوں کے خون کی جو ہولی کھیلی ہے اس میں مسلمانوں کے جسموں کو آگ میں تو ضرورت جھونکا گیا ہے لیکن روحِ مسلم نہیں جلی۔ روحِ مسلم نہ تو کٹی ہے اور نہ ہی جلی ہے اور نہ ہی کوڑیوں کے بھاؤ بکی ہے۔ یہ زندہ روحِ مسلم اِنشاءاللہ افغانستان اور عراق کے جھلسے ہوئے جسد کو جلد پھر گل و گلزار بنادے گی۔ افغانستان اور عراق کی دھرتی پر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت اور وفاداری کی شہادتیں خون سے ثبت ہوئی ہیں۔ اِن پاک نفوس مجاہدوں کی قبروں کی مٹی ایک بار پھر.......... علامہ نے سچ کہا تھا:

کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

افغانستان اور اِسلام کی نشاۃ ثانیہ

افغانستان کی سرزمین پر اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی منور سحر اور غلبہ حق کی بحالی اور احیاءِ دین کی بہارِ جانفزاء لازماً ظاہر ہوگی۔ (انشاءاللہ)

خونِ مسلم کبھی بھی رائیگاں نہیں گیا۔

یہ خون جو ہے مظلوموں کا ضائع تو نہ جائے گا لیکن
کتنے وہ مبارک قطرے ہیں جو صرف بہاراں ہوتے ہیں

افغانستان پر طالبان کی وقتی پسپائی اور شکست سے وقت کا فرعون بش اور وقت کا ہامان ٹونی بلیئر اور قارون یعنی عالمی مالیاتی ادارے اِس طرح خوشی و شادمانی کے ڈنکے بجا رہے ہیں جس طرح کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے مدین ہجرت کرنے پر فرعون

Marfat.com

اور اس کے حواری خوش ہوئے تھے۔ حالانکہ فرعون اور اس کے حواریوں کو کیا خبر تھی کہ ایک دن حضرت کلیم اللہ علیہ السلام ایک نئی آن بان اور فاتحانہ شان کے ساتھ مصر لوٹ آئیں گے اور اُس کے فخر وغرور کے سینگ توڑ دیں گے۔

امریکہ اور طالبان

ہمارے نزدیک طالبان کی پسپائی اور شکست وقتی ہوئی ہے۔ بدترین شکست سے امریکہ دوچار ہوا ہے۔ اُصولی طور پر خونِ مسلم ہی کی جیت ہوئی ہے۔ وہ نہتے مجاہدین جنہوں نے اِسلام کے لئے، امارات، وزارت اور بڑی بڑی ترغیبات کو ٹھکرا کر موت کو گلے لگایا ہے۔ مسلمان مجاہدین نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ آج بھی کفر کو للکارنے اور اس کی آنکھوں میں آنکھ ڈالنے کی دنیاوی اور مادی وسائل سے تہی دست ہونے کے باوجود غیرت مسلم موجود ہے۔ نہتے طالبان نے ثابت کر دکھایا ہے۔

ہری ہے شاخِ تمنا، ابھی جلی تو نہیں
دبی ہے آگ جگر کی، ابھی بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسرِ میداں مگر جھکی تو نہیں

امریکہ خونخوار بھیڑیئے کے سامنے سینہ تان کر مسلم مجاہدین نے غیرت وجرأت کی داستان رقم کی ہے۔ جو سنہری حروف کے ساتھ لکھی جائے گی۔ مجاہدین نے امریکہ اور عالمِ کفر کا مکروہ اور بدنما چہرہ دکھایا ہے۔ اِس ظلم اور قیامت خیز تباہی اور بے گناہ افراد کی ہلاکت پر محض ہم ماتم کناں ہی نہیں بلکہ ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا ہے اور جگر چھلنی چھلنی ہے اور عالمِ اِسلام کے حکمرانوں کی بے حسی نے ہمیں جو بے غیرتی اور بے حمیتی کا عملی درس دیا ہے اس پر ہمارا خون کھولتا ہے۔ تاریخ کے صفحات اِس امر پر غماز ہیں کہ غیرت مسلم کو جتنا

Marfat.com

دیا یا جاتا رہا وہ اُتنا ہی اُبھرتا رہا ہے۔

میری سرشت سے ظالم بہت پریشاں ہے
ابھر رہا ہوں وہ جتنا دبا رہے ہیں مجھے

وہ وقت دُور نہیں کہ جب اِن قربانیوں کے نتیجے میں غلبہ حق کی بحالی ہوگی اور دشمن طاقتوں کا غرور خاک میں مل جائے گا۔ اور پھر سے بقول شاعر

شب گریز پاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

11 ستمبر کے بعد امریکی عزائم

سوال: 11 ستمبر 2000ء کے بعد امریکی عزائم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: 11 ستمبر کو نیویارک کے ٹون ٹاورز کی تباہی کو جواز بنا کر امریکہ نے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لئے عالمِ اسلام پر جارحیت کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، بظاہر ابھی اِس کے ختم ہونے کے آثار نظر نہیں آرہے۔ بہت سے ایسے اہداف و مقاصد جن کی تکمیل کے لئے امریکہ کو عرصہ سے بہانہ کی تلاش تھی، اب عالمی ہمدردی کے زیر سایۂ بڑے دھڑلے اور ڈھٹائی سے انہیں پورا کرنے کا موقع اُسے میسر آچکا ہے۔ اِس دہشت گردی کے بہانے یہود و ہنود اور عیسائیت و لادینیت کو ایک مشترکہ دشمن ''اِسلام'' کو ہدف بنانے کا بھرپور موقع ملا ہوا ہے۔ یوں تو عالمِ اِسلام پر اِبتلا کا یہ دور برسوں کی بجائے چند صدیوں پر محیط ہے۔ بیسویں صدی کے شروع میں مسلم ممالک کو اِستعماری طاقتوں نے حصے بخرے کر کے بانٹ رکھا تھا اور آزاد اِسلامی ریاستیں خال خال ہی موجود تھیں تو اکیسویں صدی کے آغاز میں بظاہر تو مسلم ممالک کی ایک بڑی تعداد نہ صرف آزاد ہے۔ بلکہ عالمی آبادی اور ممالک کی تعداد کے لحاظ سے بھی مسلمان دنیا بھر کا

Marfat.com

چوتھائی حصہ ہیں۔ لیکن اِس ظاہری آزادی کے باوجود ذہنوں کی غلامی اور فکری محکومی پچھلی صدی سے کئی گنا بڑھ چکی ہے۔ پہلے غیر ملکی اِن ممالک پر بذاتِ خود قابض تھے، اب اِن کی حکومت بالواسطہ ہے۔ اِستعمار نے اِن ممالک کو آزادی ہی اِس قیمت پر دی ہے کہ وہاں اِس کی فکری اولاد اپنا تسلط قائم رکھ سکے۔ اِن ممالک پر اپنے تسلط کو باقی رکھنے کے لئے اِستعمار نہ صرف اپنی فکری اولاد کی مسلسل سرپرستی کرتا ہے بلکہ اِن کی اور مسلمانوں کے مقتدر طبقہ کی تعلیم و تربیت کا بارگراں بھی اِسی نے اُٹھا رکھا ہے۔

بے جا مداخلت اور جارحیت کا مقصد

جس ملک میں اِستعمار کی گرفت ڈھیلی پڑتی نظر آتی ہے، وہاں ہر قیمت پر مداخلت اور جارحیت کے ذریعے اپنے مہروں کو عنانِ اقتدار پر قابض کیا جاتا ہے۔ افغانستان کا منظر نامہ سامنے ہے۔ اِس پورے المیہ کا حل صرف اس نتیجے پر موقوف تھا کہ ملا عمر کی بجائے حامد کرزئی کی حکومت وہاں قائم ہو جائے۔ اسامہ بن لادن کا ہوا یا القاعدہ کی دہشت گردیاں تو صرف اِس مقصد تک پہنچنے کے لئے ایک بہانہ تھیں۔ فقط اِسی مقصد کے حصول کے لئے افغان عوام پر آتش و آہن برسایا گیا اور شہروں اور دیہاتوں کو تباہ و برباد کیا گیا۔ کیونکہ وہاں ایسی حکومت قابل قبول نہیں تھی۔ جو سامراجی پالیسیوں کی راہ میں رکاوٹ بنتی اور اِن کا دباؤ قبول نہ کرتی۔

جدید دور کی کرشمہ سازیاں

جدید دور کی کرشمہ سازیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اِستعماریت سیاست سے بڑھ کر اب آگے کئی نئے روپ دھار چکی ہے۔ نیا دور معاشی، ابلاغی اور فکری و تعلیمی استعماریت کا دور ہے یہ صدی پچھلی صدی سے زیادہ مشکل ہے کہ اب جارحیت و تسلط کا انداز زیادہ پیچیدہ اور سائنٹفک ہو گیا ہے۔ اِنسانی حقوق کے نام پر ''اقوام متحدہ'' اگر

Marfat.com

عالمی قوتوں کی یرغمال ہے تو معیار (ISO سرٹیفکیشن) کے نام پر دنیا بھر کی تجارت پر مغرب کا انجینئرڈ تسلط ہے۔

پچھلی صدی اور موجودہ صدی میں فرق

پچھلی صدی اور موجودہ صدی کا عالم اِسلام میں یہ بھی فرق ہے کہ تب غلامی کی زنجیریں اپنے وجود پر ہمیں محسوس ہوتی اور بوجھل لگتی تھیں اور مسلمان اِن سے آزادی حاصل کرنے کے لیے بے چین و سرگرم تھے۔اب جدید اِستعمار نے غلامی کا رنگ ڈھنگ بدل دیا ہے اور مسلمانانِ عالم کو اِس محکومیت کی متنوع صورتوں کا نہ احساس باقی رہا ہے اور نہ اِس سے پیچھا چھڑانے کی کوئی مستقل اور پرعزم منصوبہ بندی اِن کے پیشِ نظر ہے۔

ترقی پسند اور اِسلام پسند طبقہ

پچھلی صدیوں میں مسلمانوں کا ذہین اور باصلاحیت طبقہ اِس جدوجہد آزادی میں ملتِ اِسلامیہ کے شانہ بشانہ کھڑا تھا، اب وہی بااثر اور مقتدر طبقہ اپنے ہی ہم مذہبوں اور ہم وطنوں پر حکومت کر کے عیاشی میں مصروف ہے۔ مسلم ممالک میں ترقی پسند اور اِسلام پسند کے دو واضح طبقے موجود ہیں۔ جس میں اوّل الذکر ترقی کے نام پر مغرب نوازی اور اِن کے ایجنٹ کا کردار ادا کر رہا ہے۔ وہ ہر چیز کو اہلِ مغرب کی عینک سے دیکھتا ہے۔ یہی وہ طبقہ ہے جو مسلم ممالک کی اشرافیہ کہلاتا ہے اور اقتدار کے سرچشموں پر قابض ہے۔ دوسری طرف جنہیں رِجعت پسند کا طعنہ دیا جاتا ہے وہ اِسلام کا نام لیوا طبقہ ہے اور وہ اِسلام کے عالمی امن کو اُجاگر کر کے اِس کو نافذ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن مغربی ذرائع انہیں فنڈامنٹلسٹ کا طعنہ دیتے ہیں جس میں حالیہ برسوں میں دہشت گرد کے اعزاز کا بھی اضافہ ہو گیا ہے گویا مسلمان اور دہشت گردی اِس نئے دور میں لازم وملزوم

Marfat.com

متصور ہوتے ہیں۔ پچھلی صدیوں کو موجودہ دور سے یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ تب خلافتِ اسلامیہ کے تحت مسلمان تمام مصائب کے لئے اُٹھی آواز بلند کرنے کا پلیٹ فارم رکھتے تھے، اب اقوامِ متحدہ نے مختلف قومیتوں اور رنگ و نسل میں بانٹ کر اور اُسے تقدس عطا کر کے ہمیں جسد واحد بننے سے روک رکھا ہے۔ جدید تعلیم اور ذرائع ابلاغ نے اِس طرح مسلمانوں کی ذہن سازی کر دی ہے کہ اُمت کے نام پر اتحاد مسلمانوں کو ایک دقیانوسی تصور معلوم ہوتا ہے۔ غرض کہ شکاری پرانے ہیں اور شکار بھی وہی لیکن جال نیا ہے اور ہتھکنڈے بھی زیادہ پر فریب ہیں۔

ریاستوں کا انتشار

امریکہ ۵ ریاستیں ہو کر بھی ایک ریاست ہے، یورپ میں بھی ریاست کا تصور انتظامی حد بندی وغیرہ کے لئے ہے، جب کہ ویزا، کرنسی اور تجارت بالکل آزاد ہے، لیکن مسلمانوں کے مغرب برانڈ حکمران اپنی اپنی بادشاہت چمکانے کے لئے مختلف ریاستوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ باہمی تجارت بھی یورپ کی تجارتی تنظیموں کے توسط سے کرتے ہیں اور کرنسی کا تبادلہ بھی ڈالرز میں۔ ملوکیت کا چسکا بھی چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ رکھنے کے لئے اِن میں برقرار ہے اور یہ ملوکیتیں مغربی اِستعمار کو بالکل نہیں کھٹکتیں۔ کیونکہ یہاں اِن کا مفاد اِسی طرح ہی پورا ہوتا ہے کہ وہ انہیں کمزور رکھ کر تحفظ کے نام پر اِن سے منہ مانگی قیمت وصول کریں اور جب چاہیں اِن کے تحفظ پر آئی افواج سے کسی ایک مسلمان ملک کی گردن دبوچ کر اِس پر قابض ہو جائیں۔ ترقی یافتہ دنیا کی تہذیب اور قانون پسندی بھی ایک ڈھونگ ہے۔ انہوں نے اپنے ہم وطنوں کے لئے عزت و تکریم کا جو خوبصورت خاکہ پیش کیا اور اُسے عملاً اپنے ممالک میں قائم کر کے دکھایا ہے لیکن قوموں کی برادری میں وہ مساوات اور عزت کی پاسداری ایک فریب سے زیادہ کی

Marfat.com

حیثیت نہیں رکھتی۔ اپنے ملک میں جو پوری تہذیب و قانون پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں، دنیا کی برادری میں جب نکلتے ہیں تو نسلی تفاخر اور قومی غرور کے دائرے سے باہر نہیں نکل پاتے۔ اِن کے پیمانے اپنوں اور غیروں کیلئے سراسر مختلف ہیں اور وہ دوسروں کو اپنے جانوروں جتنا حق دینے کو بھی تیار نہیں۔ اپنے ایک فرد کے لئے دوسری پوری قوم کو ہراساں کرنا اور زندہ رہنے کا حق بھی چھین لینا اِن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اپنی عیاشی اور برتری کی تسکین کے لئے دوسرے ممالک کے کروڑوں عوام کو تباہی میں دھکیل دینا آج کے مہذب یورپ کا وطیرہ ہے۔ امریکہ کی زیرِ قیادت اتحادی افواج ...... جو دراصل مسلمانوں کے خلاف اتحاد ہے کیونکہ اِس مشترکہ دشمن کو نقصان پہنچانے اور انہیں ہر سطح پر کمزور کرنے میں یورپ اور امریکہ سمیت روس و چین کا بھی اِتفاق ہے...... کی تازہ جارحانہ کاروائیاں اور مسلم ممالک پر اِستیلا و قبضہ کا معاملہ ہو یا برسہا برس سے مسلم اُمہ کے دیگر حل طلب مسائل مثلاً کشمیر، چیچنیا، فلسطین، عراق وغیرہ اِن مسائل کے حل کے لئے مسلمانوں کی پالیسی کی فکری بنیادیں فراہم کرنے میں تامل کر رہے ہیں۔

Marfat.com

باب نمبر ۹:

اِسلام، نکاح، طلاق اور وراثت

Marfat.com

نابالغ بچے اور بچیوں کے نکاح کا حکم

سوال: ہمارے ہاں آجکل مروج ہے کہ ہمارے بزرگ لوگ اپنے بچوں کا نابالغی میں نکاح کر دیتے ہیں کیا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب: شرعاً نکاح تو کیا جا سکتا ہے۔ دیکھنے اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ نابالغی کی مناکحت سے کوئی مسائل تو پیدا نہیں ہوتے، مشکلات تو جنم نہیں لیتیں۔ اگر اُلجھنیں اور مشکلات پیدا ہوں تو پھر نابالغ بچوں کا نکاح نہیں کرنا چاہیے اور ہمارے معاشرے میں خاندانی اور عائلی مسائل میں جو چیز اضافہ اور اُلجھن کا باعث بن رہی ہے اُن میں قبل از بلوغ کا نکاح بھی ہے۔ یہ بات والدین کو کھلے دل سے تسلیم کرنی چاہیے اور شرعاً اِس کی اجازت بھی ہونی چاہیے کہ مرد اور عورت کو اِس کا موقع دینا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے کے بعد باہم مل کر رہنے کا فیصلہ کر سکیں۔ بوقتِ ضرورت وہ باہم گفتگو کر کے ایک دوسرے کا مزاج، صحت، معاشرت اور کردار و اخلاق کے بارے میں اپنا اطمینان کر لیں۔ یہ اس کی شرعاً اجازت ہے۔

پیغام نکاح اور ایک نظر دیکھنا

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص عورت کو نکاح کا پیغام دے اور یہ ممکن ہو کہ وہ اُس کی کوئی ایسی چیز (یعنی جمال، سیرت یا اور کوئی خاص بات) دیکھ لے جو اُس کے لئے ازدواجی کشش رکھتی ہو تو اُسے دیکھ ہی لینا چاہیے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا اور چھپ کر اُس کی وہ چیز دیکھ لی جو میرے لئے وجہ کشش نکاح تھی۔ (ابوداؤد شریف)

اِسی طرح مسلم اور نسائی میں بھی ایک روایت موجود ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک انصاری عورت سے نکاح کرنے والے صحابی سے فرمایا کہ جا کر دیکھ لو۔ حضور

Marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھ لینے کے متعلق اِن ارشادات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ شکوک و شبہات کو پہلے ہی دور کر لینا چاہیے تا کہ بعد کے جھگڑوں سے بچا جا سکے۔ جس طرح مردوں کو انتخاب کا حق ہے اِسی طرح یہ عورتوں کا بھی حق ہے کہ وہ بھی اپنی پسند اور ناپسند کے مطابق انتخاب کر سکیں۔

نابالغی کے نکاح نہ کرنے کی وجہ

نابالغی کی عمر میں نہ تو لڑکے کو انتخاب کا شعور ہوتا ہے اور نہ ہی لڑکی کو۔ اس لئے کمسنی کے نکاح کی رسم کو ختم کر دینا چاہیے۔ بالغ ہونے کے بعد اِتنی عمر ہونی چاہیے جس میں عمومی طور پر مستقبل کے بارے میں سمجھنے کی اہلیت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے کمسنی کا نکاح روکنے کا مطلب صرف نابالغوں کی شادی کو روکنا نہیں بلکہ کم شعوروں کی شادی کا بھی سدِ باب اور خاتمہ کرنا ہے۔ لڑکے اور لڑکی کو اتنا شعور ضرور ہنا چاہیے کہ وہ اپنی آنے والی زندگی کے نشیب و فراز اور نیک و بد کو سمجھ کر انتخاب زوج کریں۔

شرعاً منع نہیں انتظاماً منع ہے

بلا شبہ اِسلام میں کم سنی اور نابالغی کے نکاح کی از روئے شرع کوئی ممانعت نہیں ہے۔ ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح منع نہیں ہے اِسی طرح نابالغی کی عمر میں مناکحت کا حاکم بھی نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم کی تعلیمات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کمسنی کے نکاح کے متعلق خاموش ہے۔ لہٰذا جو چیز منع بھی نہ ہو اور حکم بھی نہ ہو ایسا کام جواز اور اباحت کے مرتبہ میں ہوتا ہے اور واضح سی بات ہے کہ مباح فعل کا ہر حال میں مباح رہنا بھی ضروری نہیں ہے۔ معاشرے کے حالات کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مباح حرام بھی ہو سکتا ہے اور اس کا کرنا واجب بھی۔ مباح تو مباح ہے اگر حالات کا تقاضا ہو تو حلت حرمت میں اور حرمت حلت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

فقہی قاعدہ کا انطباق

فقہی قاعدہ اور کلیہ ہے "الضرورۃ تبیح المحظورات" کا مطلب دونوں طرفوں کو شامل ہے کہ بوقتِ ضرورت ناجائز شے مباح ہو جاتی ہے اور مباح چیز ناجائز ہو جاتی ہے۔

خاندانی نظام کی خرابیاں

نابالغی اور کمسنی کی مناکحت پر پابندی اِس لئے لگا دی جائے کہ موجودہ دور میں اِس کی وجہ سے خاندانی نظام میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس میں شر کا پہلو غالب ہو گیا ہے۔ جب ایک قاضی اور مفتی یہ دیکھے کہ اب معاشرے کی یہ صورت حال نہیں ہے تو پھر حکم اپنے مقام اباحت پر لوٹ آئے گا یہ بھی عین ممکن ہے کہ کم سنی کا نکاح کسی دور اور کسی خاص معاشرے میں نقصان دہ نہ ہو۔ اس لئے استثناء کا پہلو بھی باقی رکھا جائے گا۔

اباحت اور عدمِ اباحت میں مصلحت وقت کا لحاظ

اباحت اور عدمِ اباحت کا فیصلہ ایک معاشرے اور سوسائٹی اور ایک دور کے حالات سے ہوتا ہے۔ محض حضرت سیدہ عائشہؓ کے نکاح کو نظیر بنا کر فتویٰ دینا درست نہیں ہے۔ ان کے نابالغی کے نکاح کے متعلق جو روایت منقول ہے وہ بھی محل نظر ہے اور ساتھ ہی کسی چیز کا عہد رسالت سے ثابت ہونا اور اُس کو بعینہٖ قبول کر لینا اِتباع سنت نہیں ہے۔ اصلی اتباع سنت مصالح و حکم کو پیشِ نظر رکھ کر کوئی فیصلہ کرنا ہے۔

فکر پر پہرے بٹھانا

ہم لوگ بکے رُخے ہیں اور لکیر کے فقیر ہیں۔ غور و فکر سے فیصلہ کرنا ہم خطرے کا الارم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وسیع تناظر میں سوچے سمجھے بغیر کوئی حکم لگانا از روئے شرع منع

Marfat.com

بھی نہیں ہے بلکہ تقاضا شریعت ہے۔ اِتباع شریعت کا اصلی مقصد معاشرے میں اطمینان وسکون اور امن واستحکام پیدا کرنا ہے۔ غور وفکر کیے بغیر کسی بھی مسئلہ کے بارے میں جائز وناجائز کا فتویٰ لکھتے وقت مفتیان دین کو بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

طلاقِ ثلاثہ

سوال: طلاقِ ثلاثہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: تین طلاقیں دی جائیں تو ایسی طلاق کو مغلظہ کہا جاتا ہے مرد اور عورت اُس وقت شوہر اور بیوی نہیں بن سکتے جب تک مطلقہ کا مکمل عقد ثانی پھر دوسرے مرد سے طلاق یا موت کی وجہ سے جدائی ہو کر عدت نہ پوری ہو جائے۔ تین طلاقیں جو ایک ہی مجلس میں بیک وقت دفعۃً دے دی جائیں وہ عہد رسالتؐ میں اور دورِ صدیقی میں اور کچھ مدت تک دورِ فاروقی میں رجعی سمجھی جاتی تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ دیکھ کر کہ لوگوں نے اِسے مذاق بنا رکھا ہے۔ طلاقیں دیں اور پھر رجوع کر لیا۔ یہ حکم دے دیا کہ اب جو بھی شخص ایک ہی مجلس میں دفعۃً تین طلاقیں دے گا وہ رجعی کی بجائے مغلظہ ہوں گی۔ یہ حکم دینے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مغلظہ ہونے کے خوف سے ایک تو طلاق کی کثرت رُک جائے گی اور اگر ناگزیر ہو تو وہ سنت کے طریق پر دی جائے۔ سنت طلاق یہ ہے کہ ہر طہر بے مواصلت میں ایک طلاق دی جائے۔ تا کہ دونوں میاں بیوی کو اپنے مستقبل کے تمام شیب وفراز پر اچھی طرح غور وفکر کرنے کا موقع ملے۔

حضرت عمرؓ اور مصلحت وقت

حضرت عمرؓ کا یہ حکم ایک خاص مصلحت کے تحت تھا۔ مصلحتِ وقت کے تقاضا کی بناء پر یہ حکم دیا گیا۔ شرعی مسئلہ یہ تھا کہ ایک کام جو منع تھا اور خلافِ سنت تھا لیکن اگر کسی سے ہو جائے تو اِسلامی شریعت اُس کی گرفت نہ کرتی تھی جب لوگوں نے بکثرت

Marfat.com

بے خوف ہو کر اُسے شروع کر دیا تو حضرت عمرؓ نے انتظامی طور پر یہ حکم دے دیا کہ آئندہ سے تین تین ہی شمار ہونگی ۔ یہ قانونی اور انتظامی فیصلہ اس لیئے کیا گیا تا کہ لوگ ایک ساتھ تین تین طلاقیں نہ دیں ۔ یہ حکم شرعی نہ تھا بلکہ قانونی اور انتظامی تھا۔ کہ لوگ ڈر جائیں کہ اگر اب ایسا کیا گیا تو بیوی نکاح سے نکل جائے گی ۔ جب تک وہ دوسرا نکاح نہ کرے اور نکاح بھی اپنی باقاعدہ رغبت کے ساتھ دوام کے لیے کرے ۔ حلالہ کر کے چھوڑ دینے کے لئے ہرگز نہ ہو۔ حضرت عمرؓ حلالہ کے سخت ترین مخالف تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی کے لوگوں کے لائق جو تھا اُنہیں وہ حکم حاصل تھا۔ لیکن اس وقت کے لوگ محروم کر دیئے جانے کے قابل ہو گئے ہیں۔ پہلے والے لوگ پے در پے برابر تین طلاقیں نہیں دیتے تھے، وہ لوگ طلاق کے سنت طریقے کو ملحوظ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اُن میں خوف الٰہی تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کے ساتھ آسانی اور سہولت کا معاملہ رکھا۔ اب جب عہد فاروقیؓ تھا تو لوگ نڈر اور بے خوف ہو گئے اور وہ برابر طلاقیں دینے لگے تو حضرت عمرؓ نے انہیں اِس انعام الٰہی سے محروم کر دیا تا کہ اِن کے دماغ اور پھر اِن کا طریقہ درست ہو جائے۔ گویا حضرت عمرؓ کا یہ فتویٰ درّہِ فاروقی ثابت ہوا جو اُن کی سزا کے لئے تھا۔ مشروع اور مسنون طریقہ طلاق ایک کے بعد ایک ہے نہ کہ سب ایک ساتھ۔ جو شخص ایک وقت میں برابر پے در پے طلاقیں دیتا چلا جاتا ہے وہ حد سے گذر جاتا ہے وہ اپنے نفس پر زیادتی اور ظلم کرتا ہے اور احکامِ الٰہی کے ساتھ مذاق اور کھیل کرتا ہے۔ پس وہ اِس قابل ہو گئے کہ خلیفہ راشد ثانی نے بطور سزا دہی کے اِن پر سختی کر دی۔ احکام شریعت سے کھیلنے والوں کو رُخصتِ الٰہی سے محروم کر دیا گیا۔ تا کہ اُن کی آنکھیں کھل جائیں۔ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ برحق اور درست تھا۔ اِسے غلط کہنا سراسر غلط ہے۔ عہد فاروقیؓ میں سہل انگاری شروع ہو گئی اور رُخصت کا برا استعمال ہونے لگا، طلاق کے شرعی طریقہ کو ترک کرنے کا رُجحان بڑھتا گیا اور مصلحتِ

Marfat.com

شرع کو پسِ پشت ڈالا جا رہا تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں جو آسانی دی تھی اُنہوں نے اُس کی ناقدری کرنا شروع کر دی، خلیفہ وقت نے اُن سے آسانی دور کر دی اور اُنہیں اپنے کیئے کی سزا دی۔ جب تک لوگ اللہ تعالیٰ کی رُخصت کو قبولیت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے حدود الٰہی کی پاسداری کی اور اُس کے احکام کو سر آنکھوں پر رکھا اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی دی ہوئی اور کی ہوئی سہولت اور آسانی کو اُن پر بحال رکھا۔ لیکن جب یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رُخصت میں مست ہو کر حدودِ الٰہی کا خیال بھی بھلا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ وقت کے ذریعے سے قانون ہی اور بنا دیا۔ لوگوں کی جہالت اور حماقت اور اِن کا ترک تقویٰ، اُن کی بے احتیاطی اور ان کے خلافِ سنت فعل پر اصرار نے اُن کے ہاتھوں سے بطور سزا رُخصت چھین لی۔ خلیفہ وقت نے اُنہیں جرم قرار دیا اور اُن پر بطور جرمانہ رُخصت چھین لی۔ حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کی روشنی میں آج بھی فتویٰ اِسی پر دیا جاتا ہے۔ اِس دور میں ازدواجی زندگی میں خاصی اُلجھن اور پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے۔ اس کو مغلظہ قرار دینے کے نتیجے میں ایک اور بڑی آفت اور مصیبت یہ پیدا ہوگئی ہے کہ حلالہ جیسے مکروہ فعل کا چوپٹ دروازہ کھل گیا ہے۔ کیونکہ اِس میں ایک ایسا عقد ہوتا ہے جس میں میاں بیوی بن کر رہنے کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ بلکہ طلاق دلوانے ہی کے لئے یہ نکاح کرایا جاتا ہے۔ اور ایسے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے دونوں ہی پر لعنت کی گئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک فرمایا کہ میرے پاس ایسا کوئی مقدمہ آیا تو میں اِن دونوں کو رجم کروں گا۔

رجم کی تہدید

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس رجم کی تہدید کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ صرف ایک حکم کو لے لیا جاتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں مغلظہ ہوتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اگر ایسی تین طلاقوں کو مغلظہ قرار دیا تھا تو دوسری طرف حلالے کا دروازہ بھی بند کر دیا تھا تاکہ

Marfat.com

طلاق جب ہو تو دفعۃً نہ ہو بلکہ بطریق سنت ہو۔ لیکن ہم لوگ صرف حکم تغلیظ کو تو قبول کریں اور فتویٰ دے دیا جس کے نتیجے میں کثرتِ طلاق کا روک تو نہ رُک سکا مگر حلالے کا دروازہ بری طرح کھل گیا۔

حلالہ اور نکاح میں فرق

حلالہ اور نکاح شرعاً صورتاً و معناً دونوں پہلوؤں سے مختلف طرزِ عمل ہیں۔
حلالہ ایک مجبوری ہے اور نکاح اختیار و خوشنودی پر مبنی ہے۔ حلالہ غیر تمدنی حرکت ہے۔
نکاح کی غرض یہ ہوتی ہے کہ میاں بیوی مل جل کر رہنے کا عہد کریں اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کا سچے دل سے پیمان باندھیں۔ حلالہ اِس کے برعکس بے حیائی کا دروازہ کھولنے والا ہے۔ ''حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ'' سے مراد یہ حقیقی نکاح ہے۔ جس کو ایک عورت اور اُس کا پہلا رُخ غیرت و حمیت کو قربان کر سکے بوجہ مجبوری گوارا کرتا ہے۔

حلالہ کہتے ہیں جس عورت کو تین طلاقیں ہو چکی ہوں اُس کا نکاح کسی سے صرف اس لئے کر دینا کہ وہ پہلے خاوند پر حلال ہو جائے۔ نیا خاوند اُس سے سیاہ کاری کر کے اُسے طلاق دے دے تو پہلا خاوند دیوث بن کر اُس عورت سے پھر نکاح کر لے۔
حضور نبی اکرم ﷺ نے حلالہ کا نکاح کرنے والے کو کرایہ کا سانڈ کہا ہے۔ اُدھار لیا ہوا سانڈ کہہ کر اُس پر لعنت کی ہے۔

حلالہ کے مفاسد

متعدد واقعات سننے میں آئے ہیں کہ حلالہ کا نکاح کرنے والا شخص مطلقہ عورت کو لئے ہوئے گھر میں پڑا ہے باہر عورت کا پہلا خاوند اور ولی اولیاء، اقرباء کھڑے انتظار کر رہے ہیں۔ منتظر ہیں کہ وہ کب کام پورا ہو اور کب یہ حرام عورت اُس پر حلال ہو اور ایسے واقعات بھی سننے میں آئے ہیں کہ حلالہ کا وعدہ کرنے والے شوہر ثانی نے عورت کو مستقلاً ہی اپنے پاس رکھ لیا اور پہلا اصلی شوہر عمر بھر پچھتاتا رہا۔

Marfat.com

تحریری تصدیق اور شہادت کے بغیر طلاق

سوال: اگر تحریری تصدیق اور گواہی کے بغیر طلاق کو تسلیم نہ کیا جائے تو کیا شرعاً کوئی حرج ہے؟

الجواب: بہتر یہی ہے کہ حلقے کے ذمے دار یا پنچائیت یا جسے مناسب سمجھا جائے اُس کی تحریری تصدیق کے بغیر طلاق کو مؤثر تسلیم نہ کیا جائے۔ اس کی رہنمائی قرآنِ حکیم کی تعلیمات سے ملتی ہے کہ جب تم آپس میں کسی مدت تک قرض کا لین دین کرو اُسے لکھ لیا کرو۔ واضح سی بات ہے کہ نکاح اور طلاق کا معاملہ قرضے کے لین دین سے کہیں زیادہ اہم اور نازک ہے۔ اس لئے نکاح اور طلاق کے لئے تحریر کو شرط قرار دینا غلط نہیں ہے۔ بلکہ تحریری شرط اور تصدیق بہت سے نزاعات کے ازالہ کے لئے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ قرآنِ حکیم نے جو نکاح وطلاق کا نظام اور قانون دیا ہے اور اِس کا مقصد بیان کیا ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِسلام نے طلاق جیسے ابغض الحلال یعنی ناپسندیدہ کام میں رکاوٹیں پیدا کرنا ہے۔ تاکہ ناگزیر ضرورت کے بغیر یہ وجود میں نہ آئے۔ اور یہی مقصد کسی حد تک تحریری شرط اور قید لگانے سے پورا کیا جا سکتا ہے۔ تحریری شرط برائے نام نہیں ہونی چاہیے کہ محض خانہ پُری کے لئے اور دل ٹھپنے کے لئے نہ ہو کہ وہ خود لکھ لے یا کسی ایرے غیرے سے لکھوا لے۔ اِس سے تحریری تصدیق کی شرط کا حقیقی مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تحریری تصدیق کسی ذمے دار یا پنچایت یا کسی ایسی کمیٹی سے ہو جو خالصتاً اِس کام کے لئے مقرر کی گئی ہو۔

تحریری تصدیق کی حکمتیں

تحریری تصدیق کے مرحلے کو طے کرنے میں بہت سے عوامل پوشیدہ ہیں۔ مثلاً

Marfat.com

ایک تو کچھ وقت لگے گا، دوسرا اندرونِ خانہ کا معاملہ دوسروں کے ہاں زیرِ غور بنے گا، تیسرا لوگوں میں جب بات جائے تو لوگ حکمین کا کردار ادا کریں گے۔ مسئلہ کو سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ نفسیاتی طور پر ایک دباؤ پڑتا ہے اور ساتھ ہی اِس مرحلے کو طے کرنے میں کچھ نہ کچھ وقت لگتا ہے اور یہ عبوری وقت مرد کے مزاج کو ٹھنڈا کرنے اور اُس کی ناراضی و رنجش کو دور کرنے میں مدد دے گا۔ کیونکہ طلاق کی نوبت اکثر و بیشتر وقتی غصے اور رنجش کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کڑی شرط کو عبور کرتے کرتے معاملہ سدھرنے کے امکانات قوی تر ہو جاتے ہیں۔ زبانی کاموں میں اکثر جھگڑے پڑتے ہیں۔ اِن جھگڑوں کا سدِّ باب کرنے کے لئے تحریر کا رواج اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔

عنداللہ اور عندالقضاء کا فرق

یہ ایک حقیقت ہے کہ تحریر یا شہادت کی اصلی غرض و غایت اور ضرورت عند الناس قضاۃ کے لئے ہوتی ہے۔ عنداللہ کسی معاملے کی حقیقت پوشیدہ نہیں ہوتی۔ بسا اوقات ایک شخص عنداللہ گنہ گار اور مجرم ہوتا ہے لیکن عندالناس قضاء کے لحاظ سے اُس کا گنہ اور جرم ثابت نہیں ہوتا۔ اِسی طرح کبھی کبھا ایسا بھی ہوتا ہے کہ جھوٹی گواہیوں سے عدالت میں جرم ثابت ہو جاتا ہے لیکن حقیقتاً وہ عنداللہ بے گناہ ہوتا ہے۔ اگر ایک مرد اور عورت گواہوں کے بغیر آپس میں نکاح کرلیں تو وہ عنداللہ نکاح منعقد ہو جائے گا یعنی وہ آخرت میں گنہ گار اور مجرم نہیں ہونگے لیکن عندالقضاء اور معاشرہ کے نزدیک ایسا نکاح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اِس طرح تو پھر ہر ناجائز تعلق کے بارے میں دونوں مرد اور عورت دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم نے نکاح کرلیا تھا۔ اِسلام نے حرامکاری کا راستہ روکنے کے لئے شہادت کی شرط رکھی ہے۔ تاکہ ناجائز اور خفیہ آشنائی کا راہ روک دیا جائے۔ بس یہی صورت طلاق کی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانے کتنے لوگ ایسے ہیں جو ہر آئے دن صریح

Marfat.com

یا کنائی طلاق دیتے رہتے ہونگے۔ جس کی کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ لیکن ان کو عند الناس میاں بیوی ہی سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا طلاق عند الناس طلاق ہونے کے لئے تحریری تصدیق کی شرط لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ قانونِ قضاء کے اعتبار سے ہی مسائل حل کئے جاتے ہیں۔

فتویٰ اور تقویٰ کا فرق

باقی لوگوں میں آخرت کی فکر پیدا کرنی چاہیے۔ آخرت کی گرفت اور احتساب پیدا ہو جائے تو یہ سب معاملات سدھر جائیں۔ تقویٰ اور فتویٰ کی نزاکت کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ ایک مفتی اور قاضی فتویٰ کا پابند ہے۔ کیونکہ قضاء کے فیصلے صرف عند الناس والے فیصلے ہوتے ہیں اور ہر قانون کے ظاہری اور فتویٰ کے تقاضے پورے ہو جانے کے بعد بھی کچھ تقویٰ کی رُو سے ایسے گوشے رہ جاتے ہیں جن کے بارے میں حضور ختمی مرتبت ﷺ کا فرمان عالی شان ہے وامرہ الی اللہ اس کا باقی معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

قرآن کا تصورِ طلاق

سوال: قرآنی تصور طلاق کیا ہے؟ اور اس سلسلے میں پائی جانے والی خرافات کا ازالہ کیونکر ممکن ہے؟

جواب: یہ ایک امرِ حقیقت ہے کہ جہاں کئی برتن پڑے ہوں وہاں باہمی ٹکراؤ اور رگڑاؤ سے برتنوں میں آواز پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ اگر میاں بیوی دونوں شستہ اور شائستہ مزاج کے ہوئے، فہم و فراست کے مالک ہوئے تو گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ سکون و راحت اور آرام و آسودگی اُس گھر کا مقدر بن جاتی ہے۔ بدنصیبی سے میاں اور بیوی دونوں بدمزاج ہوئے، اکھڑ ہوئے، اور دونوں بے عقل اور بے وقوف ہوئے تو بے

Marfat.com

سکونی و بے اطمینانی اور پریشانی جو دوزخی زندگی کا عکس ہے۔ اس کے سائے منڈلانے سے زندگی برباد ہوگی۔ اور دونوں میں سے اگر ایک سمجھ دار ہوا اور دوسرا فریق احمق و بے وقوف تو پھر جنت دوزخ دونوں کی ہوائیں آکر کبھی آرام اور کبھی پریشانی کا باعث۔

ازدواجی زندگی میں کبھی مرد طلاق دینا چاہتا ہے مگر عورت طلاق کے نام سے ہانپتی اور کانپتی ہے۔ اور کبھی عورت طلاق لینا چاہتی ہوتی ہے لیکن مرد اسے سخت ناپسند کرتا ہے۔ کبھی دونوں جدائی اور مفارقت کے خواہشمند ہوتے ہیں مگر معاشرتی، اقتصادی، خانگی اور اولاد کی مجبوریاں حائل ہو جاتی ہیں اس لیے دونوں سکوت و خاموشی سے اپنے جذبات واحساسات پر کنٹرول کئے رکھتے ہیں۔ کبھی مرد دل سے طلاق دے چکا ہوتا ہے، دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ عورت کو چھوڑ چکا ہوتا ہے، مگر کسی عارضہ کی وجہ سے زبان کو قابو میں رکھ لیتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زبان سے طلاق نکل چکی ہوتی ہے۔ لیکن دل اس کے ساتھ نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے "ابغض الحلال الی اللہ الطّلاق" (ابوداؤد شریف)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز چیزوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت اور ناپسندیدہ اور مکروہ چیز طلاق ہے۔

قانونی اور اخلاقی پہلو

طلاق قانونی اعتبار سے ایک موثر چیز تو ضرور ہے لیکن اخلاقی جہت سے بے حد ناپسندیدہ ہے اس لیے ضروری ہے کہ طلاق کا نظام اور قانون بناتے وقت صرف اس کی قانونی علت کو مدِنظر نہ رکھا جائے بلکہ اس کی ناپسندیدگی کا احساس غالب رہنا چاہیے۔ ایک مفتی اور عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسائل طلاق پر بحث کرتے ہوئے اور فتویٰ لکھتے وقت طلاق کی البغضیت کا احساس غالب کر کے مسئلہ پر سوچنا چاہیے۔

Marfat.com

سوچنے کی باتیں

مندرجہ ذیل باتوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۱) ایسی صورتیں اختیار کی جائیں کہ وقوع طلاق کے امکان کم سے کم کیے جائیں۔

کیونکہ ''جمع'' تفریق پر مقدم ہے۔

(۲) فوری غصے کی طلاق کی قانونی روک تھام کی جائے۔

(۳) زبانی طلاق کو جو عموماً فوری ہوتی ہے موثر نہ قرار دیا جائے۔

قرآن حکیم نے ان تمام نزاکتوں کو بھرپور بیان کیا ہے۔ قرآنی شرائط اور پابندیوں کو سامنے رکھ کر قانون طلاق مندرجہ ذیل امور پر بتایا جاسکتا ہے۔

(۱) حکمین کے بغیر طلاق کو موثر نہ مانا جائے۔

ارشادِ ربانی ہے۔

وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکماً من اهله وحکماً من اهلها ان اراداا اصلاحاً یوفق الله بینهما (النساء)

ترجمہ: اگر تمہیں زوجین کے باہم جدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک بیوی کے خاندان سے لےلو۔ اگر یہ دونوں صلح وصفائی کی نیت رکھتے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو باہم ملا دے گا۔

(۲) اهله اور اهلها کے لفظ صرف خاندان سے خاص نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا مفہوم یہی ہے جو ایک ہمدرد وکیل کا ہوتا ہے۔ پنچائیت جس میں دونوں طرفوں کے نمائندے موجود ہوں وہ بھی یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔ علاقہ کے معزز اور معتمد لوگ بھی یہ کام کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

حکمین مقرر کرنے کا مقصد

بعث حکمین کے بعد بھی اگر طلاق پر اصرار ہو اور ضد ہو اور سعی و کوشش صلح وصلاح کی کامیاب نہ ہو سکے تو جس فریق کی طرف سے طلاق کی خواہش ہو اسے علیحدگی میں سمجھایا جائے۔ یہ سمجھانے کا عمل طلاق سے پہلے کا ہے۔ اسے ملحوظ خاطر رکھنا بہت ضروری ہے۔ اتمامِ حجت کے بغیر طلاق کا فتویٰ نہ لکھا جائے۔ طلاق دینے والے شوہر یا لینے والی بیوی دونوں سے وجہ طلاق معلوم کر کے اس کے ازالہ کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ پنچائیت اور بعث حکمیں کا مقصد و مدعا جدائی اور مفارقت کے اسباب اور عوامل کو دور کر کے صلح وصلاح اور صفائی و مصالحت پیدا کرنا ہے، ان کا فرض صرف وکالت زوجین کرنا نہیں بلکہ انہیں الگ الگ سمجھانا بھی ہے۔ تاکہ دونوں اپنے اپنے مطالبات یا شکوہ وشکایت میں کچھ نرمی و لچک پیدا کر کے صلح وصفائی کی طرف قدم بڑھائیں۔

(۳) جو طلاق ایام ماہواری میں دی جائے یا حالت طہر میں دی جائے جس میں مواصلت ہو چکی ہو اسے تسلیم نہ کیا جائے۔

ارشاد ربانی ہے:

"اذا طَلقتم النسآءِ فطلقو هن لعد تهن و احصوا العدة"

جب تم عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے لیے دو (یعنی حالت طہر میں دو تاکہ شمار عدت میں سہولت ہو) اور عدت کو شمار کرتے رہو۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق دے دی تو حضور ختمی مرتبت ﷺ نے حکم دیا کہ رجوع کر کے ایسے طہر میں طلاق دو، جس میں مواصلت نہ ہوئی ہو۔ اس سے ثابت ہوا جو طلاق بحالت حیض دی جائے وہ واقع تو ہو جاتی ہے لیکن اس کا رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔ لہذا اگر وقوع اور پھر رجوع کے لمبے چوڑے چکر اور

Marfat.com

جنجال میں پڑنے کی بجائے اسے موثر نہ قرار دیا جائے، تو کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں بھی کئی حکمتیں اور مصلحتیں کارفرما ہیں، مثلاً

۱۔ مخصوص ایام میں عورتوں کا دماغی توازن عموماً معتدل اور متوازن نہیں ہوتا اس وجہ سے اس حالت کی کسی مکروہ اور ناپسندیدہ بات کو طلاق کا باعث نہیں ہونے دینا چاہیے۔

۲۔ ان ایام میں عموماً مردوں کی طبیعتوں میں بھی یک گونہ گریز اور تنفر پایا جاتا ہے۔ لہذا اس عارضی کھچ کھچاؤ کو بھی وجہ طلاق نہیں بننے دینا چاہیے۔

۳۔ طہر کے لیے مواصلت نہ ہوئی ہو شرط ہونا از روئے حدیث بہت معقول بات ہے کیونکہ طلاق کے بعد میاں بیوی کا ازدواجی تعلق یعنی مواصلت بالاتفاق رجوع ہوتا ہے۔ اس شرط کی وجہ سے رجوع کا امکان قوی تر ہو جاتا ہے۔

گواہوں کے بغیر طلاق کو صحیح تسلیم نہ کیا جائے

ارشاد ربانی ہے۔

"واشهدوا ذوی عدلٍ منكم......"

طلاق کے لیے دو معتبر گواہ بنالیا کرو۔

اس آیت قرآنی سے ثابت ہوا کہ گواہوں کے بغیر کوئی طلاق تسلیم نہیں کرنی چاہیے گواہ بھی ایسے ہونے چاہیں جن کو پہلے سے بتایا گیا ہو کہ تمہیں طلاق کے واقعہ کے گواہ تاکہ وہ محض گواہ بننے کے لیے نہ جائیں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ توفیق دے تو وہ دونوں کو اس ناپسندیدہ فعل سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کریں۔ ان دونوں گواہوں میں ایک گواہ شوہر کے خاندان کا ہو اور دوسرا گواہ بیوی کے خاندان کا ہو۔

(۵) طلاق کی عدت مکمل ہونے تک بیوی کو شوہر کے ہی گھر میں رکھا جائے اور حسب

Marfat.com

سابق بیوی کا نان ونفقہ شوہر کے ذمہ ہو۔ تاکہ دونوں اپنی زندگی کے نشیب وفراز اور بچوں کے مستقبل کے بارے میں پورے شعور کے ساتھ غور وفکر کرلیں۔

(۶) طلاق کی تکمیل کے بعد اگر عورت حاملہ ہوتو وضع حمل تک کے جملہ اخراجات شوہر کے ذمہ ہوں۔

(۷) وضع حمل کے بعد ارضاع خواہ یہ فرض بیوی ہی کیوں نہ ادا کرے کے اخراجات شوہر کے ذمے ہوں۔ یہ تصور سراسر غلط ہے کہ طلاق ہوگئی تو اب شوہر تمام تر ذمہ داریوں سے چھوٹ گیا اور اس پر کوئی بوجھ نہیں رہا۔ مرد کو طلاق کا ارادہ کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے کہ یہ چھٹکارہ اتنا آسان نہیں۔

(۸) طلاق اگر مرد کی خواہش سے ہوتو اس کے مکمل ہونے کے بعد وہ تمام چیزیں جو وہ اپنی بیوی کو کبھی دے چکا ہو خواہ وہ زمین ہو یا مکان، زرمہر ہو یا طلائی زیورات، لباس پوشاک ہو یا ظروف وغیرہ۔ تمام سامان عورت ہی کے ملکیت سمجھیں جائیں۔

(۹) بیوی کو حضانت کا حق دیا جائے۔ اور اس درمیان کے اخراجات شوہر کے ذمے ہوں۔ اس شرط کے ساتھ کہ یہ سپردگی کی خواہش شوہر کرے۔ اور عورت عقد ثانی نہ کرے۔ ورنہ بیوی کے ذمے ہو۔ جدائی کے بعد بچے کی پرورش کا حقدار قرآن کے نزدیک باپ ہے۔ ''مولودلہ'' کہا ہے۔ یعنی بچہ باپ ہی کا ہے۔ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ کہ ماں پرورش کرے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جب تک وہ عقد ثانی نہ کرے، دوران حضانت اخراجات کے متعلق عدل کا تقاضا یہی ہے کہ اگر عورت اپنی خواہش سے بچے کو لینا چاہے تو اخراجات کی ذمہ دار بھی وہی ہے۔ اور اگر باپ اسے ماں کے سپرد کرنا چاہے تو پھر اخراجات کا ذمہ دار باپ ہے۔ بچہ کی حضانت کی مدت سات آٹھ ہونی چاہیے تاکہ بچہ خود کھا اور پہن سکے، اور لڑکی کی مدت حضانت

Marfat.com

سن بلوغ ہونی چاہیے کیونکہ جتنی ماں تربیت کر سکتی ہے اتنا باپ نہیں کر سکتا۔

مطلقہ کے عقد ثانی کی قید بھی درست ہے کیونکہ اغلباً بچے کا بھلا بھی اسی صورت میں ہے۔ عقد ثانی کے بعد نئے باپ کا بچے سے عدم دلچسپی پھر زوجین کے تعلقات میں کچھ تلخی اور رنجش پیدا ہونے کی وجہ سے بچے کی پرورش میں مطلوبہ خیر کا نہ پیدا ہونا بھی قرین قیاس ہے۔ حق حضانت میں جو بات ملحوظ خاطر رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ حضانت کا حق دیتے وقت یہ مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے کہ پرورش کا مقصد پورا ہوتا ہو۔ صرف شوہر کو محروم کرنا مقصد نہ ہو۔ پرورش کا مقصد صرف ضروریات زندگی کی تکمیل نہیں۔ علاج معالجہ، صحت اور تعلیم تربیت بھی ہے۔

(۱۰) حلقے کے ذمے دار یا پنچائیت یا جسے مناسب سمجھا جائے کی تحریر تصدیق کے بغیر طلاق کا فتویٰ لکھنے سے گریز کیا جائے۔

نکاح کے لیے بھی تحریری تصدیق ہونا لازمی قرار دیا جائے اور طلاق کے لیے بھی تحریری تصدیق ضروری ہو۔

تحریری شرط لگانے سے بھی کمی واقع ہوگی۔ کیونکہ طلاق کی تحریر لکھانے کے لیے مجسٹریٹ تحصیلدار پنچائیت یا کوئی مناسب آدمی کے مرحلے کو طے کرنے میں تو کچھ وقت لگے گا اور یہ عبوری وقت مرد کی ناراضی اور رنجش کو دور کرنے میں مدد دے گا۔ جو کسی فوری جذبے سے اس کے اندر پیدا ہو گیا ہوگا۔ پھر جس سے وہ اسے طلاق نامے کی تصدیق کرائے گا وہ بھی صرف تصدیق ہی نہیں کرے گا بلکہ حکمین کی طرح سمجھانے اور معاملہ سلجھانے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا مفید صورتحال سامنے آئے گی۔

Marfat.com

فقہی مذاہب کی سہولتوں سے استفادہ کرنے کے اُصول

سوال: آپ جانتے ہیں کہ اِس وقت یہ مسئلہ عالمِ اسلام کے مختلف مقامات پر پوری شدت کے ساتھ اُٹھایا جا رہا ہے کہ مختلف فقہاء مجتہدین کے مذاہب چونکہ سب مبنی بر صداقت ہیں۔ اس لئے ہر انسان کو ہر مسئلے میں آزادی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے لئے جس مذہب میں آسانی سمجھے اُسے اختیار کرے کیا اِس کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

جواب: آپ نے درست کہا ہے کہ یہ سوچ کسی قید وشرط کی پابندی کے بغیر عالمِ اِسلام میں رواج پا رہی ہے جو قطعاً دُرست نہیں ہے۔ میں اِس سلسلے میں چند موٹی موٹی باتیں عرض کیے دیتا ہوں۔

(1) فقہی مذاہب کی سہولتوں کو محض خواہش نفسانی کے لئے اختیار کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس کا نتیجہ شرعی احکام کی پابندی سے آزادی ہے۔ البتہ قواعد وضوابط کی رعایت رکھتے ہوئے کسی فقہی مذہب میں دی گئی سہولت کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً

(1) جن فقہاء کا قول اختیار کیا جا رہا ہے وہ قول معتبر ہو اور اقوالِ شاذہ میں سے نہ ہو۔

(2) اُس قول کو اختیار کرنا کسی حقیقی مشقت کو دور کرنے کے لئے واقعۃً ضروری ہو گیا ہو۔

(3) خواہ یہ ضرورت معاشرے کی حاجتِ عامہ یا خاصہ کی شکل میں ہو یا انفرادی ضرورت کی صورت میں۔

(4) ایسے قول کو اختیار کرنے والا ایسے اہلِ علم میں سے ہو جو اقوالِ فقہاء میں سے انتخاب کی صلاحیت رکھتا ہو یا ایسا شخص ہو جو کسی ایسے اہل شخص پر اعتماد کر رہا ہو۔

(5) سہولت پر مبنی قول کو اختیار کرنے سے کوئی مشروع مقصد پورا کرنا مطلوب نہ ہو۔

(6) اُس سہولت کو اختیار کرنے پر متعلقہ شخص کا ضمیر مطمئن ہو۔

Marfat.com

(7) جب تلفیق کے نتیجے میں اجماع کی مخالفت کی جائے یا کوئی ایسا راستہ اختیار کیا جائے جو اجماع کی مخالفت کو مستلزم ہو۔

(8) جب تلفیق کے نتیجے میں کوئی ایسی مرکب حالت وجود میں آجائے جو مجتہدین میں سے کسی کے نزدیک بھی معتبر نہ ہو۔

اِسلام میں کفو کی حیثیت

سوال: کفائت کی کیا حقیقت ہے؟ اِسلام اس کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

جواب: لغت میں الکفاۃ کے معنی ہیں وہ حالت جس کے ذریعے کوئی چیز دوسری چیز کے برابر ہو جائے۔ الکفو کے معنی مرتبہ اور منزلت ہے دوسرے کے ہم پلہ ہونے کے ہیں۔ فقہائے اُمت کے نزدیک میاں اور بیوی کا ایک دوسرے کا ہم کفو و ہم پلہ ہونا معتبر ہے۔ قرآن حکیم نے نکاح کے تین مقاصد بیان کئے ہیں۔

(۱) میاں اور بیوی دونوں کو ایک دوسرے سے سکون واطمینان حاصل ہو۔

(۲) زوجین میں باہمی اخلاص ومحبت ہو۔

(۳) دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں۔

لٰہذا نکاح کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں کے عادات واخلاق اور معاشی ومعاشرتی حالات ملتے جلتے ہوں۔ دونوں کا عرفی درجہ اور مرتبہ ایک جیسا ہو۔ فقہ میں کفائت کا حاصل یہ ہے کہ ایک لڑکی اپنے کفو میں بغیر اجازت ولی کے نکاح کر سکتی ہے۔ جب کہ غیر کفو میں باجازت ولی نکاح کر سکتی ہے اور اگر کسی لڑکی نے بغیر اجازت ولی کے اپنا نکاح غیر کفو میں کر لیا تو اِس کے اولیاء کو اِس پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوگا اور وہ عدالت سے رجوع کر کے نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک چھ اوصاف میں زوجین کے درمیان مساوات ضروری ہے وہ

Marfat.com

مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱)اسلام (۲)نسب (۳) آزادی (۴)پیشہ (۵)دیانت (۶)مال۔امام شافعیؒ اور فقہائے شوافع کے نزدیک مندرجہ ذیل اُمور میں کفائت معتبر ہے۔ (۱)دین داری (۲)نسب (۳)پیشہ (۴)آزادی (۵)عیوب سے پاک ہونا (۶)عمر کا تناسب۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک صرف دینداری اور پیشہ میں کفائت معتبر ہے۔امام مالکؒ کے نزدیک صرف دینداری میں کفائت کا اعتبار ہے۔امام کرخیؒ، امام جصاصؒ، حضرت سفیان ثوریؒ اور امام حسن بصریؒ کے نزدیک بھی دینداری میں کفائت معتبر ہے۔بہارشریعت کے مؤلف مولانا امجد علی اعظمی رضویؒ کفو کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مسئلہ کفائت میں چھ چیزوں کا اعتبار ہے۔نسب، اسلام، حرفت، حریت، دیانت اور مال۔قریش میں جتنے خاندان ہیں وہ سب باہم کفو ہیں یہاں تک کہ قریشی، غیر ہاشمی، ہاشمی کا کفو ہے اور کوئی غیر قریشی قریش کا کفونہیں ہے۔قریش کا علاوہ عرب کی تمام قومیں ایک دوسرے کی کفو ہیں۔انصار و مہاجرین سب اِس میں برابر ہیں۔عجمی النسل عربی کا کفونہیں مگر عالم دین کہ اِس کی شرافت نسب کی شرافت پر فوقیت رکھتی ہے بلکہ علمی فضیلت تو تمام فضیلتوں پر غالب ہے۔(بہارِشریعت/حصہ ہفتم)

اگر غور وفکر کیا جائے تو اِنسانی عقل اِس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ بے میل اور بے جوڑ نکاح نہ کیا جائے یعنی لڑکی کا نکاح کسی ایسے مرد سے نہ کیا جائے جو اِس کے برابر درجہ کا نہیں۔دینداری میں برابری کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص جو دین کا پابند نہیں لُچا، لفنگا، شرابی، بدکار، نیک، پارسا دین دار عورت کے برابر کا نہ سمجھا جائے گا۔بہرصورت ذہن نشین کرلیا جائے کہ ائمہ احناف اور دیگر فقہائے اُمت نے کفو کا اعتبار کیا ہے لیکن انہوں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ غیر کفو میں سرے سے نکاح ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ کہا ہے کہ بالغ

Marfat.com

لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے اور باپ دادا سے اجازت نہ لی تو ان حضرات کو اعتراض کا حق حاصل ہے اور عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر سکتے ہیں عدمِ نکاح کا قول کسی نے نہیں کیا۔

اگر نکاح نہ ہوتا تو اعتراض کس کا؟ اور تنسیخ نکاح کا دعویٰ کس کا؟ باپ دادا کی اجازت بنے تو غیر کفو میں نکاح ناجائز ہونے کا کسی نے قول نہیں کیا۔ اسلام اصول پسندی کا نام ہے قوم پرستی کا نہیں اور اس کی بنیاد فطری اُصولوں پر ہے۔ قومیت، وطنیت اور رنگ و روپ پر نہیں اس لئے اس کا کوئی بھی موضوع کسی خاندان یا وطن یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام قوموں اور قبیلوں کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے باعث تعارف قرار دیتا ہے۔ محض یہ تقسیم باعث عزت و ذلت نہیں ہے۔ اسلام میں اصل بنائے شرف و فضیلت تقویٰ ہے۔ نسبی اور نسلی غرور عہد جاہلیت کی پیداوار ہے۔ جاہلی اور یہودی جذبے کی صدا ہمارے مسلمانوں میں بھی سنائی دیتی ہے۔ جو درست نہیں ہے۔ کفائت کا اعتبار عقلی اور انتظامی مصالح کے پیش نظر رکھا گیا ہے۔ دینی مصلحت کے پیش نظر نسبی کفائت ترک کرنا افضل ہے اور صرف انتظامی معاملات کو اُستوار رکھنے کے لئے نکاح میں کفائت کی رعایت کا حکم دیا گیا ہے۔ دینی کفاءت کے علاوہ کسی اور امر میں کفائت کو شرعی درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ جن فقہائے اُمت نے دیگر اُمور میں کفائت کا اعتبار کیا ہے وہ اگر آج زندہ ہوتے اور مروجہ تشدد اور تکفیری و تضلیلی فتوؤں کو ملاحظہ کرتے تو وہ یقیناً اپنے قول سے رجوع کر لیتے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ بعد میں آنے والے غیر کفو میں نکاح کو حرام کر دیں گے۔ اب بھی مصلحت کا یہ تقاضا ضرور ہونا چاہیے کہ حتیٰ الامکان زوجین یعنی میاں اور بیوی کا مرتبہ اور درجہ کا لحاظ رکھا جائے۔ اس بارے میں کوئی حتمی قانون تو نہیں بنایا جا سکتا۔ حالات کو دیکھتے ہوئے مصلحت کے ماتحت

Marfat.com

کفائت پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے اور حالات کے مطابق ترک بھی کیا جا سکتا ہے۔ کوئی اور اہم مصلحت اس کی کفائت سے بڑھ کر سامنے آجائے تو عورت اور اِس کے اولیاء کو اپنا یہ حق چھوڑ کر غیر کفو میں نکاح کر لینا بھی جائز ہے۔ خصوصاً جب کوئی دینی مصلحت پیش نظر ہو تو ایسا کرنا اولیٰ ہے۔ اصل چیز زوجین کے مابین مؤدت و محبت کی فضا قائم کرنا ہے اگر یہ کفائت کا لحاظ کئے بغیر قائم ہو سکتی ہے، تو کفائت کو نظر انداز کر دیا جائے بصورت دیگر اِس کا لحاظ رکھنا بہتر ہے۔

ولی کی اجازت کی اہمیت

سوال: ولی کی نکاح میں اجازت کیوں ضروری ہے؟ اِس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: عہد جاہلیت میں عورت کی حیثیت نہایت پست تھی۔ عورت مالِ منقولہ سمجھی جاتی تھی۔ لڑکیوں پر اِن کے ولی ناجائز دباؤ ڈالتے تھے اور ایسے مردوں سے اِن کی شادی کر دیتے تھے جنہیں لڑکیاں پسند نہ کرتی تھیں۔ شادی کے بعد شوہر یہ سمجھتا تھا کہ میں نے مہر کے بدلے بیوی کو خرید لیا ہے چنانچہ شوہر کے مرنے کے بعد اُس کے وارث عورت کو اپنی ملکیت میں شمار کرتے اور اس طرح بہت سے دوسرے مظالم ہوتے تھے اِسلام نے آکر ہر قسم کے ظلم کی بیخ کنی کی اور دو اجنبی رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے والوں کو کفائت کی رعائت کا تصور دیا۔ تاکہ کسی پر کوئی زیادتی نہ کر سکے۔ اِسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی ذات سے متعلق تمام معاملات طے کرے خواہ وہ خرید و فروخت کے ہوں یا دیگر معاہدات۔ اِسلام نے عورت کے اپنی مرضی سے نکاح کرنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔

ولی کو مشورہ کا حق

عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ کیونکہ یہ بھی اِنسان ہے، عقل و فہم کی مالک ہے۔ کوئی عضوِ معطل نہیں کہ سرے سے بغیر ولی کے کوئی کام کر ہی

Marfat.com

نہیں سکتی۔ ایک عاقل بالغ لڑکا اور لڑکی جس طرح دنیا کے دوسرے معاملات میں بڑی حد تک آزاد ہیں اِسی طرح اِسلام نے انہیں نکاح کرنے میں بھی حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے آزادی بخشی ہے۔ والدین اور دوسرے اقرباء اور سرپرست اِس شعبۂ زندگی میں اپنے تجربات کی روشنی میں مفید مشورے ضرور دے سکتے ہیں۔ مگر دباؤ اور جبر نہیں کر سکتے نکاح کرنے والے جوڑے کو بھی چاہیے کہ اپنے بزرگوں کے خیر خواہی کے مشوروں کو قبول کریں۔ اِسلام نے عورتوں کے اولیاء کے لئے لازم ٹھہرایا ہے وہ عورتوں کی مرضی معلوم کر کے اِن کی رضا اور اجازت سے نکاح کے معاملات طے کرنے کے پابند ہیں حتی کہ باپ کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی عاقلہ و بالغہ لڑکی کا اُس کی مرضی کے بغیر جبراً نکاح کر دے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نکاح کے لئے لڑکی کی رضا اور جازت کو ہر حالت میں ضروری قرار دیا ہے۔ غیر شادی شدہ یعنی کنواری لڑکی کی اجازت کا مطلب اُس کا خاموش رہنا ہے۔ حق نکاح عورت کے سپرد ہے اور اِس کی اجازت کے بغیر اولیاء نکاح نہیں کر سکتے۔ نکاح ولی کا حق نہیں ہے۔ ولی کا یہ فرض ہے کہ وہ بالغہ لڑکی سے رضا حاصل کرے پھر کسی شخص سے اُس کے نکاح کی بات چیت طے کرے۔ اِسلام نے جہاں لڑکی کی اجازت اور رضا کو ضروری قرار دیا ہے وہاں اِس کے شرم وحیاء کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا بلکہ اِس کے سکوت کو بھی رضا کا درجہ دیا ہے اور اگر وہ مطلقہ یا بیوہ ہے تو اُس کی صراحتاً اجازت کو ضروری قرار دیا ہے۔ بہر حال نکاح ایک اہم معاملہ ہے جوش کے ساتھ ہوش نہایت ضروری ہے اور شادی کا تعلق بالواسطہ گھر، خاندان اور قوم سے بھی ہے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اولیاء کا مشورہ پیش نظر رہے۔ اگر عورت اور ولی کی رائے میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو عورت کی رائے مقدم ہو گی اور شرعاً اُس کی مرضی کو ترجیح حاصل ہو گی، کیونکہ شادی عورت کی ہو

Marfat.com

رہی ہے۔ اس کے ولی نہیں، عورت پر کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ اس پر اپنی مرضی اور وہ بھی ناجائز مسلط کی جائے۔ بالغ لڑکی کا زبردستی نکاح کرنے کا اُس کے اولیاء کو اختیار نہیں ہے۔ بہار شریعت میں مولانا امجد علی رضویؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ عورت بالغہ کا نکاح بغیر اُس کی اجازت کے کوئی نہیں کر سکتا۔ (بہار شریعت/ ۳۹ حصہ ہفتم)

میرے نزدیک دونوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کی رضا کے بغیر نکاح نہ کریں۔ عورت کو اولیاء کی اجازت کا وسعت بھر پاس و لحاظ رکھنا چاہیے اور اولیاء کے لئے عورت کی رضا حاصل کرنا ضروری ہے۔ نہ اولیاء اس حد تک زیادتی کریں کہ عورت اپنے جائز فطری حق سے محروم ہو جائے اور نہ عورت اتنی بے راہ روی اختیار کرے کہ اولیاء اور خاندان کے لئے باعث ننگ و عار بن جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی یہی فرمایا ہے:

"کہ عورت کو ولی کی رائے لینی چاہیے مگر ولی کو بھی یہ اختیار ہرگز نہیں کہ صرف اپنی رائے سے عورت کا نکاح کرے۔ اس لئے کہ معاملہ عورت کا ہے اور اپنا معاملہ جو خود عورت سمجھتی ہے، مرد نہیں سمجھ سکتا نفع و نقصان عورت کو پہنچنے والا ہے اس لئے اس سے اجازت لینا ضروری ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ۔ باب صفۃ النکاح)

اولیاء اور سرپرستوں کی حکمت

عقلاً نقلاً اور شرعاً یہی بات ہے کہ نکاح کی اصل ذمہ داریاں چونکہ منکوحہ عورت پر عائد ہوتی ہیں اور وہی ساری عمر کیلئے ان کی پابند ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام نے اس کی رائے اور رضامندی کا لینا ضروری قرار دیا ہے۔ نفس کا اصل مختار خود عورت ہے۔ ولی اور سرپرست کو حق نہیں ہے کہ اُس کی مرضی کے خلاف کسی سے اُس کا نکاح کر دے۔ اسلام نے اس کے ساتھ عورت کے شرف نسوانیت کی رعایت سے ہدایت کی

Marfat.com

ہے کہ معاملہ اولیاء ہی کے ذریعے طے ہو اور وہی عقد و نکاح کریں۔ یہ بات عورت کے مقام شرف کے خلاف ہے کہ کسی کی منکوحہ بیوی بننے کا معاملہ وہ خود براہ راست طے کرے اور خود سامنے آکر اپنے آپ کو کسی کے نکاح میں دے۔ اس کے علاوہ چونکہ لڑکی کے نکاح کے کچھ اثرات اُس کے خاندان پر بھی پڑتے ہیں اس لئے بھی سرپرستوں اور اولیاء کو کسی درجہ میں دخیل قرار دیا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر سارا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور اولیاء بے تعلق رہیں تو اس کا بہت زیادہ امکان ہے کہ بے چاری عورت دھوکہ کھا جائے اور کسی کے دام فریب میں آکر خود اپنے حق میں غلط فیصلہ کرے۔ اِن وجوہ و اسباب مذکورہ کی بناء پر ضروری قرار دیا ہے کہ خاص اِستثنائی صورتوں کے علاوہ نکاح و شادی اولیاء اور سرپرستوں ہی کے ذریعے ہو۔ کہنے کا مطلب یہی ہے کہ عورت نکاح کے معاملہ میں مجبور نہیں ہے۔ عورت اپنی مرضی سے جہاں چاہیے نکاح کرسکتی ہے کفو میں ہو یا غیر کفو میں شرعاً نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور باجازتِ ولی اگر غیر کفو میں بھی کرے تو بالاتفاق نکاح صحیح ہے تاہم کفو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

نکاح سیدہ کی شرعی حیثیت

سوال: اگر سیدہ کا اپنے کفو میں معقول اور مناسب رشتہ نہ ہو تو کیا اولیاء کی اجازت سے سیدہ کا غیر کفو میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اِس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: سیدہ کے غیر سید کے ساتھ نکاح کی حرمت کے قائلین نے جو انداز اختیار کیا ہے اس سے تمام اُمت کے اکابرین کی تکفیر و تضلیل واقع ہوتی ہے۔ قائلین حرمت نکاح نے سیدہ کے غیر سید کے ساتھ خواہ وہ قریشی ہو، ہاشمی ہو یا علوی غیر فاطمی ولی کی رضا سے ہو یا عدم رضا سے نکاح کے جواز کو کفر قرار دیا ہے یہ بہت بڑی جسارت ہے اور نصوص قطعیہ اور جمہور اُمت کے بالکل منافی ہے۔ اولیاء اور سرپرستوں کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں

Marfat.com

نکاح کرے تو اس کے عدم جواز کا قول کسی نے نہیں کیا۔ سیدہ کے غیر کفو میں مطلقاً نکاح کے عدم جواز کے ثبوت میں حضرت قبلہ عالم گولڑوی کا فتویٰ پیش کرنا غلط ہے کیونکہ حضرت پیر صاحب سے سوال کیا گیا تھا کہ ایک شخص نے ایسی حالت میں نکاح کیا کہ سیدہ کا قریبی یا بعیدی ولی اس نکاح پر راضی نہ تھا کیا ایسا نکاح جائز ہے تو حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی نے فرمایا ''نکاح مذکورہ جائز نیست'' کہ بیان کردہ صورت میں نکاح جائز نہیں اور اس قسم کے نکاح کے عدمِ جواز پر جس میں ولی قریب یا بعید رضامند نہ ہو اس پر بڑے دلائل کتب فقہ میں موجود ہیں۔

سیدہ کا نکاح قریش کے ہر قبیلے سے ہوسکتا ہے، خواہ علوی ہو یا عباسی یا جعفری یا صدیقی فاروقی یا عثمانی یا اموی اور اسی طرح غیر قریشی معظم ہو عالم ربانی ہو اُس سے بھی اولیاء کی اجازت سے ہوسکتا ہے۔ یہی قول حضرت فاضل بریلوی نے کیا ہے ملاحظہ ہو (فتاویٰ رضویہ: ۵/ کتاب النکاح/ ۷۷)

اہلسنت کی مشہور درسگاہ جامعہ نظامیہ لاہور کے مفتی عبداللطیف صاحب نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ سادات اہلبیت بنی ہاشم میں اور بنی ہاشم قریش کے بارہ قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے۔ قریش کے تمام قبائل ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ اِن کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ جائز ہے۔ اہلبیت کی لڑکی قریش کے ہر قبیلہ کی کفو ہے اور نکاح جائز ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت رقیہؓ اور حضرت اُم کلثومؓ کو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دیا۔ کوئی عاقلہ بالغہ سیدہ اپنے ولی کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح نہیں کرسکتی اور ولی کی اجازت کے ساتھ جائز ہے۔ اگر کوئی سیدہ کسی غیر قریش عالم صالح سے نکاح کرے اور ولی کو کوئی اعتراض نہ ہو تو اِس میں کوئی حرج نہیں۔

اہلسنت کے عظیم عالم علامہ عطا محمد بندیالوی نے سیف العطاء نامی کتاب لکھ کر

Marfat.com

صاحبزادہ پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی کے صحیح موقف کی بڑی جرأت کے تائید و تصدیق کا حق ادا کیا ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے بھی مسلم شریف کی شرح میں محققانہ بحث کی ہے میں اِس سلسلے میں بصد ادب عرض کرونگا کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ جسے عوامی تقریروں کا موضوع بنایا جائے اور اہلبیت نبوت کے فضائل و مناقب اور قدر و منزلت کو گھٹانے کیلئے فتووں کی ٹھُس زبان میں یا عامیانہ انداز میں باتیں نہ کی جائیں۔ سادات کے ادب و احترام کی خاطر بے احتیاطی کا مظاہرہ کرنا اہل محبت ونسبت کے منافی ہے۔ شرعاً ناجائز نہ کہا جائے اور جائز کو عوامی رنگ میں بیان نہ کیا جائے۔ قرآن و سنت میں سادات عظام کے بہت فضائل و مناقب بیان کئے گئے ہیں انہیں بصدقِ دل بیان کیا جائے اور حضرت سیدہ خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا کی عفت و عصمت کی پاسداری ولحاظ کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ زبان سے کوئی ایسا جملہ ہرگز نہیں نکالنا چاہیے کہ جس سے سادات کی ہتک کا گمان پیدا ہوتا ہو۔ حضرت صاحبزادہ پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی نے اپنی کتاب ''نام ونسب'' میں نہایت عمدہ اور محققانہ کلام کیا ہے اور مسئلہ کے مالہٗ و ماعلیہ کو بیان کر کے افراط و تفریط سے اپنے دامن کو بچایا ہے اور یہی حق اور سچ ہے اور یہی ہمارا موقف ہے۔

Marfat.com

اِسلام اور قانونِ وراثت

سوال: اِسلام کا قانونِ وراثت کیا ہے؟ اِس کے بارے میں وضاحت کریں۔

جواب: قرآنِ حکیم نے واضح طور پر وراثت کا قانون بیان کیا ہے۔ اِس سلسلے میں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

(۱) قرآنِ حکیم نے جن لوگوں کے حصے مقرر کر دیئے ہیں۔ اِن کو ذوی الفروض یا اصحابِ فرائض کہتے ہیں اور اصحابِ فرض سے بچا ہوا جن لوگوں کو ملتا ہے اِن کو عصبہ کہتے ہیں۔

(۲) عَصَبہ کی حیثیت میزبان جیسی ہوتی ہے اور اصحابِ فرض مہمان ہوتے ہیں۔ اگر مہمان کوئی نہ ہو تو میزبان سارا کھالے گا اور اگر مہمان ہوں تو پہلے اِن کو کھلائے گا۔ جو بچے گا خود کھائے گا اور اگر کچھ نہیں تو بھی شکر ادا کرے گا۔ ترکہ میت کا اصلی مالک میزبان ہی ہے اور اِسی میں سے اللہ تعالیٰ نے مہمانوں یعنی اصحابِ فرائض کے حصے مقرر کر دیئے ہیں۔ یہ حصے مختلف حالتوں میں مختلف ہوتے ہیں۔

(۳) قرآن حکیم نے بعض حقداروں کا ذکر تو کیا ہے لیکن اُسی جگہ اُن کے حصے نہیں بیان کیئے۔ اس کی تین وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔

(i) یا اشارۃ النص سے اِن کا حصہ صاف نکل آتا ہے۔ مثلاً بیٹے کا جب کہ اور کوئی دوسرا وارث نہ ہو کوئی حصہ نہیں بتایا۔ یعنی ایک بیٹی کا حصہ نصف 1/2 ہے اور مرد کا حصہ عورت سے دُگنا ہوتا ہے۔ لہٰذا بیٹے کا حصہ کل ترکہ ہوا۔

(ii) یا اُن حقداروں کا حصہ بیان کیا جا چکا ہوتا ہے۔ مثلاً والدین کا حصہ بتایا گیا ہے۔ لیکن اولاد کا ذکر ہونے کے باوجود اولاد کا حصہ اِس لئے نہیں بتایا

Marfat.com

گیا کیونکہ اُن کا ذکر پہلے ہو چکا ہوتا ہے۔

(iii) یا اُس کے حصوں کا ذکر آگے آنے والا ہوتا ہے۔

(۴) نسبی ورثاء میں اصلی عصبات ہوتے ہیں اور اصحابِ فرائض عورتیں۔ لیکن بسا اوقات بعض اصحابِ فرض بھی عَصَبہ کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً بیٹیاں اور بہنیں ہوں تو بہنیں عَصَبہ بن کر باقی حصہ لے لیتی ہیں۔

(۵) عَصَبہ دو طرح کا ہوتے ہیں۔ کلی اور جزی۔ کلی سے مراد عصبہ کہلاتے ہیں جو اپنا مقرر حصہ نہیں پاتے بلکہ دوسروں کی طرح حصے دار ہوتے ہیں مثلاً دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی 2/3 ہوتا ہے لیکن اگر باقی ایک بیٹا بھی ہو تو ہر بیٹی عصبہ ہو جائے گی اور ترکہ چار حصوں میں تقسیم ہوگا اور ہر بیٹی کو کل ترکے کا چوتھائی 1/4 ملے گا۔

(۶) بعض لوگوں کی دونوں حیثیتیں بھی ہوتی ہیں۔ یعنی ایک جہت سے وہ صاحب فرض ہوتے ہیں اور دوسری حیثیت سے عصبہ ہوتے ہیں اور اپنی دونوں حیثیتوں سے حصہ لیتے ہیں۔ مثلاً ورثا میں باپ اور ایک بیٹی ہے تو بیٹی کو آدھا 1/2 ملے گا اور باقی نصف میں چھٹا 1/6 تو باپ صاحبِ فرض ہونے کی حیثیت سے لے گا اور باقی 1/3 عَصَبہ ہونے کی جہت سے لے گا۔

(۷) نسبی ورثاء میں سب سے زیادہ حق دار اولاد پھر والدین پھر اطراف یعنی بھائی بہن ہیں اور سببی میں زوجین ہیں۔

(۸) قریب وارث کی موجودگی بعید وارث پر اور بعید کی موجودگی قریب پر اثر انداز ہوتی ہے۔ خواہ محروم کر کے ہو یا منقوص کر کے محروم سے مراد وہ ہیں جسے کچھ بھی نہ ملے اور منقوص سے وہ ہوتے ہیں جو محروم تو نہ ہوں مگر اِس کے حصے

Marfat.com

میں کمی آجائے۔

(۹) اگر اولاد اور والدین نہ ہوں تو اطراف کی حیثیت بالکل اولاد جیسی ہوگی۔

عول ورد

سوال: میراث کے باب میں عول اور رد کے مسئلہ پر بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اِسکے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: عول کی تعریف یہ ہے کہ جب اجزاء اپنے مخرج سے بڑھ جائیں تو مخرج کو بڑھا کر اجزاء کے برابر کرنے کو عول کہتے ہیں تقسیم ترکہ تو یوں ہوتی ہے کہ جو ذو اضعاف اقل ہو اُسی کے عین برابر سارے حق داروں کے حصے بھی ہو جائیں فرق نہ رہے۔ مثلاً وارث ماں، باپ اور دو بیٹیاں ہوں تو تقسیم یوں ہوگی۔

ماں 1/6، باپ 1/6 اور بیٹیاں 2/3۔ سب کو جمع کیا جائے تو 6/6=4+1+1/6 ہوگا۔ یہاں مقسوم اور مقسوم علیہ مساوی ہیں۔

لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقسوم یعنی اوپر والا عدد مقسوم علیہ سے زیادہ یا کم ہو جاتا ہے۔ اجزائے تقسیم وہی اُوپر والا عدد ہوگا۔ خواہ کم یا زیادہ اگر مقسوم علیہ سے زیادہ ہو جائے تو اُسے عول کہتے ہیں اور اگر کم ہو جائے تو اُسے رَد کہتے ہیں۔ مثلاً وارث ایک خاوند اور دو سگی بہنیں ہیں تو اِن کا حصہ یوں ہوگا۔ خاوند 1/2 بہنیں 2/3۔ اب دونوں کو جمع کریں تو 7/6=4+3/6 تو اب مسئلہ سہام 6 سے نہیں ہوگا بلکہ 7 سے ہوگا۔ جس میں تین حصے خاوند کے اور 4 حصے بہنوں کے ہوں گے۔ اِس کو عول کہیں گے اور رد اِسی کا عکس ہے۔ مثلاً ورثاء میں صرف ماں ہے اور دو بیٹیاں تو تقسیم سہام یوں ہوگی۔ ماں کو 1/6 لیکن اِسے جمع کیجئے 5/6=4+1/6 ہوگا۔ اب تقسیم کا مسئلہ 6 سے نہیں ہوگا بلکہ 5 سے ہوگا۔ جس میں سے ماں کو ایک حصہ اور بیٹیوں کو 4 حصے ملیں گے۔ لٰہذا عول میں ہر ایک

Marfat.com

حق دار کے حصے میں اتنی کمی کی گئی کہ حصہ برابر ہو جائے اور 7/6 کی بجائے 7/7 ہو جائے اور ردّ میں ہر ایک حق دار کے حصے میں اضافہ کیا گیا تا کہ 6/5 ہو جائے۔ یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ رَدّ صرف اُس وقت ہوتا ہے جب کوئی عصبہ موجود نہ ہو۔ بعض لوگوں نے عول سے بچنے کے لئے اور راہ بھی نکالی ہے کہ زوجین کا حصہ پہلے نکال دیا جائے اِس کے بعد باقی کوکل ترکہ مان کر دوسرے ورثاء میں حصے تقسیم کر دیئے جائیں۔ اِس اُصول سے اِس میں عول کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر اِس طرح بھی کرلیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اوّل درجے کے عصبہ بیٹے ہیں دوسرے نمبر پر باپ اور تیسرے درجے پر بھائی ہیں۔ لہٰذا اصل عصبہ مرد ہی ہوتے ہیں۔ مرد میں بھی صرف وہ جس کی نسبت میت کی طرف بے واسطہ مؤنث ہو اِسی کو عصبہ بالذات کہتے ہیں۔ بے واسطہ مؤنث کا مطلب یہ ہے کہ جیسے نانا ہے تو وہ عورت یعنی ماں کے واسطے سے ہے۔ نواسہ بیٹی کے واسطے سے ہے۔ الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے فقہائے اُمت نے عصبات بتائے ہیں۔ پسر در پسر در پسر، پھر پدر در پدر، پھر حقیقی بھائی، پھر پدری بھائی، پھر اُن بھائیوں کی اولاد نرینہ، پھر حقیقی چچا، پھر علاتی چچا، پھر اِن دونوں چچاؤں کی اولاد نرینہ، پھر باپ کا چچا، پھر دادا کا چچا۔

عورتیں عَصَبہ

جو عورتیں کبھی عصبہ ہوتی ہیں وہ صرف دو ہیں ایک وہ عورت جو اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے اُسے عصبہ بالغیر کہتے ہیں اور دوسری وہ عورت جو کسی دوسری عورت کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے اُسے عصبہ مع الغیر کہتے ہیں۔ بیٹی، پوتی اور بہن کے ساتھ عورتوں میں کوئی عصبہ نہیں ہوتا۔ صاحبِ فرض عورتوں میں صرف یہی تین ہیں جو کبھی عصبہ ہو جاتی ہیں۔ دوسری عورتیں مثلاً ماں یا بیوی کبھی عصبہ نہیں ہوتیں۔ مردوں میں شوہر

Marfat.com

کبھی عصبہ نہیں ہوتا۔

عورت کا حصہ مرد سے نصف کیوں رکھا گیا ہے؟

سوال: اسلامی قانونِ میراث میں عورت کا حصہ مرد سے نصف کیوں رکھا گیا ہے؟ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: دیکھئے یہ ایک حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر وارث صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو یا صرف ماں باپ ہوں یا فقط بھائی بہن ہوں تو ہر صورت میں مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ بلکہ زوجین کے حصوں میں بھی یہی ایک اور دو کا تناسب رکھا گیا ہے۔ بظاہر یہ عورتوں کی حق تلفی اور مساواتِ حقوق کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن تھوڑا غور و فکر کرنے سے یہ اشکال اور ابہام بھی خود رفع ہو جاتا ہے۔ غور کیجئے ایک شخص تیس ہزار روپے چھوڑ کر مرتا ہے۔ وارث ایک لڑکا احمد اور ایک لڑکی سکینہ ہے اور دونوں شادی شدہ ہیں اور دونوں کے چار چار، پانچ پانچ بچے ہیں تو تقسیم وراثت یوں ہوگی کہ احمد کو بیس ہزار اور سکینہ کو دس ہزار روپے ملیں گے۔ غور کیجئے احمد اپنے بیس ہزار روپے کو اپنی ذات پر، اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرے گا گویا چھ سات افراد پر خرچ کرے گا اس کے برعکس سکینہ دس ہزار روپے کی تنہا مالکہ ہے اس پر کسی کی ذمہ داری نہیں ہے۔ سب کی کفالت کا بوجھ سکینہ کے شوہر پر ہے۔ وہی شوہر اپنا بھی ذمے دار ہے اپنی بیوی سکینہ کا بھی اور اپنے چار پانچ بچوں کا بھی۔ بظاہر دیکھنے میں سکینہ کا حصہ احمد کے حصے سے کم اور نصف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت احمد کی رقم چھ سات افراد پر تقسیم ہو جاتی ہے اور سکینہ کی رقم صرف اس کی ذات کے لئے ہے۔ اس لئے یہ سمجھنا اور اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے کہ عورت کو مرد سے آدھا دلوایا گیا ہے۔ یہ آدھا نہیں بلکہ حقیقتاً زیادہ دلوایا گیا ہے اور یہ صنف نازک کی رعایت رکھی گئی ہے۔ بالفرض ایسا ہو سکتا ہے کہ اگر عورت

Marfat.com

بیوہ ہو اور کثیر الاولاد ہو اور اُسے کوئی کفیل شوہر نہ مل سکا ہو یا ملنے کی توقع کسی وجہ سے نہ ہو تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اِس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے وصیت کا دروازہ قیامت تک کے لئے کھول رکھا ہے کہ مرنے والا 1/3 مال میں سے بخشنے وصیت کر جائے۔

یتیم پوتے کی وراثت

سوال: لاترث ولا نورث سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ یتیم پوتا دادا کی میراث سے محروم ہے آپ اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟

جواب: اِسلام کا قانونِ وراثت نرا لفظی اور خشک قانون نہیں ہے بلکہ اِس کا مقصد ہر شخص کو ظلم و استحصال سے بچانا ہے۔ دادا پر ضروری ہے کہ وہ اپنے یتیم پوتے کو دیکھتے ہوئے اِس کے لئے وصیت کر جائے اور اپنی زندگی میں اِس کے لئے الگ حصہ مقرر کر جائے تا کہ وہ سنگدل چچا کے ناروا سلوک سے بچ سکے۔ یتیم پوتے کو اس لئے محروم رکھنا کہ قانونِ وراثت کے اندر اس کی کوئی لفظی گنجائش موجود نہیں انتہائی بھیانک نتائج کا حامل ہے۔ میں اِس تصور کی قطعاً حمایت نہیں کرتا۔ یتیم پوتے کی میراث کو سمجھنے کے لئے چند اہم اُمور کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ مسئلہ کی حقیقت کا سراغ لگایا جاسکا۔

(۱) سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ اِنسان جو بھی مال و دولت کماتا ہے اِس کا مالکِ حقیقی دراصل اللہ تعالیٰ ہے۔ اِس لئے اِنسان جن ذرائع اور صلاحیتوں کو کام میں لاتا ہے وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ ہی کے عطا کردہ ہیں۔ عقل، دل، ہاتھ پاؤں اور تمام وسائل پیداوار غرض ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور عطا کردہ ہے۔ لہٰذا اِنسان اپنی تمام حاصل کی ہوئی دولت کا صرف امین ہے مالک نہیں اور امین کا کام ہے مالک و خالق کی ہدایت کے مطابق اپنا حصہ بھی لینا اور دوسروں کا بھی حصہ دینا۔ اپنے حصے کو بھی خرچ

Marfat.com

کرنے میں بھی اِنسان آزاد نہیں کہ جس مصرف میں چاہے لائے بلکہ اِس میں اِسے حدود کا پابند کیا گیا ہے۔ وہ لوگ جو اِنسان کی کمائی میں حق دار ہیں۔ وہ اپنے بھی ہیں اور غیر بھی۔ قرآنِ حکیم نے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قرب دار پڑوسیوں اور غیر قرابتی پڑوسی ہم نشین، مسافروں اور قیدیوں کے ساتھ بھی نیکی کا حکم دیا ہے۔ کسی کے مرنے سے صرف امین کی تبدیلی ہوتی ہے۔ دولت اِسی طرح موجود ہے اور اِس کا مالکِ حقیقی بھی اُسی طرح زندہ و قائم ہے۔ مال و دولت کی جو تقسیم زندہ امین کے وقت میں تھی وہی اُس کے مرنے کے بعد بھی قائم رہے گی۔ تاہم مرنے کے بعد ایک فرق پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام حق دار قدرتاً دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔

(۱) ایک وہ لوگ ہیں جن کے متعلق تمام لوگوں کو علم ہوتا ہے کہ مرنے والا یقیناً اِن پر دولت صرف کرتا ہوگا اور اپنی فطری محبت، احسان مندانہ سعادت اور کنبہ پروانہ فطرت کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ صرف کرتا ہوگا اور وہ ہیں اولاد، والدین جس کی وہ خود اولاد ہے اور بھائی بہن جو اُس کے والدین کی اولاد ہیں اور زوج خواہ شوہر ہو یا بیوی۔

(۲) دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا کہ یہ اِن پر بھی خرچ کرتا تھا یا نہیں؟ یا کرتا تھا تو کتنا اور کب؟ یہ لوگ ہیں یتامیٰ، مساکین، قریب اور دور کے پڑوسی ہم نشین، مسافر اور قیدی وغیرہ اِن پر کسی دباؤ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اخلاقی فرض شناسی کے تحت خرچ کرتا ہے۔ اور جتنا اخلاص وللّٰہیت زیادہ ہو اُسی قدر پوشیدگی سے اُن کی اعانت و مدد کرتا ہے۔ ایک ہاتھ سے دیتا ہے تو دوسرے ہاتھ کو خبر نہیں ہونے دیتا۔ کیونکہ اُسے یہ خیال دامنگیر رہتا ہے کہ لینے والا احسان مندانہ شرمندگی کے بوجھ سے نہ جھک جائے۔ اِن دونوں قسموں کے

Marfat.com

مستحقین کی حق رسی کے لئے قرآنِ حکیم نے فطرت کے مطابق دو طریقے اختیار کئے ہیں۔

(۲) پہلی قسم کے لئے قانون وراثت کے معین حصے ہیں اور دوسری قسم کے لوگوں کے لئے قانونی دباؤ ڈالنے کی بجائے خود متوفی یعنی مرنے والے کے اخلاق وضمیر کو مؤثر ترغیبات سے اُبھارا گیا ہے۔ وہ شخص اپنی منصفانہ صواب بدید کے مطابق اُن مستحقین کے حصے الگ کر دے یا اُن کے لئے وصیت کر جائے جس کی تکمیل اُس کے ورثاء ورنہ عدالت کرے گی۔ گویا ایک کے لئے وراثت ہے اور دوسرے کے لئے وصیت۔ وصیت قانونِ وراثت کا ایسا جزو ہے کہ جس سے مفر ممکن نہیں ہے۔ قرآن حکیم کی آیات پر غور کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ قانونِ وراثت اور اِس کا جز یعنی وصیت دونوں مل کر انفاق کی اُسی صورت کو باقی رکھتے ہیں جو مرنے والے کی زندگی میں قائم تھی۔ وہی اپنے اور غیر پہلے بھی مستحق تھے اور وہی اب بھی حق دار رہتے ہیں یہیں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جب غیروں کا حق مرنے والے کے مال میں ہے جس میں غیر کے یتامی بھی ہیں تو اپنے یتیم پوتے کا حق کیونکر معدوم ہو سکتا ہے۔ یتیم پوتے کے لئے قانوناً وصیت کو لازم قرار دیا جائے اور اگر کوئی وصیت نہ کرے تو اِسلامی حکومت اُسے اپنی طرف سے نافذ کر دے یعنی دادا مرنے والا اگر یتیم پوتے کے لئے وصیت نہ کر سکا ہو تو یہ فرض کر لیا جائے گا کہ اُس نے وصیت کر دی۔

Marfat.com

اِسلام اور عورت کی حکمرانی

سوال: کیا اِسلام میں عورت کی حکمرانی جائز ہے؟ اِس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: آپ نے پرانی بحث کو چھیڑ کر مجھے اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔ فتویٰ دینا میرا منصب نہیں ہے اور نہ ہی میں ایسے مفتیانِ دین کو پسند کرتا ہوں کہ جو فتویٰ جو نیسی کا شوق صرف اُس وقت فرماتے ہیں جب اِن کے ذاتی اور سیاسی مفادات کو ٹھیس پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ فوراً اِسلام کو اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لئے اِستعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ میں نے اِس سلسلہ میں کئی علماء سے بات چیت کی تھی بعض نے یہ کہا تھا کہ ہم عورت کی حکمرانی کے خلاف نہیں۔ ہم تو پی پی کی حکومت اور پھر بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف ہیں۔ 1988ء میں ملک بھر میں عورت کی سربراہی کے خلاف واویلا کرنے والوں نے اِسلام اور شریعت کی آڑ میں مخصوص سیاسی جنگ لڑی۔ یہ ہماری بد نصیبی ہے کہ ہمارے بعض سیاسی دینی رہنماؤں نے شریعت اِسلامی کو موم کی ناک بنا لیا ہے وہ جب اور جس طرح چاہیں اُسے اپنی مرضی سے موڑ لیتے ہیں۔ جہاں اِن کا ذاتی مفاد آئے وہاں اِسلام کی تاویلات اپنی مرضی سے کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری دوغلی پالیسیوں کی وجہ سے نوجوان نسل اِسلام سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ اِسلام پر اجارہ داری اور ٹھیکہ داری قائم کرنا درست نہیں ہے۔ اِسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ہر دور کے لئے منبع رُشد و ہدایت اور روشنی کا مینار ہے۔ دین اِسلام کی صحیح شکل کو مسخ کرنا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ میرے نزدیک نہ کسی مخصوص عورت کی حکمرانی کو شرعاً صحیح ثابت کرنا درست ہے اور نہ ہی سرے سے عورت کی حکمرانی کے جواز کو نہ ماننا درست ہے۔ مخصوص لوگوں کا مخصوص شخصیات کی خاطر جواز کا قول کرنا یا عدمِ جواز کا قول

Marfat.com

کرنا میرے نزدیک مذہبی بلیک میلنگ کی ایک صورت ہے۔ دین اسلام ایسا تنگ نظر دین نہیں ہے کہ مرد اور عورت میں درجہ بندی کرتے ہوئے عورت کو بلحاظِ جنس ناقص العقل اور ناقص الدین وغیرہ قرار دے۔ میں عورتوں کو بحیثیت جنس حقیر نہیں سمجھتا۔ اسلام کے نزدیک عمومی طور پر سربراہِ مملکت مرد ہونا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ عورت بحیثیت جنس شجر ممنوعہ ہے۔ اس لئے اس کی حکمرانی بھی ناجائز ہے۔ اس تصور میں دو باتوں کو گڈمڈ کیا جاتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بحیثیت جنس عورت شجر ممنوعہ نہیں ہے اور پھر اس کی حکمرانی بھی سرے سے غلط نہیں۔ ناگزیر حالات میں اس کی گنجائش موجود ہے اور میرے نزدیک یہ گنجائش مطلقاً ہے کسی مخصوص عورت کی حکمرانی کے جواز کے لئے نہیں۔ جمہوری دور میں ہر ایک کو اختلاف کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن یہ اختلاف جواز یا عدم جواز کا فتویٰ بازی کا بازار گرم رکھنے کے لئے نہ ہو معروضی نتائج پر بحث مباحثہ کرنا چاہیے۔ اپنے طبعی رُجحانات کو اسلام بنا کر پیش کرنا درست نہیں ہے۔ اسلام آمریت کو ناپسند کرتا ہے خواہ وہ مذہبی آمریت ہو یا سیاسی آمریت یا فوجی یا غیر فوجی آمریت ہو کسی بھی لحاظ سے ہو اسلام کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ اسلام کے نزدیک بزورِ شمشیر عوام پر مسلط ہونا نہ مرد کے لئے اور نہ ہی عورت کے لئے پسندیدہ ہے اسلام کی رُسوائی اور عوام کے حقوق کی پسپائی کسی بھی سربراہِ مملکت کے دور میں ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت قابل مذمت ہے۔ کسی کو رعایت اس لئے دینا کہ وہ مرد ہے یہ غلط ہے۔ دورنگی کی چالوں نے اسلام اور سیاست کو بدنام کر رکھا ہے۔

عورت کی حکمرانی کی ممانعت نص صریح سے ثابت نہیں

سوال: کیا عورت کی حکمرانی کی ممانعت نص صریح سے ثابت ہے؟ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

Marfat.com

جواب: کیونکہ میں سیاسی طور پر پی پی حکومت سے وابستہ ہوں اور اِس سلسلہ میں میری بات کو جانبداری پر محمول کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اُصولی طور پر قرآن وسنت میں کوئی نص صریح ایسی موجود نہیں جس میں بحیثیت جنس عورت کی حکمرانی کی ممانعت کی گئی ہو اور صرف اور صرف یہ منصب بحیثیت مردوں کے لئے مختص کیا گیا ہو۔ نص صریح سے مراد وہ آیت اور سنت ہے جس کے معنی اس قدر واضح ہوں اور ظاہر ہوں کہ اس میں کسی دوسرے معنی یا کسی قسم کی تاویل کی قطعاً گنجائش نہ ہو۔

مردوں کی قوامیت کا مفہوم

سوال: کیا قرآن حکیم کی سورۃ نساء کی آیت الرجال قومون علی النساء یعنی مرد عورتوں پر قوام ہیں یہ آیت عورت کی حکمرانی کے خلاف نص صریح نہیں؟ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: اِس سلسلہ میں یہ آیت نص صریح نہیں ہے۔ اس آیت کے سیاق وسباق سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اِس کا تعلق خاوند اور بیوی کے ساتھ ہے یا پھر ایک خاندان کے ساتھ۔ البتہ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ عمومی طور پر مرد کی خصوصیات عورتوں سے زیادہ ہیں۔ گھر اور خاندان کا نظم ونسق چلانے میں خاوند بیوی کی نسبت برتر ہے۔ یہ برتری وفوقیت ذمہ داریوں کے حوالے سے ہے۔ اور یہ فوقیت کی نسبت اضافی ہے شوہر بیوی کی نسبت قوام ہے مگر بیٹا ہونے کی نسبت سے ماں کا محکوم ہے۔ ہر ہر مرد ہر ہر عورت پر حاکم ہے اور افضل و برتر ہے یہ تصور درست نہیں ہے۔ یہ آیت مرد اور بیوی سے متعلق ہے لیکن اِس کا حکم عام ہے۔ اس لئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر مردوں کو ایک گروہ اور عورتوں کو دوسرا گروہ تسلیم کر لیا جائے تو مردوں کو بحیثیت طبقہ وگروہ عورتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ نوع کو نوع پر برتری حاصل ہے کا تصور تو کسی حد تک درست مانا جا سکتا ہے لیکن انفرادی طور پر

Marfat.com

یہ کہنا کہ ہر ہر مرد دوسری عورت سے برتر وافضل ہے چنداں درست نہیں ہے۔انفرادی تقابل میں عورت مرد سے زیادہ عقل منداور دانا و بینا ہے اور اس کی ہزاروں مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ میرے نزدیک مردوں کو عورتوں پر فضیلت جنس کی بنیاد پر نہیں بلکہ صفات کی وجہ سے ہے۔ یہ قوامیت وفوقیت اور برتری ذاتی نہیں بلکہ صفاتی ہے اور جہاں بھی صفت کا مرکز بدل جائے گا وہاں یہ عموم خصوص میں بدل جائے گا۔اگر حاکمیت کی صفاتِ اہلیت مرد میں ہوں گی تو وہ حاکم ہوگا اور اگر عورت میں ہونگی تو وہ بن سکتی ہے۔حاکمیت کے لئے معیار صرف اور صرف مرد نہیں بلکہ اہلیت ہے۔تذکیروتانیث نہیں ہے۔تذکیروتانیث میں اُلجھانا درست نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اِس آیت میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ افضیلت جو مردوں کو حاصل ہے عورتوں پر یہ جنس اور مجموعہ کے اعتبار سے ہے۔ جہاں تک افراد کا تعلق ہے تو بہت ممکن ہے کہ کوئی عورت کمالات علمی و عملی میں کسی مرد سے بڑھ جائے اور صفت حاکمیت میں مرد فائق ہو جائے۔میرے نزدیک یہ محض امکان ہی نہیں بلکہ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات خواتین علمی و عملی کمالات میں مردوں سے بڑھ جاتی ہیں۔اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ بڑی عالمہ فاضلہ اور مجتہدہ وفقیہہ تھیں اور کم عمری کے باوجود اِنہوں نے کئی مسائل میں متعدد صحابہ کرامؓ سے اختلاف کیا اور آپؓ کی رائے کو فوقیت حاصل رہی۔کئی صحابہ کرامؓ اولوالعزم ہونے کے باوجود سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے مقابلے میں مجتہد نہیں تھے۔مثلاً حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کو فقہائے اُمت نے مجتہد وفقیہہ تسلیم نہیں کیا۔حضرت خولہؓ کا نام تاریخ اِسلام میں علمی و عملی کمالات کے اعتبار سے ہمیشہ درخشندہ وتابندہ رہے گا۔دیگر کئی صحابیات کے علمی و عملی کارناموں سے تاریخ اِسلام بھری پڑھی ہے۔لہٰذا اِن واقعات کی روشنی میں کہا جا سکتا

Marfat.com

ہے کہ اگر عورت کسی فن اور شعبہ حیات میں اپنے ہم عصر مردوں سے ممتاز اور نمایاں اہلیت کی حامل ہو تو اُسے سربراہ ادارہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جب وہ عورت ذاتی اوصاف کے ساتھ ساتھ اپنے اندر اُس فن کی موروثی اور خاندانی اثرات کے باعث اہمیت رکھتی ہو تو اُسے ترجیح حاصل ہو سکتی ہے۔

عورت کی حکمرانی میں افضل و غیر افضل کا اختلاف ہے

سوال: عورت کی حکمرانی کے بارے میں آپ کا علمائے کرام سے تبادلہ خیال ہوتا رہا ہے لہٰذا یہ اختلاف کس نوعیت کا ہے؟

جواب: 1988ء میں ایک عورت کے لئے وزارت عظمیٰ کے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے موقع پر جمعیت علمائے اِسلام کے مولانا فضل الرحمٰن اور اِن کے دوسرے ایم این اے اجلاس سے غیر حاضر رہے۔ کیونکہ اِس میں ان کا سیاسی مفاد وابستہ تھا اس لئے اُنہوں نے عورت کی حکمرانی کے خلاف کوئی بات نہ کی۔ اِسلامی جمہوری اتحاد کی جماعتوں نے انہیں شریعت سے غداری کا الزام لگایا۔ جمعیت علمائے پاکستان کے سربراہ نورانی مرحوم نے بھی خاموشی اختیار کیئے رکھی تھی۔ بہت سے علمائے کرام نے سکوت اختیار کیا تھا۔ عورت کی حکمرانی کا مسئلہ اجماعی نہیں بلکہ اختلافی ہے اور جہاں اختلافی مسئلہ ہو وہاں بات افضل و غیر افضل یعنی خوب یا خوب تر کی ہوتی ہے۔ حلال، حرام اور غیر اسلامی کی نہیں ہوتی۔

اِسلام کے نظریۂ سیاست میں حسین توازن و اعتدال ہے

سوال: اِسلام کے نظریۂ سیاست کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: اِسلام کے نظریۂ سیاست میں بڑا حسین توازن اور اعتدال پایا جاتا ہے اِس میں

Marfat.com

نہ افراط ہے نہ تفریط۔ اِس میں حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کو بھی مکمل تحفظ دیا گیا ہے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا تصور دیا اور اِس طرح آمریت اور مطلق العنانی کی راہیں مسدود کر دیں اور دوسری طرف عوام کو حکومت سازی کا حق دے کر جمہوریت کو فروغ بخشا تا کہ کوئی طاقت اپنی طاقت کے بل بوتے پر عوام کی گردنوں پر خود کو مسلط نہ کرے۔

اِسلام میں اِسلامی جمہوریت کا تصور یہ ہے کہ جس میں عوام اتنے بااختیار بھی نہیں کہ وہ اللہ و رسول کی مقرر کردہ حدود کو پامال کر سکیں یعنی حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا سکیں اور اِتنے بے بس اور مجبور ولاچار بھی نہیں کہ اپنے حکمران بھی اپنی مرضی سے منتخب نہ کر سکیں یا اپنے عمرانی تقاضوں کے تحت ملکی نظام اپنی صوابدید کے مطابق نہ چلا سکیں۔ اِسلام نے اِس بات کو حرام قرار دیا ہے کہ کوئی شخص عوام کی منشاء و مرضی کے خلاف قوت و طاقت کے بل بوتے پر حکمران نہیں بن سکتا۔ اِسلام نے عرفی اور عصری تقاضوں پر چھوڑ دیا ہے کہ حالات کے مطابق جمہور جو چاہیں فیصلہ کریں۔ نظامِ حکومت صدارتی ہو یا پارلیمانی، سربراہِ مملکت کا تقرر بذریعہ شوریٰ چیئرمین کہلائے یا وزیراعظم یا کچھ اور یہ سب معاملات حالات وعرف پر منحصر ہیں تا کہ عوام ریاست کا نظام حالات کی ضروریات کے تحت خود بطریقِ احسن سرانجام دے سکیں۔

عورت اور جہاد

سوال: کہا جاتا ہے کہ اِسلام میں عورت پر جہاد فرض نہیں ہے اور اِس پر قیاس کرتے ہوئے کہا گیا کہ اس لئے عورت حکمران بھی نہیں ہوسکتی اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: جہاد فی نفسہٖ ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ کیونکہ جہاد بالنفس فرض دین ہے اور جارحانہ جنگ کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔ اِس میں بھی مرد اور عورت کی کوئی تخصیص

Marfat.com

نہیں۔ قرآن حکیم میں جہاں بھی جہاد کا حکم آیا ہے وہاں مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔
جہاد فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں۔ جمہور کا مذہب ہے کہ جہاد میں شرکت کرنے کے لئے والدین کی اجازت لازمی ہے والدین منع کر دیں تو جہاد میں حصہ لینا درست نہیں ہے۔
کیونکہ جہاد فرض کفایہ ہے اور والدین کی معروف میں اطاعت فرض عین ہے۔

احادیث میں جس طرح بعض مردوں کا استثناء آیا ہے کہ اسی طرح عورتوں کے بارے میں بھی آیا ہے۔ کہ انہیں بعض مصالح کی خاطر جہاد سے منع کر دیا گیا۔ لیکن ان دونوں استثناء سے نہ مردوں پر جہاد کی فرضیت ختم ہوئی اور نہ ہی عورتوں پر جہاد کی فرضیت ختم ہوتی ہے۔ مردوں کی طرح عورتوں پر بھی فرض کفایہ کے طور پر فرض ہے۔ میں تو اس سلسلہ میں اتنی بات کرتا ہوں کہ اگر عورتوں کے لئے جہاد فرض نہیں تو جائز ضرور ہے۔
لہٰذا عورت کو اس جدو جہد سیاست کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

فرض کفایہ اور فرض عین کا فرق

سوال: جہاد کے فرض کفایہ اور فرض عین میں کس طرح فرق کیا جائے گا اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: ذہن نشین کر لیا جائے کہ جہاد اُس وقت تک ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے جب تک اُسے جہاد میں شریک کرنے کا با قاعدہ حکم نہ دیا جائے یا وہ افواجِ اسلام میں با قاعدہ شمولیت اختیار نہ کرے اور جب کسی آدمی کو امیر وقت جہاد میں جانے کا حکم دے دے تو اُس وقت ایسے آدمی پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ مثلاً پاکستان کے ہر عاقل، بالغ مسلم اور صحتمند و تندرست پر دفاعِ وطن کے لئے جہاد ضروری ہے لیکن ان پر یہ جہاد فرض کفایہ ہے لیکن جو شیر دل فوجی پاکستان کی افواج میں شمولیت اختیار کر چکے ہیں اور ان کو دفاعِ وطن کے لئے متعین کر دیا گیا ہے ان پر جہادِ فرض عین ہے۔ فرض کفایہ نہیں بالکل اسی

Marfat.com

طرح عورتوں پر جہاد فرض ہے مگر ان کو آپ ﷺ نے باقاعدہ شمولیت کا حکم نہیں دیا لہٰذا ان پر فرض کفایہ ہے۔ جس ضمن میں آپ نے سوال کیا ہے اِس سلسلہ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ کہاں کا اُصول ہے کہ جو چیز فرض نہ ہو وہ جائز بھی نہیں ہوتی! عدمِ فرضیت سے عدمِ جواز ثابت نہیں ہوتا، ملکی سیاسی جدوجہد میں عورتوں کی شمولیت فرض نہیں لیکن جائز ضرور ہے۔

اِسلام اور عورت

سوال: کیا عورت کی حیثیت مرد کے مقابلے میں ثانوی ہے اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: اِسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اِس کے نزدیک مرد اور عورت دونوں ایک ہی جنس کے دو افراد ہیں۔ عورت کی تخلیق فطرت کے عین تقاضوں کے مطابق ہے۔ اسے مرد کے ساتھ تمام معاملات میں برابر کا شریک ٹھہرایا گیا ہے۔ کیونکہ نفسیات، جنسیات، تخیلات، محسوسات، تصورات اور خواہشات کے اعتبار سے مرد اور عورت دونوں کو ایک ہی طرح کی صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دینی اور دُنیوی ہر اعتبار سے مرد اور عورت کو ایک نظر سے دیکھا ہے اور دونوں کو عزت واحترام عطا فرمایا۔ مرد اور عورت دونوں کی ایک ہی جرثومے سے تخلیق ہوئی ہے۔ لڑکا یا لڑکی کا پیدا ہونے میں دونوں کا کوئی اختیار و کمال نہیں ہے اِس لئے لڑکے کو لڑکی سے افضل سمجھنا جہالت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مرد کی پیدائش اور تعلیم وتربیت میں عورت کا کردار اس بات پر واضح دلیل ہے کہ انسانی معاشرے میں اِس کا درجہ مرد کے برابر ہے۔ اسلام نے پہلی مرتبہ عورت کو اُس کا جائز مقام عطا فرمایا اور مرد کے ظالمانہ سلوک سے نجات عطا فرمائی۔ بائبل کی محرف شدہ تعلیمات کی روشنی میں یہ نظریہ کہ عورت گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ ہے اس کی

Marfat.com

آ کر اصلاح کی۔ عورت فتنے کی جڑ ہے یہ بات بھی عیسائی ذہنیت کی طرف سے آئی ہے۔ اسلام کے نزدیک عورتوں کے حقوق بھی اِتنے ہیں جتنے کہ اِن کے فرائض ہیں۔ عورت کے سیاسی، سماجی اور معاشی تمام حقوق اِسی سطح پر متعین ہیں جس سطح پر مرد کے متعین ہیں۔ عورت کے حقوق و فرائض کے حوالے سے نیم خواندہ مذہبی طبقہ الرجک ہے اِسلام نے تو اِس کا مقام و مرتبہ بلند کیا ہے۔ جو کوئی کتر بیونت کرتا ہے یہ اُس کا ذاتی تصور ہے اسلام کے کھاتے میں ڈالنا درست نہیں ہے۔

عورت ناقص العقل نہیں

سوال: کیا اِسلام کے نزدیک عورت ناقص العقل ہے اِس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: عورت کے ناقص العقل کا تصور اِسلام کا نہیں نیم خواندہ طبقہ کا ہے۔ بغیر علم و تحقیق کے اِس طرح کی باتیں اِسلام کے کھاتے میں ڈالتے چلے جانا درست نہیں ہیں۔ اسلام کے نزدیک عورت ناقص العقل یعنی اس کی کھوپڑی اُلٹی نہیں ہے کہ اِس کی عقل ''گدی'' میں ہو یہ تمام باتیں اِسلام سے دوری کی ہیں۔ اِسلام نے اِن تمام باتوں کی مذمت کی ہے۔ عورت نے تو نبی، صدیق، شہید اور ولی پیدا کئے اور اِن کی تربیت کی۔

قرونِ اولیٰ کی مثالی خواتین

سوال: احادیث میں خواتین کی روایات بھی ملتی ہیں اور اِس حیثیت سے عورتوں کا کیا مقام ہے؟

جواب: اُمہات المؤمنین اور دیگر متعدد خواتین کی روایات کثیر تعداد میں کتب احادیث میں موجود ہیں۔ کئی صحابیات تو صحابہ کی اُستاد تھیں جیسے اُم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ وغیرہ۔ حضرت عائشہ بنت سعدؓ ایک ایسی عورت ہیں کہ جن کا شمار تابعیات میں ہوتا ہے۔ امام ذہبیؒ نے اِن کا شمار حفاظِ حدیث میں کیا ہے۔ امام مالک بن انسؒ نے اِن سے احادیث

Marfat.com

روایت کی ہیں۔

حضرت اُم الدرداءؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شاگردہ تھیں۔ انہوں نے کثیر احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت اُم حبیبہ سے حضرت ابواسحاق نے احادیث روایت کی ہیں حضرت ذفرہؓ سے ایک روایت صحیح نسائی میں منقول ہے۔ مشہور تابعی حضرت محمد بن سیرین نے اِن سے حدیث روایت کی ہے۔ حضرت اُم کلثوم کا شمار مشہور تابعیات میں ہوتا ہے۔ حضرت مغیرہ بن حکیم طلحہ بن یحییٰ اور جابر بن حبیبؓ نے اِن سے روایت کی ہے۔ حضرت کلثمؓ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی شاگردہ تھیں اِن سے روایات منقول ہیں۔ حضرت صفیہؓ، حضرت عائشہ بنت طلحہؓ، حضرت صفیہ بنتِ حارثؓ، حضرت عمر بنت عبدالرحمٰنؓ حضرت بی بی قمیر بنتِ عمیرؓ، حضرت اُمّ یحییٰ، حضرت اُمّ ربیعہؓ، حضرت اُمّ عباسؓ وغیرہ وہ مشہور زمانہ خواتین ہیں کہ جن میں سے اکثر نے احادیث روایت کی ہیں اور اُنہوں نے دنیائے علم وتدریس میں بڑا نام کمایا ہے۔

مسلمان حکمران خواتین

سوال: اِسلام کے عہد حکومت میں مسلمان خواتین حکمران رہی ہیں؟ اِس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ ایک حقیقت ہے کہ اِسلامی ادوار میں بہت سی حکمران خواتین بھی رہی ہیں اِن کے حالات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ تقریباً چالیس خواتین کے نام ملتے ہیں جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں حکمرانی کی ہے۔ ملکہ شجرۃ الدر سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی الملک العادل کی پوتی تھیں۔ اس نے کاروبارِ حکومت اِس قدر تجربہ کاری اور دانش مندی سے چلایا کہ اِس کے نام کا خطبہ مساجد میں پڑھا گیا اور اِس نے پڑوسی حکمران عباسی خلیفہ بغداد المستعصم باللہ سے کامیاب نظم ونسق حکومت قائم کیا۔ صفیہ خاتون سلطان صلاح الدین ایوبی کی بہو اور اِن کی بھتیجی تھی۔ اِس نے نہایت عمدگی سے نظام حکومت چلایا۔

Marfat.com

اس کے عہد حکومت میں جتنے رفاہی کام ہوئے تاریخ اِس کی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ملکہ ترکان خیوا کے حاکم سلطان توکوش کی بیوی تھی۔ بے حد روشن نے عملی طور پر حکومت کا کاروبار اپنے ہاتھوں میں رکھا اور اِسے ''خداوند جہاں'' کا خطاب دیا گیا۔ اسے چنگیز خان کے بیٹے نے ایک سازش کے ذریعے قتل کرایا اور اِس کے قتل کے بعد تاتاریوں نے ملک پر قبضہ کرلیا۔ تاریخ اِسلام کے نامور فرمانروا سلطان ملک شاہ سلجوقی کی ملکہ ترکان خاتون نے بھی کامیاب حکومت کی مثال قائم کی تھی۔ بی بی سیدہ یمن کے حکمران علی بن صلیحی کی بہو نے حکمت و دانائی سے حکومت کی۔ بی بی اسماء اس کی بیوی تھی۔ تدبر اور بہادری میں اپنی مثال آپ تھی۔ اس نے بھی اپنے خاوند کی کامیاب حکومت میں پوری رہنمائی کی۔ بی بی فاطمہ بنت محمد سلجوقی عباسی خلیفہ ابوعبداللہ المستکفی لامر اللہ کی بیوی تھی۔ یہ بڑی عالمہ فاضلہ اور مہذب خاتون کے طور پر مشہور تھیں۔ ملکی و سیاسی معاملات میں اپنے حکمران خاوند کی پوری معاونت کرتی تھیں۔ ملکہ سیدہ، ملکہ صبیحہ، ملکہ ترکان، ملکہ راجی، گیتی آراء بیگم، دولتِ ایساں، ملکہ عائشہ اُمّ محمد، ملکہ پونچی بیگم، ملکہ ماہ پیکر، ملکہ صفیہ، ملکہ اُمۃ الحبیب، رضیہ سلطانہ، چاند بی بی، خونزدہ ہمایوں، حرم بیگم، ملکہ ماہ چوچک بیگم، ملکہ مخدومہ جہاں، نواب سکندر بیگم، نواب قدسیہ بیگم، مموہ بیگم، ملکہ قدسیہ زمانی، مغلانی بیگم، عادلہ خاتون، بی بی صاحب جی، نواب حضرت محل، نواب شاہ جہان بیگم، نواب صدر جہاں بیگم، نواب سلطان جہاں بیگم وغیرہ یہ وہ خواتین تھیں کہ جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں کامیاب حکومتیں کیں اور بے شمار اہل علم وفضل کی مالی سرپرستی کرتی رہیں۔ بعض تو اپنے وقت کی بہت بڑی عالمہ فاضلہ اور متقی اور ولیہ خواتین تھیں۔

عورت اور مختلف مناصبِ جلیلہ

سوال: کیا عورت قاضی اور جج بن سکتی ہے؟ اِس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: اِسلام کے نزدیک عورت ہر قسم کے منصب ولایت پر شرفاً فائز ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ وہ خواہ ولایۃ افتاء ہو یا ولایۃ قضاء ہو یا ولایۃ عامہ ہو۔ اِن تمام ولایات پر عورت فائز ہو سکتی ہے۔ علمائے کرام نے واضح طور پر کہا ہے کہ عورت مفتی ہو سکتی ہے یعنی فتویٰ دے سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورت مالی مسائل میں قاضی مقرر ہو سکتی ہے۔ امام ابن جریر طبری کہتے ہیں کہ عورت ہر قسم کے تنازعات میں غیر مشروط طور پر قاضی شہر بن سکتی ہے۔ عورت کے فتویٰ و قضاء پر حلال وحرام کے فیصلے ہو سکتے ہیں۔ عزتوں کے معاملات طے ہو سکتے ہیں۔ حدود و تعزیرات کے فیصلے ہو سکتے ہیں، جان و مال کے سودے ہو سکتے ہیں۔ اِسلام کے ہاں عورت ایک اشرف المخلوقات یعنی ایک افضل مخلوق ہے۔ شرفِ انسانیت اور زیور حسنِ کائنات ہے۔

عورت کا نماز میں امام بننا جائز ہے

سوال: کیا عورت نماز میں امام بن سکتی ہے؟ اِس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: یہ مسئلہ متفق علیہ نہیں بلکہ مختلف فیہ ہے۔ یعنی اِس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت اُمّ ورقہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں مؤذن مقرر کر کے فرمایا کہ اُمّ ورقہؓ اپنے اہل خانہ کی نماز میں امامت کرائیں۔ اہل خانہ میں عورتیں اور بچے سبھی شامل ہیں۔ اس لئے بعض علماء و فقہا نے کہا کہ نماز میں عورت کی امامت جائز ہے بعض فقہائے حنابلہ کے نزدیک عورت نمازِ تراویح میں مردوں کی جماعت میں امام بن سکتی ہے۔ میرے نزدیک عورت، عورتوں کی جماعت میں بلا کراہت امامت کرا سکتی ہے۔ کیونکہ اُصول ہے کہ جس کی اپنی نماز درست ہے اِس کا امامت کرانا بھی درست ہے۔ فقہائے اُمت نے یہاں تک کہا ہے کہ فاسق و فاجر امام کی اقتداء میں نماز ہو جاتی ہے۔ اگر فاسق و فاجر اور ظالم و ستمگر شخص کی امامت میں نماز پڑھنا جائز ہے تو ایک عابدہ زاہدہ عالمہ فاضلہ حافظہ بھی عورتوں کی بلا کراہت جماعت کرا سکتی ہے۔

Marfat.com

ضبط ولادت کی اہمیت اور شرعی حیثیت

سوال: خاندانی منصوبہ بندی کو عموماً ممنوع کہا جاتا ہے آپ کی اِس کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب: ایک اولاد کے بعد دوسری اولاد ہونے تک کے درمیان ایسا مناسب وقفہ رکھا جائے کہ کثرتِ اولاد والدین کے لئے پریشانی کا باعث نہ ہو۔ یہ نہ تو اخلاقاً جرم ہے اور نہ ہی شرعاً ممنوع ہے۔ اولاد کی جسمانی و مادی پرورش اور علمی و روحانی و اخلاقی تربیت دینے میں والدین کو معاشی و معاشرتی تنگی محسوس نہ ہو۔ (Birthcontrol) یعنی ضبطِ ولادت کا مقصد نسل کشی نہیں بلکہ افزائش نسل میں اعتدال کو قائم رکھنا مقصود ہے۔ ہر بچے کے درمیان مناسب وقفہ رکھنا اور وسائل و ذرائع معاش کے اضافے کے ساتھ پیدائش اولاد کو ہم آہنگ رکھنا اچھا ہے برا نہیں ہے۔ ضبطِ ولادت کوئی دائمی اور ابدی طور پر اختیار کرنے کی چیز نہیں ہے۔ یہ وقتی تقاضوں کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ اِس کی ضرورت صرف اُس دور تک کے لئے ہے جس میں وسائل معاش و معیشت کی کمی ہو اور آبادی زیادہ ہو اور جب یہ ضرورت ختم ہو جائے تو پھر اِس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اگر ذرائع و وسائل معاش و معیشت آبادی سے کہیں زیادہ ہو جائیں یا کسی وجہ سے آبادی بڑھانے کی ضرورت ہو تو پیدائش اولاد میں مختلف طریقوں سے اضافے کی کوشش کرنا بھی چنداں غلط نہ ہوگا۔ اِس بات کا فیصلہ ارباب حل و عقد کو کرنا ہوتا ہے اور وہ بہت سے پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھ کر جو فیصلہ کریں اُس پر عمل کرنا غلط نہیں ہے۔ تاہم برتھ کنٹرول شرعاً، عقلاً، اخلاقاً ہر اعتبار سے جائز ہے خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی یا نیم اجتماعی۔

Marfat.com

مانع حمل ادویات کا ناجائز اِستعمال

سوال: اعتراض کیا جاتا ہے کہ مانع حمل ادویات کا ناجائز اِستعمال کیا جاتا ہے لہٰذا اِس وجہ سے خاندانی منصوبہ بندی جائز نہیں ہونی چاہیے۔ اِس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں:

جواب: ذرائع کے غلط اِستعمال کی بناء پر اِسے ناجائز ٹھہرانا قطعاً درست نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے یہ تجویز کیا جائے کہ عورتیں مٹی کا تیل یا تیزاب چھڑک کر خودکشی کر لیتی ہیں اس لئے مٹی کے تیل کا اِستعمال، تیزاب کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دے دیا جائے یا ملک میں آئے دن وارداتیں ہوتی رہتی ہیں اس لئے اسلحہ بنانا شرعاً حرام قرار دیا جائے حتیٰ کہ اِس دلیل کو اور آگے بڑھایا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ بدکاری بہر حال عورتوں کی موجودگی سے ہوتی ہے اِس لئے حرامکاری و بدکاری کو ختم کرنے کے لئے تمام عورتوں کو ملک بدر کر دیا جائے لہٰذا کسی چیز کے غلط اِستعمال کی بناء پر اصل مقصد کو ختم کرنا انتہائی غلط ہے۔ البتہ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ مانع حمل ادویات کا غلط اِستعمال روکنے کے لئے لائحہ عمل ضرور بنایا جائے تا کہ اِس کے غلط اِستعمال کی روک تھام کی جا سکے۔

برتھ کنٹرول اور قتلِ اولاد

سوال: بعض لوگ اِسے قتل اولاد پر قیاس کرتے ہیں اِس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ کہنا کہ اگر جنسی اختلاط کیا جائے اور حمل قرار نہ پانے دیا جائے تو یہ قتل اولاد ہے نہایت بھونڈا استدلال ہے۔ جو بچہ وجود ہی میں نہیں آیا اِسے قتل ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ یہ درست ہے کہ اِنسان کے مادۂ تولید میں بچہ بن جانے کی صلاحیت ہوتی ہے لیکن اس کے استقرار حمل کے روکنے کو قتل کہنا چند وجوہ سے درست نہیں ہے۔ مثلاً:

(۱) دیکھئے ایک شخص بالغ ہو جانے کے باوجود نکاح نہیں کرتا یا نہیں کر سکتا یا دیر

Marfat.com

سے نکاح کرتا ہے تو کیا اس کو بھی قتل اولاد کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے اپنے اس عمل سے نہ معلوم کتنے بچوں کو وجود میں آنے سے روک دیا؟

(۲) مادہ تولید کے ایک قطرۂ میں لاکھوں جرثومے ہوتے ہیں جن میں سے ہر جرثومہ میں بچہ بن جانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ پہلے تو یہ بھی نہیں ہوتا کہ ہر جنسی ملاپ پر ضرور بالضرور حمل قرار پائے۔ اگر ایسا ہو تو پھر ہر اختلاط سے لاکھوں بچے قتل ہو جاتے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب حمل قرار پا جائے تو ان لاکھوں جرثوموں میں سے، صرف ایک جرثومہ بچہ کی صورت اختیار کرتا ہے یا زیادہ سے زیادہ دو تین جرثومے۔ باقی تمام جرثومے ضائع ہو جاتے ہیں۔

(۳) کیا کوئی عقیم بانجھ ہو تو فریق ثانی کے تمام زندگی اور جرثومے مستقلاً ضائع نہیں ہو جاتے؟ تو پھر کیا اسے بھی قتل اولاد تصور کیا جاتا ہے! ہرگز نہیں۔

برتھ کنٹرول اور اللہ تعالیٰ کی رزّاقیت

سوال: کیا خاندانی منصوبہ بندی کو اللہ تعالیٰ کی عدم رزاقیت پر محمول کیا جا سکتا ہے؟

جواب: بلا شبہ یہ ایک حقیقت ہے کہ رزق کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے اور ساری کائنات کے رزق کا ذمہ اُسی نے ہی لے رکھا ہے۔ لیکن برتھ کنٹرول کا مطلب اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر ایمان کے منافی نہیں ہے۔ جب رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے تو پھر کماتے کیوں ہیں؟ محنت کیوں کرتے ہیں؟ جب شفا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو پھر علاج کیوں کرتے ہیں؟ اگر کمانے اور علاج کرانے کی تدبیر سمجھ میں آ جاتی ہے اور یہ توحید کی تعلیمات کے منافی نہیں ہے اسی طرح خاندانی منصوبہ بندی بھی اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر ایمان کے منافی نہیں ہے۔ یہ ایک تدبیر ہے جسے بطور علاج ہی اختیار کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

اِسلام اور خاندانی منصوبہ بندی

سوال: اِسلام نے اولاد پیدا کرنے کے بارے میں کیا حکم دیا ہے؟ اِس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: اِسلام نے کہیں یہ نہیں کہا کہ تم ساری عمر بچے پیدا کرتے رہو اور اگر کسی نے اِس میں کوتاہی کی یا ایک حد تک پہنچ کر رُک گیا تو قیامت میں اِس سے باز پرس کی جائے گی۔ اِنسان میں افزائش نسل کے لئے قوت و صلاحیت رکھ دی گئی ہے لیکن جس طرح دیگر صلاحیتوں اور قوتوں کو بہر حال ضرورت کے مطابق اِستعمال کیا جاتا ہے، اِسی طرح اِسے بھی ضرورت کے مطابق اِستعمال کیا جائے گا۔ اگر کسی کے بازوؤں میں قوت ہے تو اِس کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ وہ ہر وقت ضرورتاً یا بلا ضرورت اِس طاقت وقوت کو اِستعمال کرتا رہے۔ اِسے بہر صورت بوقتِ ضرورت ہی اِستعمال کیا جاتا ہے۔ اِنسانی صلاحیتوں اور قوتوں کو بلا ضرورت اِستعمال کرنا اسراف وتبذیر ہے۔ لہٰذا اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کو اُس وقت بروئے کار لانا چاہیے جس وقت اولاد پیدا کرنے کی ضرورت ہو۔ اِسلام نے بیوی بچوں کی محبت کو وجہ جاذبیت بتایا ہے وہ رہبانیت اور تجرد کی زندگی بسر کرنا نہیں سکھاتا۔ لیکن اِس نے کہیں یہ نہیں کہا کہ اولاد پیدا کرنے کا سلسلہ متواتر جاری رکھو۔ یعنی جب ایک بچہ پیدا ہو جائے تو دوسرے بچے کی پیدائش کی بنیاد فوراً رکھ دو۔ ہمارے نزدیک بچوں کو ضرورت کے مطابق پیدا کرنا ہی اِنسانی قوت کا صحیح اِستعمال ہے۔

عورتوں کو کھیتیوں سے تشبیہ کی حکمت

قرآنِ حکیم نے عورتوں کو کھیتیوں سے تشبیہ دی ہے فرمایا: ''نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم '' ترجمہ تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتی ہیں پس تم

Marfat.com

اپنی کھیتی میں جب چاہو آؤ۔

اِس کا مقصود و مطلب یہ ہے کہ عورتیں اولاد کی پیدائش کا ذریعہ ہیں اور جب چاہو پیدا کرو۔ قرآن کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کھیت میں ضرورت کے مطابق فصل اُگائی جاتی ہے۔ اِسی طرح اولاد بھی عندالضرورت پیدا کرنی چاہیے۔ قرآنِ حکیم نے کھانے پینے کے معاملہ میں بھی یہی فرمایا ہے کہ "**فکلو امنھا حیث شئتم رغداً**" تم اِس سے جب جی چاہے بافراغت کھاؤ۔ واضح سی بات ہے کہ اِس سے مراد ضرورت کے مطابق کھانا ہی ہے ہر وقت کھانا مراد ہرگز نہیں ہے۔ اِسی طرح فطرت نے اِنسان کو حیوانوں کی طرح مجبور نہیں کیا کہ ہر وقت بچے پیدا کرتے رہا کرو۔ اِنسان کا عندالضرورت بچے پیدا کرنا ہی **Family Planning** ہے۔ اگر بیوی کی صحت خراب ہے تو کوئی مجبوری نہیں ہے کہ آپ ضرور بچہ پیدا کریں۔ اِسی طرح اگر موجودہ معاشی سسٹم میں کسی کی آمدنی اِتنی نہیں ہے کہ وہ زیادہ بچوں کی کفالت کو پورا کر سکے تو وہ فیملی پلاننگ کر سکتا ہے۔

ازدواجی زندگی کا بنیادی مقصد

سوال۔ اِسلام میں ازدواجی زندگی کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

جواب: اِسلام میں ازدواجی زندگی کا بنیادی مقصد رفاقتِ باہمی، سکون، محبت اور رحمت و ملاطفت و موٓدت سے رہنا ہے۔ جنسی اختلاط اِس کا ثانوی مقصد ہے۔ قرآنِ حکیم نے یہ گرہ بڑے لطیف انداز میں کھولی ہے۔

ومن آیاتہ انّ خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا و جعل بینکم مودۃً و رحمۃً اِن فی ذالک الآیات لقومٍ یتفکرون۔ (الروم/۲۱)

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اُس نے خود تم میں سے تمہاری ازواج پیدا کیں

Marfat.com

تا کہ تمہیں اُن سے سکون حاصل ہو اور اُس نے تم میں محبت اور رحمت پیدا کی یقیناً اِس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هو الذی خلقكم من نفس واحدة وجعل منها زوجاً ليسكن اليها (الاعراف/ ۱۸۹)

وہ وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسنے اِس سے جوڑے پیدا کئے تا کہ تم اُن سے سکون حاصل کرو۔ عورتوں کو محض جذباتی نگاہ سے دیکھنا اور جنسی جذبات کی تسکین کی خاطر نکاح کرنا یہ اوّلین مقصد نہیں بلکہ ثانوی حیثیت کی چیز ہے۔

اِنسان کے طبعی تقاضے

اِنسان صاحب اختیار ہے تاہم اِس کی طبعی زندگی کے کچھ تقاضے ہیں اور اِس کے بعد بلند اِنسانی زندگی کے مقاصد بھی ہیں۔ جہاں تک طبعی تقاضوں کا تعلق ہے وہ حیوانات اور اِنسان میں مشترک ہیں۔ بھوک اور پیاس اِنسان کے طبعی تقاضے ہیں۔ جب پیاس لگتی ہے تو اُس کے ابتدائی منازل میں اِس کا اِنسان پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ لیکن لیکن رفتہ رفتہ وہ تقاضا بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اِنسان پر غالب آجاتا ہے۔ اگر اِس وقت پانی نہ پیا جائے تو اِنسان کمزور و لاغر ہو جاتا ہے اور بیمار ہو جاتا ہے۔ اِس طرح بھوک کے بھی تقاضے ہیں۔ غرض کہ طبعی تقاضے، جسم کی ضرورت کے تحت از خود اُبھرتے ہیں اور اگر اِن کو پورا نہ کیا جائے تو اِنسان بیمار ہو جاتا ہے اور آخر الامر موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ جنسی تقاضا پیاس بھوک کی طرح کا طبعی تقاضا نہیں ہے۔ جنسی تقاضا خود نہیں اُبھرتا جب تک خود اِسے اِنسان اُبھارے نہیں۔ اِنسان کے خیالات ہی اِسے اُبھارتے ہیں۔

Marfat.com

اِنسان اور حیوان میں فرق

حیوان میں تقاضا از خود بیدار ہوتا ہے لیکن صرف اُس وقت جب اِن سے فطرت نے افزائش نسل کا کام لینا ہوتا ہے۔ غور کیجیے سانڈ سال بھر گاؤں اور بھینسوں کے گلے میں پھرتا رہتا ہے لیکن کبھی بے وقت نہ کوئی بھینس اور گائے اپنی طرف توجہ مبذول کرا سکتی ہے نہ وہ خود اُس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ لیکن جب اِن جانوروں کے ملاپ کا موسم (Mating Season) یا اُس کے بولنے کا وقت آئے گا تو یہ جذبہ از خود بیدار ہو جائے گا اور ملاپ کے بعد از خود سو جائے گا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جانوروں میں بھی جنسی اختلاط پیاس اور بھوک کی طرح نہیں۔ یہ صرف عند الضرورت ہی بیدار ہوتا ہے۔ اِنسان اور حیوان میں فرق یہ ہے کہ اِنسان جنسی تقاضے کو اپنے اختیار سے اُبھار سکتا ہے۔ اِس فرق کی حکمت یہ ہے کہ قدرت خداوندی اولاد پیدا کرنے کے معاملہ میں اِنسان کو، حیوانات کی طرح، مجبور نہیں رکھنا چاہتی۔ اللہ تعالیٰ نے اِس معاملہ کو اِنسان کے اختیار میں دے دیا ہے کہ وہ جب اولاد پیدا کرنا چاہے اپنی مرضی سے اس جذبہ کو اُبھارے اور افزائش نسل کی قوت کو بروئے کار لائے۔

اختیار کا ناجائز اِستعمال

اِنسان جس طرح دیگر کاموں میں اپنے اختیارات کو ناجائز اِستعمال کرتا ہے اِسی طرح اِس جنسی جذبہ کے اختیار میں بھی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کی طبعی ضروریات کو پورا کرنے کے سلسلہ میں یہ التزام بھی رکھا ہے کہ ضرورت پوری ہونے کے ساتھ کچھ لذت بھی مل جائے۔ دیکھیے غذا سے مقصود جسم کی افزائش ہے یعنی پرورش ہے لیکن قدرت نے غذاؤں میں لذت بھی رکھ دی ہے۔ یہ اِنسان کی انتہائی غلطی ہے کہ

Marfat.com

اِس نے ضرورت کے پہلو کو محض بامر مجبوری ساتھ رکھا ہے اور لذت کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ حصولِ لذت ممنوع نہیں لیکن لذت کا ضرورت کے تابع رہنا ضروری ہے۔ اِسے مقصود بالذات بنانا درست نہیں ہے۔ جس طرح اِنسان نے اپنے ارادہ اختیار سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر کھانے پینے کے بارے میں لذت کو مقصود بالذات بنا لیا اور ضرورت کو مؤخر کر دیا اِسی طرح اِس نے جنسی قوت کے ساتھ کیا۔ وہ قوت وصلاحیت افزائش نسل کی خاطر دی گئی تھی اور اِس کے ساتھ قدرت نے لذت بھی شامل کر دی تھی۔ لیکن اِنسان نے جنسی لذت کو مقصود بالذات سمجھ لیا اور ضرورت کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی۔ جنسی لذت کو مقصود بنانے والوں نے مقصد کو خارج کرنے کے لئے طرح طرح کے طرق واطوار اختیار کر لئے ہیں اور مقصد کو خارج کر دیا ہے۔ اِسلام نے جنسی لذت کا مقصد افزائش نسل کہا ہے۔ اِس مقصد کو چھوڑ کر اِسے محض حصولِ لذت کے لئے اِستعمال کرنا مقصدِ فطرت اِنسانی کے خلاف ہے۔

نکاح اور بدکاری میں بنیادی فرق

قرآن حکیم نے حلال عورتوں سے اختلاط کرنے کے بارے میں کہا ہے:

''محصنین غیر مصافحین''

اِس میں دو لفظ اِستعمال ہوئے ہیں ایک ''محصنین اور دوسرا مسافحین''

محصنین کے معنی ہیں حفاظت سے رکھنا اور مصافحین کے معنیٰ ہیں محض بہا دینے کی خاطر جنسی اختلاط کرنا۔ لہٰذا نکاح اور زنا میں بنیادی اِبتدائی فرق یہ ہے کہ نکاح میں جنسی اختلاط سے مقصد، نطفہ کو رحم میں محفوظ کر دینا ہوتا ہے تا کہ اِس سے افزائش نسل ہو اور زنا میں کوشش کی جاتی ہے کہ لذت تو ملے لیکن نطفہ نہ ٹھہرے وہ بہہ جائے۔ قرآن حکیم نے جنسی اختلاط کی نوعیت اور غایت کو بھی واضح کر دیا ہے۔

Marfat.com

(۱) اگر جنسی اختلاف نکاح کے بغیر ہو تو وہ ہر حال میں ناجائز و حرام ہے۔ کیونکہ اس سے مقصد صرف حصولِ لذت ہوتا ہے۔

(۲) نکاح کے ساتھ جنسی اختلاط سے مقصد افزائش نسل ہے۔ اگر یہ مقصد پیش نظر نہیں اور اختلاط صرف حصول لذت کے لئے ہے تو یہ فطرت کی عطا کردہ صلاحیت و قوت کا غلط استعمال ہے۔ کیونکہ اِس صورت میں بیوی کھیتی نہیں رہتی بلکہ عیاشی کا سامان بن جاتی ہے۔

(۳) اولاد عند الضرورت پیدا کرنی چاہیے۔ اِنسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے پلاننگ (Planning) کے مطابق اولاد پیدا کرے۔ یہ فطرت کی بہت بڑی عطا ہے اس کی قدر کرنی چاہیے۔

فیملی پلاننگ کا مقصد اور غرض و غایت

فیملی پلاننگ کا تعلق عقل و فکر سے ہے اور جنسی لذت کے حصول کا تعلق جذبات سے ہے۔ جب بھی اِنسان عقل و فکر کو جذبات کے تابع رکھے گا نقصان اُٹھائے گا، لیکن جب جذبات سے عقل و فکر کی راہنمائی میں کام لے گا، کامیابی قدم چومے گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اِنسان دیگر اُمور کی طرح اِس باب میں بھی پلاننگ کے ساتھ خاندان کی بڑھوتری کرے۔

Marfat.com

اِسلام اور کلوننگ

سوال: کلوننگ کے بارے میں اِسلام کیا کہتا ہے؟

جواب: کلوننگ کو عربی میں اِستنساخ کہتے ہیں اگر عمل تخلیق کا تجزیہ کیا جائے تو اِس کے دو طریقے نظر آتے ہیں۔

(۱) ایک فطری

(۲) اور دوسرا سائنسی طریقہ تخلیق یعنی ٹیسٹ ٹیوب بے بی، سروگیٹ مدر اور کلوننگ(Cloning)

فطری طریقہ تخلیق میں نر و مادہ کے نطفوں کے ملاپ کے بعد تخلیق کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ سائنسی طریقہ تخلیق میں نر و مادہ کے نطفوں کو رحم سے باہر مصنوعی طریقے سے ملا کر بعد میں رحم میں ڈال دیا جاتا ہے۔ جدید طبی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ مردانہ نطفہ یعنی منی میں ۲۰ تا ۵۰ کروڑ سپرم خلیے ہوتے ہیں اور ان میں سے تقریباً اکثر منوی خلیے ایک مکمل اِنسان بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن کروڑوں تولیدی خلیوں Sperme Cells میں سے صرف ایک خلیہ عوت کے بیضے (Ovum) کو بار آور بنا کر تخلیق (Reproduction) کا عمل شروع کر دیتا ہے اور باقی تمام خلیے مر جاتے ہیں۔ خلیہ تمام حیوانات اور نباتات کے اجسام کی بنیادی و اساسی اکائی ہوتی ہے اور زندگی کے تمام افعال خلیوں کے اندر سرانجام پاتے ہیں۔ خلیے اپنی جسامت اور شکل وصورت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ بعض اِتنے چھوٹے کہ عام خوردبین سے بھی نظر نہیں آتے اور بعض اِتنے بڑے کہ عام اِنسانی آنکھ سے بآسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔ کروموسوم (Chromosomes) ہر خلیے کے اندر مرکزہ Nucleus میں دھاگے کی طرح چھوٹے اجسام ہوتے ہیں۔ یہ چھوٹے اجسام کروموسوم کہلاتے ہیں۔ اِن کو صرف خلیے کی تقسیم کے وقت دیکھا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

جین (Gene) کروموسوم میں تسبیح کے دانوں کے مثل قطار میں پڑے ہوئے ننھی منھی مخلوق کا نام ہے۔ جو خصوصیات کو ایک نسل سے دوسری نسل میں نقل کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ساخت کے اعتبار سے جینز ایک خاص قسم کے اُس "مالیکیول" کا حصہ ہوتے ہیں جسے DNA کہا جاتا ہے۔ ایک خلئے میں DNA کے اربوں یونٹ ہوتے ہیں۔

سائنسی طریقہ تخلیق

مجامعت کے بعد مردانہ نطفہ میں چند سو منوی خلئے، عورت کے نطفہ یعنی بیضہ (Ovum) کی تلاش میں رحم سے ہوتے ہوئے قناۃ البیض Fallopian Tube کے اندر بیضے کو پالیتے ہیں اور اِن چند سو منوی خلیوں میں سے صرف ایک منوی بیضہ کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اِس بیضے کو بارآور بنا دیتا ہے۔ اِسے طبی اصطلاح میں زائیگوٹ یعنی نطفہ امشاج کا نام دیا گیا ہے۔

کلوننگ Cloning

کلون Clone کے لفظی معنی ہم شکل اور مماثل کے ہیں اور کلوننگ سے مراد تخلیق کا وہ غیر فطری طریقہ کار ہے۔ جس کے ذریعے ایک ہی طرح کے حیوانات یا اِن کے اعضاء جزوی یا مکمل طور پر کثیر تعداد میں بنائے جا سکتے ہیں۔ گویا کلوننگ جینیاتی ٹیکنالوجی کی وہ قسم ہے جس میں جانور یا پودوں کی بہت ساری نقول بنائی جا سکتی ہیں۔ کلون ہمیشہ ایک دوسرے کی ہو بہو کاپیاں ہوتی ہیں۔ عموماً ایسے اِنسانوں، جانوروں اور پودوں کو کلون کرنا مقصود ہوتا ہے جو غیر معمولی خصوصیات کے حامل ہوں۔ کلوننگ ایک سائنسی اصطلاح ہے جو گذشتہ چالیس پچاس سال سے سائنسدانوں کے ہاں اِستعمال ہو رہی ہے۔ عوامی سطح پر اس کی پذیرائی ۲۳ فروری ۱۹۹۷ء کو ہوئی کہ سکاٹ لینڈ کے "روزلن انسٹی ٹیوٹ" کے

Marfat.com

سائنسدانوں نے ایک عام جسمانی خلئے (Sometic Cell) کی کلوننگ کرنے میں کامیابی حاصل کرلی۔ سائنسدانوں نے بھیڑ کے پستانوں کے خلیوں میں سے مرکزہ نکال کر اسی سے اِس کی ہم شکل بھیڑ پیدا کی۔ جس کا نام ''ڈولی'' (Dolly) رکھا گیا۔

کلوننگ کے طریقے

آج کل سائنسدان کلوننگ کے لئے تین مختلف طریقے اِستعمال کرتے ہیں۔

(۱) بالغ ڈی این اے کلوننگ

(۲) جنین کلوننگ

(۳) معالجاتی کلوننگ

(۱) بالغ ڈی این اے میں اگرچہ عمل تخلیق کے لئے نر و مادہ کے نطفے ہی اِستعمال ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر خلئے میں بالقوہ یہ اِستعداد رکھی ہے کہ مناسب ماحول ملنے پر اس جسمانی خلئے سے بھی ایک مکمل اِنسان وجود میں آسکتا ہے۔

(۲) جنین کلوننگ (Enbryo Cloning) کو مصنوعی طریقے پر جڑاوں بچے پیدا کرنے کا عمل بھی کہا جاتا ہے۔ جنین کی کلوننگ ایک معیاری ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے طریقہ کار سے شروع ہوتی ہے۔ کلوننگ اِس طریقہ کار سے بہت مشابہہ ہوتا ہے۔ جس سے قدرتی طور پر جڑواں بچے پیدا ہوتے ہیں جن میں مینڈک اور چوہے شامل ہیں۔ تاہم اِنسانی جنین پر یہ تجربات بہت محدود ہیں۔

(۳) معالجاتی کلوننگ کے اِبتدائی مراحل وہی ہیں جو بالغ ڈی این اے کے ہیں اور جس کے نتیجے میں بننے والے جنین کو ۱۴ دنوں تک کے لئے بڑھنے دیا جاتا ہے۔ معالجاتی کلوننگ، کسی بیمار شخص کے جسم سے بالغ ڈی این اے لے کر مصنوعی طریقے پر اِس سے مکمل عضو یا اعضاء دل، لبلبہ، جگر وغیرہ بنا کر اِس بیمار شخص کے جسم میں اِس کی پیوند کاری کرنے

Marfat.com

کے عمل کا نام ہے۔ یہ طریقہ ابھی تک تصوراتی ہے تاہم سائنسدان اِس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے برابر تحقیق میں لگے ہوئے ہیں اور کسی حد تک اِس کی اِبتدائی مشکلات پر قابو بھی پالیا گیا ہے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

سوال: اِنسانی پیدائش کے لئے مصنوعی تخم ریزی یعنی ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: اس کا طریقہ یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں سے جرثومے حاصل کئے جاتے ہیں۔ جنہیں اصطلاح میں Eggs اور Sperms کہتے ہیں۔ اِن کو ایک ٹیوب میں ۱۲ ہفتے رکھا جاتا ہے، جس میں وہ تمام لوازمات Ingredients پائے جاتے ہیں جو کہ رحم مادر Womb میں پائے جاتے ہیں۔ پھر اِن جرثوموں کو بذریعہ انجکشن رحم مادر میں داخل کیا جاتا ہے اور یوں نو ماہ بعد بچے کی پیدائش عمل میں آتی ہے۔ یہ طریقہ کار اصلاً طریقہ علاج ہے خصوصاً، بانجھ میاں بیوی کے اولاد پیدا ہونے کے سلسلہ میں۔ لہٰذا ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اِس سے فائدہ اُٹھانا اچھا ہے۔ دیکھئے سائنسی ایجادات مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن، لاؤڈ سپیکر، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ وغیرہ یہ چیزیں بذاتِ خود نہ اچھی ہیں نہ بری، بلکہ یہ چیزیں درجہ اباحت میں ہیں۔ اگر اِن چیزوں کا اِستعمال بھلائی کے کاموں میں یا شریعت کی منشاء کے مطابق کیا جائے تو یہی چیزیں نافع اور جائز و درست ہیں اور اگر اِن کا اِستعمال غلط ہو تو پھر ناجائز ٹھہرتی ہیں۔ اگر اس طریقِ کار سے بانجھ میاں بیوی کے ہاں اولاد پیدا ہو جائے تو یہ چیز اِن دونوں میاں بیوی کے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے اور سائنس کی یہ ایجاد بنی نوع اِنسان کے لئے ایک نوید مسرت ہے۔ عورت کے بانجھ پن سے بہت سے تلخ معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً دوسری شادی کی ضرورت، پہلی بیوی کی طلاق یا اُسے معلق

Marfat.com

رکھنا، بیویوں کی آپس میں رقابت اور اس سے شوہر کی زندگی کا ناخوشگوار ہونا اور بعض دفعہ خاوند کے خلاف دونوں بیویوں کی مشترکہ محاذ آرائی وغیرہ یہ ایسے مسائل ہیں جن سے اس سائنسی طریق کار کی بدولت نجات حاصل ہوسکتی ہے۔ اِس طریق کار ٹیسٹ ٹیوب بے بی سے اگر بانجھ میاں بیوی کے ہاں اولاد پیدا ہو جاتی ہے تو وہ ان دونوں کی اپنی ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا نسب یا وراثت کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

اپنا رحم معاوضتہً کسی دوسرے کی اولاد کے لئے دینا

سوال: جس عورت کے رحم میں یہ جرثومے داخل کئے جاتے ہیں کیا وہ اپنا رحم معاوضتہً کسی دوسرے کی اولاد کے لئے دے سکتی ہے؟ آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: میں مفتی نہیں کہ فتویٰ دوں فتویٰ تو مفتیانِ دین ہی دے سکتے ہیں۔ میں تو خادمِ دین کی حیثیت سے اپنی رائے عرض کئے دیتا ہوں۔ اِسلام اپنی منکوحہ کے علاوہ سفاحت کے تمام طریقوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ اِسلام نکاح کے ذریعے تحفظ نسب، عائلی نظام کی پائیداری، شکوک وشبہات سے پاک نظامِ وراثت، فحاشی کا سدِ باب کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا کسی دوسرے کے لئے اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اگر اجازت دے دی جائے تو مذکورہ بالا مقاصد میں سخت گڑبڑ واقع ہو جائے گی اور اِسلام کے معاشرتی اور اخلاقی نظام کی چولیں تک ہل جائیں گی۔

مختلف صورتیں اور حکم شرعی

تین صورتیں جائز ہیں جو یہ ہیں:

(۱) کسی بیماری یا عارضہ کی وجہ سے زوجین مباشرت صحیح طور پر کر ہی نہیں سکتے یا بیوی اس کی متحمل نہیں ہوسکتی تو مرد کا نطفہ بذریعہ پچکاری یا انجکشن عورت کے رحم میں

Marfat.com

داخل کر دیا جائے۔ یہ صورت جائز اور درست ہے۔ اِس سے نہ نسب میں فرق پڑتا ہے نہ ہی وراثت وغیرہ کے احکام متاثر ہوتے ہیں۔

(۲) اگر کسی وجہ سے یہ مذکورہ بالا طریق ممکن نہ ہو تو ٹیسٹ ٹیوب والا طریق اختیار کیا جائے یہ طریقہ بھی جائز اور درست ہے۔ بشرطیکہ جرثومے زوجین کے اپنے ہوں۔

(۳) ایک مرد کی دو یا دو سے زائد بیویاں ہیں۔ جن میں سے کوئی ایک بانجھ ہے۔ اِس بانجھ عورت کا بیضہ حاصل کر کے ٹیسٹ ٹیوب میں مرد کا نطفہ شامل کر کے کسی تندرست بیوی کے رحم میں نطفہ امشاج رکھ دیا اِس کے برعکس اگر بانجھ عورت کے بیضہ یعنی جرثومہ میں نقص ہے تو وہ کسی دوسری بیوی کا لے کر یہی طریق کار اِستعمال کر کے بانجھ عورت کے رحم میں رکھ دیا جائے۔ اس طریق کار میں کچھ قباحت نہیں۔ اِس کا نسب تو بہر حال باپ سے ہی چلے گا۔ لیکن وراثت کا تعلق اُس ماں سے ہوگا جس نے اُسے جنا ہے۔

(۴) اِن تین صورتوں کے علاوہ باقی صورتیں جائز نہیں ہیں۔ مثلاً عورت تو تندرست ہے مگر مرد بیمار ہے۔ اب وہ اپنے خاوند کی مرضی سے اپنا بیضہ دیتی اور ٹیوب میں کسی غیر مرد کا نطفہ ملاپ کروا کر اِس کو اپنے رحم میں رکھ لیتی ہے یا کسی غیر مرد کا نطفہ پچکاری کے ذریعے یا کسی دوسرے غیر فطری ذریعہ سے اپنے رحم میں ڈال یا ڈالوا لیتی ہے تو یہ سب صورتیں حرام ہیں۔

(۵) اسی طرح اگر کوئی عورت اپنا عاریۃً یا معاوضۃً دینے پر آمادہ ہو جاتی ہے تو یہ تخم ریزی جائز نہیں ہے۔

Marfat.com

اعضائے اِنسانی کی پیوند کاری

سوال: اعضائے اِنسانی کی پیوند کاری کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: دیکھئے زمانہ بڑی تیزی کے ساتھ رُو بہ ترقی ہے۔نئی ایجادات نے اِنسان کو متحیر کر رکھا ہے۔کل تک جس چیز کا تصور بھی مشکل تھا، وہ حقیقت بن کر سامنے آرہی ہے۔ جدید تحقیقات و انکشافات سے آنکھیں بند کرنا درست نہیں ہے، اور ان سے کام نہ لینا ناشکری ہے۔ یہ دیکھنا اور سمجھنا ضروری ہے کہ اُس میں اِنسان کی سہولت کا پہلو کتنا کارفرما ہے۔نئی ایجادات سے ایک دائرہ میں رہ کر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔فقہی نظائر کی روشنی میں ہر نو ایجاد کا حل موجود ہے۔کسی نہ کسی فقیہہ کی رائے نئی ایجادات سے فائدہ اُٹھانے کے لئے مل جاتی ہے۔ اعضائے اِنسانی کی پیوند کاری کے متعلق مندرجہ ذیل اُمور قابل ذکر ہیں۔

(۱) اِنسانی جسم میں ازراہ علاج جمادات اور جانوروں کے اعضا کی پیوند کاری تمام فقہائے اُمت کے نزدیک جائز ہے اور اس سلسلہ میں روایات موجود ہیں۔

(۲) اِنسان خود اپنے جسم کے کٹے ہوئے اور علیحدہ شدہ حصہ کی دوبارہ اپنے جسم میں پیوند کاری کرسکتا ہے یا نہیں؟ طرفین اِس کو جائز نہیں سمجھتے اس کو دفن کرنا ضروری سمجھتے ہیں جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ اِنسان کا خود اپنے جز سے انتفاع ازقبیل اہانت نہیں ہے۔**لا اھانة فی اِستعمال جزٔ منهٗ** (بدائع الصنائع: ۱۳۲/۵)

اپنے جز کے استعمال میں اس کی توہین نہیں ہے۔

(۳) ایک انسان کے اعضاء کی دوسرے اِنسان کے جسم میں پیوند کاری بعض فقہاء کے نزدیک ضرورۃً جائز ہے اور وہ فقہی قواعد کے مطابق کہ ضرورت کی وجہ سے ناجائز چیزیں جائز ہوجاتی ہیں۔

Marfat.com

الضرورات تبیح المحذورات

اور مشقت پیدا ہو جائے تو تسہیل و تیسیر یعنی سہولت و آسانی کی راہ اختیار کی جاتی ہے۔ المشقة تجلب التيسير. ور اِس سلسلہ کی رہنمائی میں قرآن حکیم کی وہ آیات ہیں جن میں جان بچانے کے لئے حالتِ اضطرار میں حرام چیزوں کے کھانے یا حالتِ اکراہ میں کلمہ کفر زبان سے ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

(۳) پیوند کاری کے سلسلہ میں تکریم انسانیت میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ شریعت اِسلامی نے اِنسان کو مکرم و محترم تو ضرور قرار دیا ہے اور یہ اِس بات کی علامت ہے کہ وہ اِس کی توہین کو جائز نہیں رکھتی لیکن اِسلام نے تکریم واہانت کے سلسلہ میں کوئی بے لچک حدود مقرر نہیں کی ہیں اور یہ امر واضح ہے کہ نصوص نے جن اُمور کو مبہم رکھا ہو اور قطعی فیصلہ نہ کیا ہو اِنسانی عرف و عادت ہی سے اِس کی توضیح ہوتی ہے۔

(۴) پھر یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ عرف و عادت کی بعض صورتیں زمانہ و علاقہ کی تبدیلی سے بدلتی رہتی ہیں اور ایک ہی معاملہ میں علاقہ و وقت کی تبدیلی کی وجہ سے دو مختلف حکم لگائے جاتے ہیں کبھی اس کو بہتر اور درست سمجھا جاتا ہے اور اِس کو کبھی قبیح اور نادرست امام ابو اسحاق شاطبی لکھتے ہیں: ''بعض چیزیں حسن سے قبح کی طرف متبدل ہوتی ہیں اور بعض اس کے برعکس جیسے سر کا کھولنا مشرقی ممالک میں قبیح ہے مگر مغربی ممالک میں قبیح نہیں، اِسی اختلاف کی وجہ سے حکم شرعی مختلف ہو جائے گا۔

چنانچہ اہل مشرق کے نزدیک سر کا کھولنا عدالت کے لئے نقصان دہ ہوگا اور اہل مغرب کے نزدیک نقصان دہ نہیں ہوگا۔

(۵) پس جب اہانت و تعظیم اِنسانیت کے متعلق اِسلام نے کوئی متعین اصول وضع نہیں کئے تو ضروری ہے کہ ہر زمانہ کے عرف و عادت ہی کی روشنی میں کسی بات کے توہین

Marfat.com

ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کیا جائے اور عین ممکن ہے کہ ایک ہی چیز جو کسی زمانہ میں توہین و اہانت شمار ہوتی ہو، بعد کے زمانہ میں اِس کا شمار توہین میں نہ ہو۔ بجا ہے کہ فقہائے کرامؒ نے تکریم اِنسانیت کی وجہ سے اجزائے اِنسانی سے انتفاع کو منع کیا ہے۔ لیکن یہ ممانعت اِس لئے تھی کہ اُس زمانہ میں اِنسانی اعضاء سے انتفاع کو اِس کی اہانت و توہین تصور کیا جاتا تھا اور اُس زمانے میں ایسے طریقے بھی رائج نہیں ہوئے تھے کہ شائستہ طور پر اِنسانی اجزاء سے انتفاع کیا جا سکے۔ آج کے جدید سائنسی دور میں پیوند کاری کو اِنسان کی توہین نہیں سمجھا جاتا۔ اگر کوئی شخص اپنا عضو کسی اور کو دے دے تو نہ وہ خود اپنی اہانت کا احساس کرتا ہے نہ لوگ ایسا محسوس کرتے ہیں۔ بلکہ اُس کی قدر و منزلت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ اِس لئے بڑے بڑے لوگ اپنے اعضاء کے سلسلہ میں اِس قسم کی وصیت کر جاتے ہیں اور یہ چیز اِن کے لئے نیک نامی کا باعث ہوتی ہے اور اِنسانیت نوازی کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ ایک اِنسان کے جسم کا خون دوسرے اِنسان کے جسم میں منتقل کیا جا سکتا ہے اور اِس پر تقریباً تمام علمائے اِسلام کا اتفاق ہو چکا ہے حالانکہ جزء اِنسانی سے انتفاع کو مطلقاً توہین و اہانت اِنسانی باور کیا جائے تو اِسے بھی ناجائز ہونا چاہیے کیونکہ جزء اِنسانی ہونے میں دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔ خون قوام حیات ہے اور اس کو جسم میں باقی رکھنے پر ہی حیات اِنسانی موقوف ہے۔ اِس لئے خون ٹھوس اور سیال اجزاء اِنسانی کی نظیر ہے۔

(۶) بعض فقہائے کرامؒ نے لکھا ہے کہ ایک انسان کی بقاء کے لئے دوسرے فوت ہونے والے اور وصیت کرنے والے کی تکریم کے پہلو کو یک گونہ نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ دیکھئے ماں کی موت ہو جائے اور آثار بتاتے ہوں کہ جنین زندہ ہے، تو فقہاء نے عورت کے آپریشن کی اجازت دی ہے اور اِستدلال یہ کیا ہے کہ یہاں تعظیم میت کو ایک

Marfat.com

زندہ نفس کی بقاء کے لئے ترک کیا جارہا ہے۔

(۷) زندہ اِنسان کے عضو کی اس طرح منتقلی کہ وہ اس کی ہلاکت یا اس کے لئے ضرر شدید کا باعث بنے، درست نہیں، البتہ وہ اعضا کہ جن کی منتقلی سے اس کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو اور محفوظ طریقہ پر اس عمل کو انجام دیا جائے اور خود وہ شخص ایسا کرنے پر رضامند بھی ہو تو یہ جائز ہے۔

(۸) اجزائے انسانی سے ایسا انتفاع منع ہے جو انسان کے لئے ضرورت کا درجہ نہ رکھتا ہو بلکہ محض تزئین و آرائش کے جذبات کی تسکین اس سے مقصود ہو۔

(۹) مسلمان اور کافر کے اعضاء میں استحباب کے درجہ میں تفریق ہو تو درست ہے یعنی بہتر و اولیٰ ہے کہ ایک مسلمان کے جسم میں دوسرے مسلمان کے عضو کی پیوندکاری ہو، مگر اِس کو شرط کا درجہ دینا درست نہیں ہے۔

(۱۰) بوجہ مجبوری اعضائے اِنسانی کی خرید و فروخت جائز ہے۔

(۱۱) جان بچانے کے لئے اعضاء ضرورت ہوتی ہے جب اِن کی پیوندکاری حالتِ اضطرار میں جائز ہے تو اِن کی بنکنگ اگر ممکن ہو تو وہ بھی جائز ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر بآسانی فراہم ہو سکے۔ اگر مفت نہ ملے تو اِس عضو کو خریدنا بھی جائز ہے۔

(۱۲) اعضائے اِنسانی کی پیوندکاری بشرطیکہ بلا جبر و اکراہ پوری رضامندی سے ہو۔ مرنے کے بعد ورثاء کی تحریری اجازت ہو کسی طرح کا جبر و دباؤ نہ ہو۔

(۱۳) بہتر و اولیٰ یہ ہے کہ اِنسان اپنی زندگی میں اپنی رضا سے کوئی عضو کسی دوسرے کو دے دے جب کہ لینے والا مضطر ہو اور فی الواقع ضرورت مند ہو۔

(۱۴) پیوندکاری سے ایک ناکارہ آدمی کارآمد ہو جاتا ہے تو وہ کسی پر بار نہیں ہوتا۔ اہل و عیال کے لئے بوجھ نہیں بنتا۔ پیوندی کاری سے اِنسانی عضو کی توہین نہیں ہوتی

Marfat.com

کیونکہ جس کے جسم میں پیوند کاری کی گئی ہے وہ اُسے نعمت شمار کرتا ہے۔ پیوند کاری کے لئے اپنا عضو دینا اِس کی رضاعت نہیں ہے۔

(۱۵) کسی دوسرے مریض آدمی کو صحت مند اِنسان کا اپنا عضو دے دینا اُس کی جان بچانے کے لئے شرعاً جائز ہے۔ یہ مسئلہ صاف ہے کہ کسی شخص پر حملہ ہو تو اُس کی جان بچانے کے لئے اپنی جان دے دینا منع نہیں ہے۔ مومن مومن کے لئے آئینہ کی طرح ہے ایک دوسرے کو مدد پہنچاتا ہے۔ اِس کا ایک رُخ یہ ہے کہ اپنا عضو دینے سے کسی کی جان بچ سکتی ہے تو ہمیں بچانا چاہیے۔

(۱۶) جواز اور عدمِ جواز کا قول کرنے والوں میں سے کسی بھی فریق کو مطعون کرنا درست نہیں ہے۔ ایک کے ذہن پر تعظیم اِنسانی کا تصور غالب ہے، وہ سمجھتا ہے کہ قطع و برید اِنسانی عزت و کرامت کے خلاف ہے۔ دوسرا یہ سمجھتا ہے کہ ایک دوسرے کے لئے پشت پناہ ہونا، تعاون دینا، ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آنا اِسلام کا حکم ہے۔

(۱۷) اِس مسئلہ میں فتنہ کے باعث بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ کاروبار شروع ہو جائے گا اور لوگ قتل و غارت کریں گے اور اِس کا ناجائز اِستعمال کریں گے۔ ایک عالم جس انداز پر سوچتا ہے اور جس طرف اُس کا ذہن مطمئن ہو جاتا ہے اُس کے مطابق اپنی رائے کا اِظہار کرتا ہے۔ ایک اِس کو سد ذرائع کے قبیل سے جان کر عدمِ جواز کی بات کرتا ہے تو دوسرا ناجائز ذرائع پر پابندی عائد کر کے اِس کے جواز کا قول کرتا ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پر معقول وجوہ رکھتے ہیں۔

(۱۸) جدید سائنس ایک شخص کا گردہ بدل دیتی ہے اور دینے والا اور لینے والا دونوں صحت مند رہتے ہیں۔ لہٰذا اِس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ مریض بھی بچ جائے اور دینے والے کو بھی نقصان نہ ہو ہمارے نزدیک اعضائے اِنسانی کی پیوند کاری کے لئے جو طبی

Marfat.com

طریقہ علاج ایجاد ہوا ہے اِس میں توہین اِنسانیت نہیں۔ کسی اہم شخصیت کی جان بچانے کی خاطر گردہ کی تبدیلی جائز ہے۔ دینے والے کی رضامندی ضروری ہے اور پھر اس کو خود بھی ضررشدید نہ ہو، ماہر ڈاکٹروں کی رہنمائی میں اعضائے اِنسانی کی پیوندکاری کے مسائل کو حل کرنا چاہیے۔ جب تک متبادل طریقہ علاج کی تحقیق نہیں ہو جاتی اُس وقت تک اِنسان اپنے دو عضو میں سے ایک عضو کو مریض کی جان بچانے کی خاطر دے سکتا ہے۔

Marfat.com

باب نمبر۱۰:

اِسلام اور معاشیات

Marfat.com

اسلام کا عادلانہ معاشی نظام

سوال: کیا ہر قسم کے قرض پر سود ممنوع ہے؟ ربوٰ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ قرض پر سود منع ہے۔ جس مسئلہ پر تمام فقہا کا اتفاق ہو اُسے زیر بحث لانا گستاخی اور پرلے درجے کی بے ادبی گردانا جاتا ہے۔ ہمارے لوگ ہر ایسی کوشش کو مغرب زدہ لوگوں کی تقلیدی ذہنیت کی پیداوار قرار دیتے ہیں۔ آپ نے یہ مسئلہ چھیڑ کر مجھے سخت اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔ کیونکہ لوگ پرانی باتوں کو دہراتے رہنے ہی کو خدمت اِسلام سمجھتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اس ڈگر کا انسان نہیں ہوں۔ مسائل کا حل تلاش کرنا اِسلام کی خدمت کرنے والوں کی فرض اوّلین ہے۔ فقہائے اُمت نے اِسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے جس کے لئے تاقیامت مسلمانان عالم اُن کے ممنون رہیں گے۔ مگر انہوں نے بذاتِ خود کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اُن کے فیصلے دائمی، غیر متبدل اور اٹل ہیں۔ اِن کی فقہی آراء کی آڑ لے کر مسلمانان عالم کی معاشی اُلجھنوں کا حل دریافت نہ کرنا ان خادمان اسلام پر بہت بڑا ظلم ہے بیع وشرا اور مالیات واقتصادیات کے بارے میں جو قوانین ہماری قدیم فقہ کی کتابوں میں درج ہیں ان میں اکثر کی اب ضرورت نہیں رہی اور جن چیزوں کی اب حاجت ہے وہ ان میں موجود نہیں ہیں۔ سلف صالحین نے اُس چیز سے جس پر اُنہیں ربو کا ذرا سا شک بھی گذرا، مکمل پرہیز کیا حتیٰ کہ بعض صوفیاء نے مقروض کی دیوار کے سائے میں بیٹھنا بھی گوارا نہ کیا۔ یہ احتیاط اور اجتناب اُس زمانے کے حالات میں ممکن بھی تھا۔ جب پیداواری کام اپنے سرمائے یا شرکاء کی مدد سے کامیاب طور پر چلائے جاسکتے تھے۔ کیونکہ فقہی فیصلوں میں اور پیداواری کاروبار کی ان صورتوں میں جو اُس زمانے میں پائی جاتی تھیں کسی قسم کا تضاد وتعارض محسوس نہ ہوا۔

Marfat.com

اس لئے ان مسائل سے تعرض نہ کیا گیا۔ قرآن حکیم کی اصطلاح ربوٰ ہے۔ جس کا اُردو ترجمہ سود کیا جاتا ہے۔ فارسی زبان میں بھی ربوٰ کا ترجمہ سود ہے۔ ربوٰ کی تحریم کا تدریجی سلسلہ مکی زندگی کے ابتدائی دور میں شروع ہو گیا تھا۔ قرآن حکیم کی آیات پر غور کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ قرآن حکیم اس ربوٰ کی ممانعت کرتا ہے جو نزول قرآن کے وقت عرب میں رائج تھا۔ ایام جاہلیت میں قرض جن جن قسموں میں سُودی سرمایہ استعمال ہوتا تھا اور جن صورتوں سے ہوتا تھا ان سب کی تفصیلات جزئیات کے ساتھ محفوظ نہیں ہیں۔ فقہ میں قرض کی چند مثالیں پیش کر کے اس مالی نظام کو خاصہ پیچیدہ بنا دیا گیا ہے۔ حلال وحرام کے بارے میں جہاں بے جا آسانی پیدا کرنا پسندیدہ نہیں وہاں بے جا سختی بھی منع ہے۔ جہاں یہ امر ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ ممنوع وحرام چیزوں کو جائز نہ قرار دیا جائے وہاں یہ بھی لازم ہے کہ بغیر نص صریح کے حرمت بھی عائد نہ کی جائے۔ واضح حکم ہے کہ بغیر نص صریح کے کسی چیز کو حرام کہنا سراسر زیادتی ہے۔ فقہائے اُمت کو شارع سمجھنا ایک قسم کا شرک ہے۔ یہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے شارح ومبلغ ہیں۔ شارع نہیں ہیں۔ فقہائے اُمت نے اپنے تقویٰ کے سبب کبھی ڈھیل نہیں دی۔ ہمارے نزدیک ربوٰ کا تعلق عبادات سے نہیں بلکہ معاملات سے ہے۔ اِنسانوں کے باہمی تعلقات سے ہے۔ لہٰذا بے جا سختی اور احتیاط سے پوری قوم متاثر ہو رہی ہے۔ مالی معاملات میں اصل شے اباحت ہے۔ اس لئے جب تک حرمت مشکوک ہو۔ ممانعت میں سختی بے جا ہوگی اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سُود کی حرمت معلل ہے یعنی اس کی کوئی علت ضرور ہے۔

قرض صرفی اور پیداواری

سوال: قرض کی قسموں کے بارے میں آپ کیا رائے ہے؟ کیا قرض ہر قسم ربوٰ کے ضمن

Marfat.com

میں حرام؟ آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: قرض کی واضح، معروف ومتداول قسمیں دو ہیں۔ (۱) صرفی (۲) اور پیداواری

(۱) قرض صرفی یہ ہے کہ احتیاج زندگی پورا کرنے کے لئے لیا جائے۔ مثلاً ایک آدمی خوراک، کپڑا، علاج، شادی وغیرہ کے لئے ضرورت مند ہے لیکن اس کے پاس رقم نہیں ہے اور اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قرض اٹھاتا ہے یہ قرض صرفی ہے

(۲) دوسرا قرض نفع آور قرض ہے۔ یہ شخصی احتیاج کے لئے نہیں بلکہ مزید دولت پیدا کرنے کے لیئے جاتے ہیں۔ یہ پیداواری قرض کہلاتے ہیں۔ ان دونوں قسموں کے قرض دار پر بوجھ یکساں نہیں ہوتا۔ عموماً صرفی قرض کے مقروض کی تمام آمدنی میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اس نے جو راس المال خرچ کیا ہے۔ اسے اس کی واپسی کی امید نہیں ہوتی، چہ جائیکہ اس پر بڑھوتری یعنی اضافے کی امید ہو۔ لیکن نفع اور کاروباری تجارت میں جو روپیہ خرچ کیا جائے اس کے صرف واپس آنے ہی کی امید اور توقع ہی نہیں ہوتی بلکہ اس پر نفع کی امید ہوتی ہے۔ ان دونوں قسموں کے قرضوں کے عملی تاثرات کو یکساں سمجھنا انتہائی غلط ہے۔

ربٰو کے متعلق وعیدیں

سوال: ربٰو کے متعلق قرآن وسنت میں سخت ترین وعیدیں آئی ہیں۔ ان سے مراد کیا ہے آپ ان کے متعلق کیا توجیہہ پیش کرتے ہیں؟

جواب: میری اس سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ (الربٰو) سے مراد وہ بڑھوتری ہے کہ جس کا تعلق حاجت مندانہ اور صرفی قرضوں تک ہے۔ بجا ہے کہ اس کے متعلق سخت ترین وعیدیں آئی ہیں۔ احادیث کے بارے میں محدثین نے جو درایت کے اصول بیان کئے ہیں۔ اُن کے بارے میں علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ نے بڑی عُمدہ بات کی ہے۔ لکھتے

Marfat.com

ہیں وہ حدیث کہ جس میں ذرا سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا معمولی کام پر بہت بڑے اجر وثواب کا وعدہ ہو وہ قابل اعتبار نہیں۔ ایسی روایات ترغیب وترہیب کے باب سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ خاص مقصد کے لئے یعنی نیکیوں کے جذبات کو اُبھارنے کے لئے اور گناہوں سے ڈرانے کے لئے وضع کی گئی ہیں۔ یہ بات بھی بالکل سو فیصد درست اور مبنی برحقیقت ہے کہ قرآن حکیم نے جس قدر سزا سود کے کھانے والے کے لئے بیان کی ہے وہ شاید کسی اور جرم کے لئے بیان کی ہو۔ بلاشبہ ایک حاجت مند جس کو بنیادی ضروریات زندگی کے لیے قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے سود لینا پرلے درجے کی شقاوت قلبی ہی ہے اور اس کی سختی سے روک تھام ہونا ضروری ہے۔ میں اس بارے میں اتنی سی گذارش کرتا ہوں کہ تجارتی سود اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس لئے کہ لینے والے مفلس، کنگال، نادار اور بنیادی ضرویات زندگی سے محروم نہیں ہوتے۔ وہ لوگ قرض نفع آور اسکیموں میں نفع کمانے کی غرض سے لیتے ہیں اور عموماً نفع شرح سود سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔

بغیر محنت نفع آرام طلب بناتا ہے

سوال: کیا جو نفع محنت کے بغیر لیا جائے وہ انسان کو آرام طلب نہیں بناتا؟ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: دراصل یہ اعتراض اُن لوگوں پر کیا جانا چاہیے کہ جن کے پاس بڑی بڑی جاگیریں اور صنعتیں اور فیکٹریاں ہیں اور کمپنیوں کے بڑے بڑے بے شمار حصص ہیں اور وہ ان کی آمدنیوں پر بغیر محنت گذر اوقات ہی نہیں بلکہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر مفتیان دین ومتین ان نکھٹوؤں کی آمدنی کو حرام قرار نہیں دیتے تو پھر اس تجارتی سود کو حرام کیوں کہا جاتا ہے؟

Marfat.com

تجارتی سود

سوال: سود دے کر تجارت کرنے والے کو خواہ نقصان ہو مگر سود لینے والے کو منافع ہی ملتا ہے کیا یہ استحصال نہیں ہے؟

جواب: آپ نے بجا کہا ہے اور یہ اعتراض اپنے اندر بڑا وزن رکھتا ہے۔ میں اس بارے میں ایک معقول بات عرض کرتا ہوں۔ قرض لینے والا اگر دیوالیہ ہو جائے تو اس ناگزیر صورت حال میں قرض دینے والے کو پورا پورا تعاون کرنا از حد ضروری ہے۔ مگر فی الواقع نقصان ثابت ہو جائے تو پھر اسے بحال کرنا بھی قانونی و اخلاقی ہر لحاظ سے سود پر قرض دینے والے پر لازم ہے۔ مگر یہ بات بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ تجارت کے لئے روپیہ سود پر اس لئے لیا جاتا ہے کہ قرض لینے والے کو شرح سود سے کئی گناہ زیادہ نفع کی اُمید ہوتی ہے اور اکثر یہ پوری ہو جاتی ہے اور قرض لینے والے کو ایک چھوٹی رقم مقررہ اوقات پر ملتی رہتی ہے اور اسکے مقابل قرض لینے والا اکثر اس رقم سے کئی گنا زیادہ فائدہ کما لیتا ہے اور بسا اوقات اُس کو نقصان بھی ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے ممکنہ خطرات کے پیش نظر تجارتی سود کو حرام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ویسے بھی اس قسم کے خطرات تجارت کا لازمی حصہ ہیں۔ نفع و نقصان تجارت کے لئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مالیات کے متعلق قدیم کتب فقہ

سوال: ہماری فقہ کی قدیم کتب میں بیع و شرا اور اقتصادیات کے متعلق جو قوانین پائے جاتے ہیں کیا آج کے جدید سائنسی دور میں ان کو من و عن تسلیم کرنا ضروری ہیں؟ اس کے بارے میں جناب کیا کہتے ہیں؟

جواب: فقہائے اُمت کی قبروں پر ہزاروں رحمتیں نازل ہوں اُنہوں نے اپنے دور

Marfat.com

میں احکام اسلامی کی جو تعبیر و تشریح پیش کی تھی وہ نہایت قابل قدر کارنامہ ہے۔ اُنہوں نے اپنے دور کے معاملات کو پیش نظر رکھ کر بڑی عمدہ تحقیقات کی ہیں کہ جن کی روشنی میں ہم آج کے جدید معاملات کو احسن انداز میں سلجھا سکتے ہیں۔ مالی معاملات کی جو اُن کے دور میں صورتیں مروج تھیں اور اُن کے گرد و پیش کی دنیا میں پائی جاتی تھیں اُن میں سے اکثر صورتیں باقی نہیں رہیں اور بہت سی ایسی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں۔ جو اُس وقت موجود نہ تھیں۔ اس لئے خرید و فروخت اور معاشیات کے متعلق جو قوانین ہماری فقہ کی قدیم کتب میں پائے جاتے ہیں ان کو آج من و عن برقرار رکھنا درست نہیں ہے۔ مالی و معاشی نظام کے لئے قانون اِسلامی کی تشکیل جدید کی اشد ضرورت ہے۔

زمانہ جاہلیت میں تجارتی سود

سوال: کیا زمانہ جاہلیت میں تجارتی سُود کی یہی شکل و صورت تھی جو آج کے دور میں پائی جاتی ہے۔ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: ربٰو کی جو صورتیں کتب فقہ و احادیث میں بیان کی گئی ہیں اُن سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ جاہلیت کے عربوں میں تجارتی سود (Productive) کا رواج ایسا ہی تھا جو آج مروج ہو چکا ہے۔ لوگ موجودہ دور کی طرح سود پر قرض لے کر نفع آور کاموں کے لئے سرمایہ یوں جمع نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی طرح گورنمنٹ اور امداد باہمی کی قسم کے قرضوں کی صورت بھی آج جیسی نہیں۔ اُس وقت کے اکثر قرضہ جات حاجت مندانہ اور صرفی قسم کے ہوتے تھے۔ یہ بات کہیں صراحت کے ساتھ نہیں ملتی کہ عرب جاہلیت میں تجارتی سود رائج تھا۔ اُس دور میں تجارت نجی سرمایہ یا شراکت و مضاربت سے ہوتی تھی۔ بجا ہے کہ عرب تاجر دور دراز ملکوں تک جاتے تھے اور بڑے بڑے جتھے باندھ کر سفر کرتے تھے اور تجارت کرتے تھے۔ قرآن حکیم میں ''رحلۃ الشتاءِ والصیف'' کا ذکر آیا

Marfat.com

ہے۔ مگر یہ اجتماعی شکل وصورت راستوں کے خطرات سے محفوظ رہنے کے لئے ہوا کرتی تھی۔ سرمایہ اور سامان مہیا کرنے میں ہر آدمی اپنی ذات کا ذمہ دار تھا۔ جب مکہ سے قافلہ چلتا تو سب حصہ دار اپنا اپنا مال لے آتے۔ جسے دوسرے علاقہ میں لے جا کر فروخت کر دیا جاتا اور اس کے بدلے وہاں سے جو چیزیں خرید کر واپسی پر راستہ میں یا مکہ پہنچ کر فروخت کر دی جاتی تھیں اور اس طرح جو منافع ہوتا وہ شریک کار آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ عرب کے زراعت پیشہ لوگوں کے متعلق اجمالاً آتا ہے کہ وہ لوگ یہودی سرمایہ داروں سے سُود پر قرض لیا کرتے تھے اور یہودیوں میں باہم بھی سودی لین دین ہوتا تھا۔ ممکن ہے کہ اُن کو قرض کی صورت میں لازماً صرف اپنی ذاتی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے پیش نہ آتی ہو بلکہ زراعت پیشہ افراد کو زرعی کاموں کے لئے اور سوداگروں کو اپنے کاروبار کے لئے بھی پیش آتی ہو لیکن اس ممکنہ قیاس کی بناء پر ہر قسم کے سود پر یکساں حکم لگانا قرین انصاف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے قدیم فقہائے اُمت نے بھی ربو کی قسمیں بیان کر کے الگ الگ حکم بیان کیا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کل کے تبدیل شدہ حالات کے لئے شریعت کے اُصولوں سے نئے احکام نکالیں اور رہنمائی کا فریضہ اہل علم بھرپور ادا کریں۔ موجودہ دور میں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے دائن اور مدیون کے تعلقات میں دو طریقوں سے نمایاں اور واضح فرق آ گیا ہے۔ ایک یہ کہ پہلے زمانہ میں پیشہ ور مہاجن حاجت مند لوگوں یا فضول خرچ لوگوں کو قرض دیتے تھے اور اِن کی غربت و ناداری اور بیوقوفی سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے تھے۔ آج کل لوگ اپنی آمدنی میں سے تھوڑا بہت بچا کر کے بڑی بڑی کمپنیوں کو بذات خود یا بنکوں کی معرفت دیتے ہیں اور ساتھ کاروباری لوگوں کو لوگ قرض نفع کے لئے دیتے ہیں دوسرا یہ کہ پہلے زمانہ میں قرض خواہ مقروض کی کمزوری کی وجہ سے مقروض کے سر چڑھا

Marfat.com

رہتا تھا۔لیکن آج کل قرض لینے والے بڑے بڑے تاجر، کمپنیاں، سلطنتیں اورادارے ہوتے ہیں اوران پر قرض خواہ کسی طرح ظلم نہیں کرسکتا۔ حاجت منداورصرفی قرضوں کی حدود سے باہر دائن اور مدیون کے تعلقات میں جوفرق آ گیا ہے۔اس کونظرانداز کرنا درست نہیں ہے۔آج بیرونی تجارت کوفروغ دینے کی ضرورت ہےاورظاہر ہے کہ یہ بیرونی تجارت کے لئے بغیر سود کے کوئی چارہ کارنہیں۔ اِسلامی ممالک کو بین الاقوامی ماحول میں زندہ رہنے کے لئے یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔لہٰذا فتوؤں کی ٹھس زبان میں گفتگو کرنے کے بجائے اجتہادی نقطۂ نظر سے مالی معاملات کے لئے سوچ بچار کرنی چاہیے۔

بلاسُود بنکاری

سوال: بلاسُود بنکاری کے حوالے سے آپ کی کیارائے ہے؟

جواب:

متعدد بنک بلاسود کامیاب طریقے سے چلارہے ہیں۔میری ناقص رائے یہی ہے کہ اِسلام اصلاً ہرایک کومحنت کاعادی بنانا چاہتا ہے۔متحرک وفعال شہری رکھنا چاہتا ہے۔اس لئے محنت کرنے والے کواللہ کا حبیب کہا گیا ہے۔سُود کے ضمن میں اِسلام کی مناہی صرفی سود کے متعلق حرمت کی حدتک نہیں پہنچی اور نہ ہی قوم پر بحیثیت مجموعی حاوی ہوتی ہے۔اگرنفع آور کاموں کے لئے سُود اکٹھا کرنا ہوتو اُس کا احسن طریقہ یہی ہے کہ سلطنت خوداس کاانتظام کرےاوراُس کے لئے حکومت اپنے بنک چلائے۔لیکن جہاں اور جب تک یہ ممکن نہ ہوافراد کے لئے اس قسم کا سود لینا اور دینا قطعی حرام نہیں کہنا چاہیے۔درست ہےاور بجاہے کہ حکومت اِسلامی کوایسا نظام کرنا چاہیے کہ ایسے قرض لوگوں کو بغیر سود کے مل جائیں۔ اس کا بہتر طریقہ بھی یہی ہے کہ امداد باہمی کی

Marfat.com

سوسائیٹیوں یا بنکوں کی معرفت اس کا انتظام و اہتمام کیا جائے اور جہاں ضرورت ہو اِسلامی حکومت خود زکوٰۃ وصول کر کے بیت المال یعنی مرکزی خزانے سے ان کو سرمایہ مہیا کرے۔ آج کل کے تبدیل شدہ معاشی حالات میں صرف قرض حسنہ کی بنیاد پر مالی معاملات کو چلانا خاصا دشوار ہے اِس لئے ضرورت ہے کہ مالی و معاشی نظام پر نئے سرے سے آزادانہ بحث کی ضرورت ہے۔ جن اہل علم نے بلاسود بنکاری پر کام کیا ہے اسے بھی مزید آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اِس کے اندر بھی تغیر و تبدل کی بڑی حد تک گنجائش موجود ہے۔

اسلام کا معاشی نظام

سوال: اِسلام جو معاشی نظام پیش کرتا ہے یہ کس قسم کا ہے اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: میرے نزدیک اِسلام محض چند خوش آیند اور تخیلاتی و تصوراتی تعلیمات کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ حقائق زندگی سے بحث کرتا ہوا اُن ٹھوس مسائل کو حل کرتا ہے جن سے انسان نہ انفرادی طور پر فرار حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اجتماعی طور پر۔ اِسلام اُن تمام راستوں سے آتا ہے جن کا کچھ بھی تعلق مسائل زندگی سے ہے۔ اِسلام باور کراتا ہے کہ مال کا معاملہ دلوں میں کچھ ایسا پیوست ہوتا ہے کہ اسے اُکھاڑنے کے لئے ایک تو ذہنی تبدیلی اور محکم اخلاقی بلندی پیدا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ بھی اِسلام کہتا ہے کہ ایک ہمہ گیر نظام کو بدلنے کے لئے جو نقصان دکھائی دیتا ہو اس کی تلافی کا سامان بھی پیدا کرنا ضروری ہے جو اُس کا نعم البدل ہو۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ گہرے غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ اس پیچیدگی کو محض ایک مفتی حل نہیں کر سکتا اسے وہی مرد حق حل کر سکتا ہے جو ایک طرف تو اپنی روح کی گہرائیوں میں اسلامی روح کو جذب کئے ہوئے ہو اور

Marfat.com

دوسری طرف علم معاشیات کا بھی ماہر دانشور ہو اور دنیا کے معاشی نظام وتجارت اور کاروبار کی متنوع صورتوں پر گہری نگاہ رکھتا ہو۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم نے ربا کے بارے میں بڑا حکیمانہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں تین باتیں ہیں جن کے بارے میں مجھے تمنا ہوتی ہے کہ کاش حضور نبی کریم ﷺ ان کے متعلق واضح اور آخری احکام بتا جاتے۔ ایک دادا کا ترکہ اور دوسری کلالہ کا حصہ اور تیسری سود کی قسمیں۔ یہ جملہ اُس خلیفہ راشد کی زبان سے نکلا تھا۔ جس کے ہاتھ میں سلطنت کی باگ ڈور آئی تھی۔ جس کے قبضے میں دنیا کی معاشی پالیسی آئی تھی اور یہ جملہ اُس وقت کہا جب عہد رسالت کو ابھی چند سال ہی گذرے تھے اور ایسی حالت میں نکلا کہ جب تمدن سمٹا ہوا تھا۔ زندگی نہایت سادہ تھی۔ لین دین کا طریقہ نہایت آسان تھا۔ معاملات پیچیدہ نہیں تھے۔ بینکوں کا تصور تک نہیں تھا۔ مبادلہ زر میں کوئی دقت نہیں تھی جب اُن حالات میں حضرت عمرؓ جیسا خلیفہ راشد مسائل سود میں اُلجھن ودقت محسوس کرتا ہے تو آج جب کہ ساری دنیا کا نظام مالی ومعاشی پیچیدہ ہو چکا ہے۔ بلاشبہ معاشی اور اخلاقی توازن میں سود سے زیادہ اور کوئی شے بگاڑ پیدا کرنے والی نہیں۔ بجا ہے کہ اِسلام اسے ساری دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہاں یہ نحوست جڑ پکڑ ہوئے ہو اور لوگوں کے رگ وخون میں سرایت کر چکی ہو وہاں سے اسے یک لخت ختم کرنا شیخ چلی والی بات ہی ہے۔ اسے بھی غلامی کی طرح بتدریج ختم کیا گیا۔ سود خوری ہمیشہ بری چیز تھی۔ حتیٰ کہ شریعت موسوی میں سود بھی حرام تھا۔ لیکن اس کی حرمت کا حکم ہجرت کے بھی کئی سال بعد نازل ہوا۔ یہ تاخیر بتاتی ہے کہ اس کی حرمت کا فتویٰ اُسی وقت مؤثر ہو سکتا ہے جب دنیا کے معاشی نظام کی کنجی اپنے ہاتھ میں آجائے اگر کوئی فرد معاشرہ تقویٰ پر عمل کرتا ہے تو وہ لائق احترام ہے اور سود سے اپنے آپ کو بچاتا ہے تو یہ

Marfat.com

بہت اچھا ہے موجودہ حالات میں آگے بڑھنا چاہیے تبدیلی پیدا کرنا ضروری ہے۔ تدریج کو بہانا بنانا درست نہیں ہے۔ اہل علم کو بھی اجتہادی بصیرت کے ساتھ اسلامی حکومت کی رہنمائی کا فریضہ غیر سیاسی انجام دینا چاہیے۔ اِسلام کے معاشی نظام کا وسیع مفہوم سمجھانا چاہیے۔ کیونکہ مفتی کا کام محض یہ نہیں کہ فتویٰ دے کر الگ ہو جائے بلکہ مشکل کا حل اور غلط کا صحیح بدل بھی بتانا اس کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ یہی کتاب وسنت کی حکمت کا تقاضا ہے۔

کمرشل انٹرسٹ مضاربت اور ربٰو سے تشابہ اور تباین

سوال: کیا کمرشل انٹرسٹ کو مضاربت کہا جا سکتا ہے یا صرف ربٰو ہی کی صورت ہے؟ اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: اس مسئلہ کو مولانا جعفر شاہ پھلواری مرحوم نے نہایت عمدہ انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ بڑے سکالر عالم دین تھے اُنہوں نے جدید مسائل کو نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ یہ خدا لگتی بات ہے کہ کمرشل انٹرسٹ مضاربت بھی ہے اور ربٰو بھی۔ یا پھر دونوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ ایک لحاظ سے یہ مضاربت بھی ہے اور دوسرے لحاظ سے ربٰو بھی۔ ربٰو اس لئے کہ اس میں ربٰو کی طرح منافع کی رقم معین ہے جو بہر حال قرض لینے والا ادا کرتا ہے اور مضاربت اس لئے کہ جس طرح قرض لینے اور اپنے منافع کا ایک حصہ قرض دینے والے کو دیتا ہے اِس طرح یہاں بھی اپنے منافع کا ایک حصہ قرض دینے والے کو دیتا ہے یا پھر یہ مضاربت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں حصہ رسدی کے مطابق شرکت نہیں ہوئی بلکہ معین رقم سے ہوتی ہے اور یہ ربٰو بھی نہیں۔ اس لئے کہ اس میں منافع لینے والے کا یک طرفہ منافع نہیں ہوتا۔ یہ سو فیصد مضاربت نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اتنا کہ دینا کافی ہے کہ یہ ربٰو نہیں ہے لین دین میں حلت کے لئے مضاربت ہونا ضروری

Marfat.com

نہیں بلکہ یہاں ربٰو یا دوسری حرام شکلیں نہ ہونا ہی عدم حرمت کیلئے کافی ہے۔ لینے والے کے ذہنی رجحان میں اور اس کے نتائج میں بڑا فرق ہے۔ سود خور ضرورت مند کی مجبوری سے اپنا فائدہ اُٹھاتا ہے۔ وہ اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ قرض لینے والے کا کیا حال ہوتا ہے۔ بلکہ عموماً وہ اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ قرض لینے والا قرض ادا کرنے کے قابل ہی نہ ہو سکے اور سُود کی رقم اتنی بڑھ جائے کہ آخر کار اس کی تمام جائیداد کو قرق یعنی کُرکی کرا کے اس پر قبضہ کرے۔ لیکن تجارت کے لئے جو قرض لیا جاتا ہے اس میں یہ رجحان نہیں ہوتا۔ اس میں دونوں کا نفع ہوتا ہے۔ امکانی نقصان کی صورت تو تجارت کا لازمی حصہ ہے۔ اس لئے عدم جواز کا پہلو کُرید کُرید کر تلاش کرنا درست نہیں ہے۔

کمرشل انٹرسٹ میں رعاتیں اور قابل لحاظ امور

سوال: کیا کمرشل انٹرسٹ میں عدم جواز کے پہلوؤں سے بچنے کے لئے کوئی رعاتیں دی سکتی ہیں اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: آپ نے یہ بڑی اچھی اور خدالگتی بات کی ہے عدم جواز کے پہلوؤں سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے۔

۱۔ کہ شرائط ایسی نہ رکھی جائیں جن کے نتیجے میں یک طرفہ منافع ہو یا ایک فریق اتنا زیادہ نفع لیکر دوسرے فریق کے لیے زندہ رہنا دشوار ہو جائے۔

۲۔ ناگہانی آفات کیلئے بھی بشرطیکہ تعمد نہ ثابت ہو۔ رعائتیں موجود ہوں۔ خواہ خود مالک دے یا کوئی سوسائٹی یا حکومت دے۔

۳۔ مفت خوری کا جذبہ یا امکان کم سے کم کیا جائے۔

کمرشل انٹرسٹ کے سلسلے میں چند مثالیں عرض کرتا ہوں۔ یہ مثالیں نفس مسئلہ کو سمجھنے میں مدد دے سکتی ہیں۔ مثلاً

Marfat.com

۱۔ ایک شخص تیس ہزار روپے کی ایک بھینس خریدتا ہے جو روزانہ پندرہ سیر دودھ دیتی ہے۔ یہ اپنی بھینس کو ایک دوسرے آدمی کو اس شرط پر دیتا ہے کہ تم اس کی خدمت کرو اور اس کے دودھ دہی مکھن، گھی سے فائدہ اُٹھاؤ اور مجھے پانچ سیر روزانہ دے دیا کرو اگر اس قسم کی شرائط کو قبول کر لینے سے یہ سودا سود نہیں تو پھر کمرشل انٹرسٹ بھی سود نہیں۔

۲۔ ایک شخص اپنی ویگنوں، ٹرکوں اور رکشوں کو اس شرط پر دیتا ہے کہ تم مجھے اتنی رقم روزانہ یا ماہانہ دے دیا کرو یہ سودا بھی سود میں شامل نہیں تو پھر کمرشل انٹرسٹ کس طرح سود ہے؟ کیونکہ ان دونوں مثالوں میں معاملہ کرنے والے دونوں فریقوں کا فائدہ متوقع ہے۔ اس لئے ان میں عدم جواز کا پہلو تلاش کرنا درست نہیں ہے۔

بیع سلم اور کاروبار تجارت

سوال: بیع سلم سے کیا مراد ہے؟ کیا مروجہ کاروبار تجارت کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے؟ اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: بیع سلم فقہائے امت کے نزدیک جائز ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو معین مدت تک کے لئے سونا یا چاندی کسی ایسے متعین سودے کے لئے دے جس کا نرخ قرض دیتے وقت کے نرخ سے زیادہ ہو مثلاً عثمان، جابر کو ایک لاکھ روپیہ قرض دیتا ہے اس وقت سونے کی قیمت دس ہزار روپے فی تولہ ہے۔ جس کے لحاظ سے ایک لاکھ روپے کے دس تولہ سونا ہوتا ہے لیکن عثمان اسے اس شرط پر رقم دیتا ہے کہ میں اتنی مدت کے بعد تم سے دس تولہ سونا آٹھ ہزار روپے فی تولہ کے حساب سے لوں گا۔ ان کو قوی توقع ہوتی ہے کہ اس رقم کے عوض اگرچہ بیس ہزار روپے خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے لیکن کاروبار اتنا ہو گا کہ اس نقصان کے باوجود کاروبار میں گھاٹا پورا کر کے نفع حاصل

Marfat.com

ہوگا۔ یہ بیع سلم فقہائے امت کے نزدیک جائز ہے۔اس لئے کہ اس میں دونوں کا فائدہ ہے اور اس کی صورت نتیجے کے اعتبار سے تقریباً مضاربت ہی جیسی ہوتی ہے۔

بیع سلم اور کمرشل انٹرسٹ

سوال: کیا بیع سلم اور کمرشل انٹرسٹ میں کوئی فرق ہے؟

جواب: دونوں اُدھار کی صورتیں ہیں، دونوں میں قرض دینے والا اپنے نفع کی مقدار مقرر کر دیتا ہے دونوں میں طرفین خوشی سے سودا کرتے ہیں، دونوں میں قرض لینے والا اپنے نفع ونقصان کا اندازہ کر کے یہ دیکھ لیتا ہے کہ کچھ زائد واپس کر کے بھی مجھے بچ رہے گا، دونوں میں یک طرفہ کا فقدان ہے اور دونوں صورتوں میں فریقین کو بیع کی طرح اپنا نفع نظر آتا ہے بیع سلم اور کمرشل انٹرسٹ میں بہت ہلکا سا فرق ہے کمرشل انٹرسٹ میں قرض دینے والا راس المال سے زائد رقم وصول کرتا ہے اور بیع سلم میں راس المال کی قیمت کے سونا سے زیادہ رقم کا سونا حاصل کرتا ہے دونوں کے نفع میں لفظی فرق کے سواء کچھ بھی نہیں ہے۔ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ ایک لاکھ روپے کے بجائے ایک لاکھ دو ہزار روپے لیں تو ناجائز ہو اور آٹھ ہزار روپے کا سونا لو تو بالکل جائز ٹھہرے۔ اس طرح اگر ایک شخص کسی کو ایک ٹرک خرید کر دیتا ہے کہ تم اسے چلاؤ اور اسے جس طرح مناسب سمجھو اچھی طرح استعمال کر کے جتنا چاہو کماؤ اور مجھے ہر روز پانچ سو روپے دے دیا کرو یہ سودا جائز ہے تو پھر یہ بھی جائز ہونا چاہیئے کہ ایک شخص کسی کو ایک لاکھ روپے دیتا ہے تم اس سے گاڑی خرید کر چلاؤ اور مجھے روزانہ پانچ سو روپے دے دیا کرو یہ سودا بھی جائز ہی ہونا چاہئے خواہ مخواہ کی پیچیدگیاں پیدا نہیں کرنی چاہئیں۔

Marfat.com

اسلام ضابطہ حیات ہے

اسلام کی تعلیمات قیامت تک کے لیے ہیں اور ایک جامع ضابطہ حیات اور اصولی رہنما بن کر آیا ہے جو ہر زمانہ کے سارے تقاضوں میں ہر ملک کے مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے وہ صرف چودہ سو سال پہلے کے عربوں کا قانون زندگی نہیں کہ محض ان کے معاملات ہی کی رہنمائی کرے لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو فقہی پیچیدگیوں کی نذر کر کے مسائل کو مشکل نہیں بنانا چاہیے۔

Marfat.com

بیمہ کی شرعی حیثیت

سوال: بیمہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: ایسا نظام کہ جس کی بنیاد مسلمانوں اور اِنسانوں کے درمیان تعاون اور باہمی ذمہ داری کے مقاصد پورے کرنے کی کوششوں پر ہو شرعاً جائز ہے۔ اُمت مسلمہ کے تمام افراد کے درمیان تعاون اور باہمی ذمہ داری ایسے اُمور ہیں جو مقاصد شریعت سے نہ صرف ہم آہنگ ہیں بلکہ اسلام خود اس کا تقاضا کرتا ہے۔ بیمہ جن اغراض و مقاصد پر مشتمل ہے وہ جائز ہے۔ اغراض و مقاصد سو فی صد درست ہیں۔ بیمہ باعتبارِ نظریہ اِسلام کا موضوع خاص ہے۔ تاہم مروجہ نظام بیمہ کے بارے میں بعض علمائے کرام کے تحفظات ہیں اس لئے وہ مروجہ معاہدوں کو درست نہیں سمجھتے۔ ہم اس کے بارے میں مندرجہ ذیل اُمور عرض کرتے ہیں۔

(۱) اگر معاہدات بیمہ دھوکہ پر مبنی نہ ہوں تو وہ جائز ہیں۔

(۲) اجتماعی بیمہ کا کاروبار خود حکومت کرتی ہے یا اس کا انتظام اپنے کسی عام ادارے کے حوالے کر دیتی ہے اور اِس کے ذریعے حکومت عوام کے بعض طبقات کو بعض خطرات سے تحفظ فراہم کرتی ہے۔ جیسے مزدوروں کا معذور ہو جانے، بیمار پڑ جانے اور بڑھاپے کے خلاف بیمہ کرنا اِس قسم کے بیمہ جات درست ہیں۔ اِس کی تائید بڑے بڑے علماء کر رہے ہیں۔ بیمہ میں ممانعت کی وجہ دھوکہ بیان کی جاتی ہے اور یہ دلیل بھی صرف معاوضہ والے معاملات تک محدود ہے جب کہ تبرعات میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اجتماعی بیمہ کا نظام اپنی صورت و ہیئت میں ہر اعتبار سے کفالتی نظام ہے اور یہ درست ہے کیونکہ اِس میں حکومت خود جو کچھ خرچ کرتی ہے اِس کے مقابلے میں کسی معاوضے کی طالب نہیں ہوتی۔

Marfat.com

(۳) تبادلی بیمہ بھی جائز ہے اور اسے امداد باہمی کی انجمنیں چلاتی ہیں۔

(۴) انشورنس کا نظام اپنی اصل کے اعتبار سے تعاونی نظام ہے جس سے مقصود مصیبت اور حادثات کی زد میں آنے والے لوگوں کی تکلیف کو دور کرنا اور نقصانات کی تلافی میں تمام انشورنس والوں یعنی پالیسی ہولڈرز کو شریک کرنا ہے تاکہ نقصان کا بار کسی ایسے شخص کو جو مصیبت یا حادثہ کی زد میں آیا ہو تنہا نہ اُٹھانا پڑے۔ گویا انشورنس نقصان کی تلافی کی ایک تعاونی نظام کی شکل ہے جو جائز ہے۔

(۵) انشورنس نہ کھیل ہے اور نہ کسی فاسد و باطل غرض کو پورا کرنے کے لئے وجود میں آیا ہے بلکہ وہ تمدنی اور اقتصادی و معاشی تقاضوں کے تحت اُبھرا ہے۔ اگر انشورنس کے نظام کو ختم کر دیا جائے تو تجارت و معیشت کے میدان میں بڑی بڑی رُکاوٹیں کھڑی ہو جائیں گی۔ مثلاً درآمد و برآمد کاروبار، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ کے حادثات کی زد میں آنے والوں کو معاوضہ دینے کا مسئلہ، آتش زدگی کی صورت میں نقصان کی تلافی کا مسئلہ وغیرہ اور چونکہ انشورنس معاشیات میں اہم رول ادا کرتی ہے اس لئے موجودہ دور میں اس کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۶) انشورنس کا موجودہ نظام اسلامی تعلیمات کے عین مطابق نہ سہی تاہم اسے قمار یعنی جوا قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جوئے کا تعلق محض بخت و اتفاق سے ہے، جب کہ انشورنس کا تعلق حادثات سے ہے جن میں مصیبت زدگان اور متاثر ہونے والوں کی مدد کی جاتی ہے جو انسانیت کا بھی تقاضا ہے اور موجودہ زمانہ کے معاشی حالات کا بھی۔ جوئے میں انسان خطرہ میں پڑتا ہے جبکہ انشورنس خطرات کو دور کرنے اور نقصان کی صورت میں تلافی کا سامان کرتا ہے۔ یہ مستقبل کے لئے احتیاط کی صورت ہے اس لئے اسے قمار کہنا درست نہیں ہے۔

Marfat.com

(۷) انشورنس کے نظام کو غرر یعنی دھوکہ قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ علمی بنیادوں پر قائم ہے اور اِس میں اعداد و شمار کو بڑا دخل ہے۔ اگر قدر غرر ہو بھی تو اِسے اعلیٰ مقصد کی خاطر ضرورۃً نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

(۸) انشورنس باہمی تعاون کی ایک نئی شکل وصورت ہے اور عقود یعنی معاملات میں ایک نئے عقد یعنی معاملہ کا اضافہ ہے اِس لئے اس کے حسن و قبح پر اِسی حیثیت سے غور و فکر کرنا چاہیے۔

(۹) انشورنس کا معاملہ ایک نیا معاملہ ہے۔ یہ معاملہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے سادہ نہیں بلکہ مرکب ہے۔ اِس لئے معاملات کی ایک شکل پر اُسے قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً انشورنس میں ربا کا جزء شامل ہے لیکن اِس کو معاملہ ربا اِس لئے قرار نہیں دیا جا سکتا کہ آگ وغیرہ کا حادثہ پیش نہ آنے کی صورت میں اداشدہ رقم پالیسی ہولڈر کو واپس نہیں ملتی کجا کہ سود ملے۔

(۱۰) انشورنس کی مختلف قسمیں اور مختلف صورتیں ہیں اِس لئے سب کا حکم بھی یکساں نہیں ہے۔

(۱۱) ایکسیڈنٹ ہونے کی صورت میں انشورنس کمپنی اِس کو ایک بڑی رقم ادا کرتی ہے اور موٹر کے مالک یا ڈرائیور کو کچھ ادا نہیں کرنا پڑتا۔ حادثہ اگر ڈرائیور کی غلطی سے ہوا ہے اور اِس میں اگر کسی شخص کی موت واقع ہوگئی ہے تو اِسلامی شریعت کی رُو سے قتل خطاء کی دیت ادا کرنے کی ذمہ داری ڈرائیور پر عائد ہوتی ہے۔ مگر وہ دیت کی بڑی رقم کہاں سے ادا کرے گا؟ اِسلام نے عاقلہ یعنی اُس کے خاندان کو دیت کی ادائیگی میں شریک کیا تھا لیکن موجودہ زمانہ میں خاندانی سسٹم نہیں رہا اور ڈرائیور بالعموم اِس بوجھ کا متحمل نہیں ہوتا اِس لئے موجودہ متمدن دنیا نے انشورنس کا طریقہ رائج کر کے بہت بڑی سہولت

Marfat.com

فراہم کر دی ہے اور حکومت نے اِسے بجا طور پر لازم (Compulsory) قرار دیا ہے۔ در حقیقت یہ تعاون ہی کی ایک شکل وصورت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اِس کے نظام میں کچھ فاسد چیزیں بھی شامل ہو گئی ہیں مگر اِس بناء پر اِس معاملہ کو جو ایک ناگزیر تمدنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔

(۱۲) جو شخص موٹر کے حادثہ کی زد میں آ کر مر گیا، اس کے ورثاء کے لئے انشورنس کی رقم وصول کرنا ایسا ہی ہے جیسے دیت وصول کرنا۔ دیت اِن کا حق ہے اور اِس کے وصول کرنے میں وہ حق بجانب ہیں۔ اور معاملہ کی اِس نوعیت سے کہ دیت کی ادائیگی کی ذمہ داری ڈرائیور کی طرف سے انشورنس کمپنی نے رکھی ہے کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ اِس بات سے اِس کا حق ساقط ہوتا ہے کہ انشورنس کمپنی کی آمدنی میں مشکوک آمدنی کی بھی آمیزش ہوتی ہے۔ اِس لئے کہ اس تحقیق کی کوئی ذمہ داری حق وصول کرنے والوں پر شرعاً عائد نہیں ہوتی۔ اگر خون بہا یعنی دیت کی رقم کوئی شخص اپنی حرام کی کمائی میں سے دے تو ورثاء کے لئے یہ رقم لینا ناجائز نہیں ہے۔ پس اگر اِن کے لئے دیت لینا جائز ہے قطع نظر اِس سے کہ دیت ادا کرنے والا کہاں سے ادا کر رہا ہے تو اِن کے لئے انشورنس کی رقم لینا بھی جائز ہے۔ اِسی طرح اُن لوگوں کے لئے بھی انشورنس سے اپنا کلیم (Claim) وصول کرنا جائز ہے جو موٹروں کے حادثات کی زد میں آ کر زخمی ہوئے ہوں۔ اِس لئے یہ بھی نقصان کی تلافی ہے جس کی ذمہ داری ڈرائیور پر عائد ہوتی ہے اور قانون کے مطابق۔

(۱۳) آگ، سیلاب اور موت کی وجہ سے نقصان کی صورت میں وہ رقم جس کا انشورنس کرایا گیا، پالیسی ہولڈر کو ادا کر دیا جاتا ہے۔ یہ تعاون ہی کی ایک شکل ہے کہ ایک فرد کا نقصان کئی افراد پر بانٹ دیا جاتا ہے اور یہ موجودہ دور کی ایک معاشی اور اجتماعی ضرورت ہے۔ اِس لئے ضمناً جو خرابیاں اِس میں پائی جاتی ہیں اِن کو نظر انداز کر

Marfat.com

دینا چاہیے۔

(۱۴) موجودہ اِسلامی حکومتیں فقہ اِسلامی سے لاپرواہ ہیں۔ ایسی صورت میں اموال کے انشورنس کے سلسلہ میں بحیثیت مجموعی ہی رائے قائم کی جاسکتی ہے اور یہ رائے جواز ہی کے حق میں جاتی ہے۔

(۱۵) فقہائے اُمت نے عموم بلویٰ کا لحاظ کیا ہے۔ مثلاً جانوروں کی نجاست کے ضمن میں دفع حرج کے لئے نرمی پیدا کردی ہے۔ لہٰذا اِس اعتبار سے بھی انشورنس کے نظام کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

(۱۶) موجودہ زمانہ میں سرکاری، ملازمین کے لئے ریٹائرمنٹ پر پنشن (التقاعد) کا طریقہ رائج ہے جس میں علماء کے نزدیک ضمناً کئی سقم پائے جاتے ہیں اِس کے باوجود اُنہوں نے اِس معاملہ کو ناجائز اور حرام نہیں کہا لہٰذا جب کہ انشورنس اور التقاعد الحالیہ یعنی موجودہ پنشن میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا ضمنی خرابیوں کے باوجود انشورنس کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔

(۱۷) فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کسی چیز کی بیع میں ضمناً ممنوع چیز کا ارتکاب ہوتو اُسے بیع باطل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لہٰذا انشورنس کو بھی اِسی طرح قیاس کرلینا چاہئے۔

(۱۸) لائف انشورنس ایک عقد یعنی معاملہ ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ بیمہ کرانے والا اپنی زندگی کا جس قیمت کا بیمہ کرانا چاہتا ہے اِس کو وہ قسط وار ادا کرنے کا پابند ہوتا رہے۔ مدت معینہ کے اندر وفات پانے کی صورت میں وہ رقم جس کا اِس نے بیمہ کرایا ہے لائف انشورنس کی طرف سے جو حکومت کا قائم کردہ ادارہ ہے اُس کے ورثاء کو مل جاتی ہے اور اگر مدت معینہ کے اندر وفات نہ ہوئی ہو تو ادا شدہ رقم مع بونس کے واپس مل جاتی ہے۔ لائف انشورنس کی تشکیل تعاون کی بنیاد پر نہیں بلکہ کاروبار کی بنیاد پر ہوتی

Marfat.com

ہے۔ لائف انشورنس کے لئے ڈاکٹر معائنہ ضروری ہے، بہت زیادہ بیمار اور بوڑھے اشخاص اپنا بیمہ نہیں کرا سکتے۔ حالانکہ دوسروں کی بہ نسبت یہ یا ان کے ورثاء تعاون کے زیادہ مستحق ہیں۔ لائف انشورنس میں اصل رقم مدتِ مقررہ کے بعد بونس کے ساتھ لوٹائی جاتی ہے جس میں اصلاح کر کے اسے بھی شائبہ سود سے پاک کیا جا سکتا ہے۔ لائف انشورنس اور جنرل انشورنس میں ضمنی سود کی جتنی آمیزش ہے اس کو اسلام کے آئیڈیل اور معیاری معاشی وفلاحی نظام کے آنے تک نہ چاہتے ہوئے کراہت کے ساتھ گوارا کیا جانا چاہیے۔

جرمانے کی شرعی حیثیت

سوال: کیا جرمانہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے؟

جواب: جرمانے کو عربی زبان میں غرامہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ غرم لغیرم کا مصدر ہے جس کے معنیٰ قرض کے ہیں۔ عرب اجل غارم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ذمے قرض ہو۔ (لسان العرب ۱۵/۵۹) جرمانے کی رقم واجب الاداء ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالعزیز عامر لکھتے ہیں۔

''الغرامة هی الزام المحکوم علیه بدفع مبلغ من المال الخزانة الدولة ''، محکوم علیہ یعنی مجرم پر ایک خاص رقم ریاست کے خزانے میں جمع کروانے عائد کرنا جرمانہ کہلاتا ہے۔ (التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ۳۵۰/) شریعت اسلامیہ میں تین طرح کی مالی سزائیں دی جاتی رہی ہیں۔ (۱) اتلاف (۲) تغییر (۳) حرمانِ ملکیت۔

Marfat.com

اتلاف

ایسی اشیاء جو بنفسہٖ اور لذاتہٖ اسلام میں حرام ہیں اور وہ اشیاء جو برائی کا باعث بننے کی وجہ سے ممنوع وحرام ہیں۔ قرآن وسنت اور عملِ صحابہؓ کی رو سے ان کا تلف کرنا جائز ہے، مثلاً عہدِ رسالت مآب میں مسجد ضرار کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسولِ کائنات ﷺ نے چند صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہ جا کر مسجد ضرار کو پیوند خاک کر دیں اور اسے آگ لگا دیں۔ تعمیل حکم کی گئی۔ کیونکہ اس مسجد کا مقصد مسلمانوں کو اور خصوصاً نبی کُل کائنات ﷺ کو نقصان پہنچانا تھا۔ لہٰذا تخریبی مقاصد کے لیے تعمیر ہونے عالی مسجد تک کو تلف کرنا قرآن وسنت اور تعامل صحابہؓ کی رو سے جائز ہے۔ ایسی عمارت جس میں مسلمانوں کے اجتماعی عقائد قومی سلامتی اور داخلی امن واستحکام کے خلاف سازشیں تیار کی جاتی ہوں اسے منہدم کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ اس کے علاوہ شراب کے برتن، آلات لہو ولعب اور مضر صحت خورد نوش اور غیر معیاری ادویہ کا تلف کرنا بھی جائز ہے۔ شراب فروشی کے لئے استعمال ہونے والے مکانات کو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے جلا دینے کا حکم دیا تھا۔

(الحسبۃ فی الاسلام/۴۹)

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے جب ایک گوالہ یعنی دودھ فروش کو دودھ میں پانی ملاتے ہوئے دیکھا تو آپؓ نے وہ سارا دودھ تعزیراً زمین پر گرا کر تلف کر دیا۔

(التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ/۳۴۴)

تغییر

ایسی اشیاء جو شرعاً کسی درجہ منکرات میں شمار ہوتی ہیں۔ بسا اوقات تلف کرنے کی بجائے ان میں اس طرح تبدیلی عمل میں لائی جاتی ہے جس سے ان کی ہیئت یعنی شکل وصورت بدل جاتی ہے اور اس طرح ان کی مالیت میں کمی آجاتی ہے۔ ایسی

Marfat.com

اشیاء کی مالیت میں کمی کرنے کی یہ صورت شرعاً مالی سزا کا درجہ رکھتی ہے۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ نے اپنے وقت میں رائج سکوں مثلاً دراہم و دنانیر کو توڑنے سے منع فرمایا تھا مگر جو سکے کھوٹے جاتے ہو انہیں زیورات بنوانے کے لیے توڑنے اور ان کے دیگر استعمال ان کی ہئیت بدلنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ (الاحکام السلطانیہ ۱۶۷/۱) اسی طرح کاشانہ نبوت میں ایک پردے پر جانوروں کی تصاویر بنی ہوئی تھیں حضور نبی کریم ﷺ نے ان جانوروں کے سروں کو مٹا دیا۔ اس سے وہ درختوں کے مانند ہو گئے۔ پھر پردے کو کاٹ کر بچھونے بنوالیے۔ (مسند احمد ۱۷۲/۶) مثالوں میں اگرچہ مالی سزا کے معنیٰ نہیں پائے جاتے۔ تاہم یہ تغیر یعنی کسی منکر اور بری چیز کی ہئیت تبدیل کر کے اس کی مالیت میں کمی کرنے اور اسے استعمال میں لانے کا جواز ضرور فراہم کرتی ہیں۔

- حرمان ملکیت

مجرم کو اس کے ناجائز طور پر حاصل کئے ہوئے مال کی ناجائز ملکیت سے محروم کرنے کو حرمانِ ملکیت کہتے ہیں۔ ضمان، تاوان اور جرمانہ اسی قسم کے تحت آتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص کے مجرمانہ فعل سے کسی فرد کے حقوق متاثر ہوں تو اُسے پہنچنے والے نقصان کی تلافی مجرم کے مال سے کی جاتی ہے۔ گویا اُسے متاثرہ شخص کو پہنچنے والے نقصان کے برابر مال سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہ عائد کردہ مالی سزا ضمان معاوضہ یا تاوان کہلاتا ہے۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ جو شخص باغ سے چوری پھل توڑے اُس کی کیا سزا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس نے باغ میں پھل کھا لیا اور اسے جھولی میں ڈال کر نہ لے گیا تو اس پر کچھ تاوان نہیں۔ اور جو اُٹھا کر ساتھ لے گیا تو اُس پر اُس پھل کی دوگنا قیمت لازم ہوگی۔ اُسے پیٹا جائے گا اور اُسے دوسروں کے لئے باعثِ عبرت بنایا جائے گا۔ اور جس پھل سے اُس نے ٹوکرے یا تھیلے بھر لئے۔

Marfat.com

اگر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو حد سرقہ کو کرتے ہوئے اُس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس حدیثِ مبارکہ کے مطابق ڈھال سے کم قیمت کے پھل چرا کے جانے پر مسروقہ پھل کی دوگنا قیمت سزا کے طور پر مجرم سے لی جائے گی یہ حرمانِ ملکیت ہے۔ یہ رقم چور کے مجرمانہ فعل سے متاثر ہونے والے شخص کو پہنچنے والے نقصان کا معاوضہ ہوگی۔ مجرم کے حوالے سے یہ رقم حرمانِ ملکیت میں شمار ہوتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مالی سزا سنگین جرائم کے انسداد میں مؤثر تسلیم نہیں کی گئی جرائم کی نوعیت خواہ ایک ہو اگر ان کی سنگینی کی سطح مختلف ہو جائے تو سزا کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ جیسے نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ اگر مسروقہ پھل کی قیمت ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو مجرم پر مالی سزا عائد نہیں کی جائے گی بلکہ جرم کی سنگینی میں اضافہ ہو جانے کی بناء پر حد سرقہ یعنی چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔ شریعتِ اسلامیہ میں بھی چوری کو بیک وقت فرد اور ریاست کے خلاف جرم قرار دیا گیا ہے۔

Marfat.com

عصری علوم کی اہمیت

سوال: عصری علوم کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: اس لیے عصری علوم کا حصول معرفت دین کی تصحیح و تکمیل کے لیے ضروری ہے۔ عصری تخلیقات و ایجادات نے جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے اور جو لوگ افکار دینی کی تازہ تفسیر سے کُتراتے تھے وہ بالآخر جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق اپنی فہم و بصیرت اور معرفتِ دینی کو ڈھالنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

دین انسان کے قامت کے مطابق ایک لباس ہے

انسان کی زندگی ایک رواں دواں دریا کی مانند ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ دین انسان کے قامت زیبا کے مطابق ایک لباس ہے یا اس کے مزاج اور نظام ہضم کے موافق دوا اور غذا ہے۔ اس لیے جو شخص انسان کو چھوٹا دیکھتا ہے اُسے دین بھی تنگ اور چھوٹا نظر آتا ہے اور جو شخص انسانیت کی بلند قامت سے آگاہ ہے اُس کو فی نفسہ دین میں بھی رفعت اور بلندی نظر آتی ہے۔ اس لیے بعض عارفین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اتنے راستے ہیں جتنے کہ نفوسِ انسانی ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دین تنگ نہیں کُشادہ ہے۔ اس میں انسانی ضروریات کی کفالت کے لیے پوری وسعت موجود ہے۔

علوم و معارف سے ہم آہنگی

سوال: جدید و قدیم کو ہم آہنگ کیسے کیا جا سکتا ہے؟

جواب: بیدار مغز دانشور اپنے دینی فہم و بصیرت کو اپنے دیگر علوم و معارف کے ساتھ اس طرح موزوں کر لیتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں اور کوئی

Marfat.com

خامی ان میں دکھائی نہیں دیتی اور جس قدر اِن کی معلومات بڑھتی ہیں ان کی فہم دینی بھی ترقی کرتی ہے۔

مقلدانہ ذہنیت کا نتیجہ

بعض علماء کا کہنا ہے کہ دین کو جس طرح ہم نے سمجھا ہے اسی کا پاس ولحاظ کیا جائے۔ اس لیے وہ تازہ معلومات سے جھجکتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ طوفان کہاں سے اُٹھتا ہے، مگر جب وہ اُٹھتا ہے تو ہر چیز کو دگرگوں کر دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کی بڑی بھول یہ ہے کہ وہ اپنے خُلوص کو حکم دین سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ذہن وضمیر کو نہیں جھنجھوڑتے کہ وہ غور وفکر کریں کہ ان کی دینداری کا خُلوص ایک خاص جغرافیائی حدود میں محصور ہے اور ملت اسلامیہ چاروں جوانب سے غیر دینی افکار ومسائل سے گھری ہوئی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قدیم کے ساتھ جُڑا رہنا اور اُس کی افادیت کے لیے دلائل تیار کرنا ہی خلوص ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ عصری تقاضوں کو سمجھ کر فہم دینی میں اضافہ کرنا بھی خلوص ہی کا ثمرہ ہے۔

ایک علم کا ماہر دوسرے علم کے ماہر کو کامل تر کرتا ہے

سوال: جدید وقدیم علوم کے حاملین باہم ہم آہنگی کیسے کر سکتے ہیں؟

جواب: ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ علوم وانکشاف کی وسعت میں اہل علم وخبر کا ایک دوسرے کے ساتھ فکری تعاون فراہم کرنا فہم دین کے لیے بہت ضروری ہے۔ جیسے ماہر نفسیات اور ماہر علم الابدان ایک دوسرے سے گہرا ربط اور اتحاد رکھتے ہیں۔ لہٰذا کسی ایک علم کا ماہر دوسرے کے علم کو کامل تر کر سکتا ہے۔ کیمسٹری اور فزیالوجی جنہوں نے آج کئی اسرار ورُموز سے پردہ اُٹھایا ہے یہ ہمیں روح کے عرفان میں بھی مدد دے سکتے ہیں۔ پُرانے علوم کی رو سے پھیپھڑوں کو دل کا پنکھا سمجھا جاتا تھا اور مغز کو خون سرد کرنے والا آلہ اور

Marfat.com

قلب کو فہم و بصیرت کا اصلی مرکز گردانا جاتا تھا لیکن آج میڈیکل کی تعلیم نے بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ مادہ کو بہتر طور پر شناخت کر کے بتلایا جائے کہ وجودِ غیر مادی کی تعریف کی جا سکتی ہے۔

روائت پرستی اور تجدید فہم دینی

سوال: روایت پرستی اور جدیدیت کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: مسلمان قوم مجموعی طور پر روائت پرست ہے اور جو قومیں روایات میں اُلجھ جاتی ہیں اور اپنا تمام خلوص اور وفاداری و روائت سے وابستہ کر لیتی ہیں وہ آگے نہیں بڑھ سکتیں۔ جب تک اِنسان دوسروں کے افکار کو بہ چشم حقارت دیکھتا ہے نہ تو اِن سے آنکھ بند کر سکتا ہے اور نہ ہی شبہات کا کوئی معقول حل ڈھونڈ سکتا ہے اور روایات میں کھو جاتی ہے اور دوسری طرف دیگر اقوام جو تیزی سے افکارِ نو کو قبول کر رہی ہوتی ہے دونوں بیرونی آراء و افکار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ اِس حقیقت کو چار و ناچار تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ عقلِ انسانی کا سفر اِنسانی پسند اور خواہش کا تابع نہیں رہ سکتا اور حق و حقیقت کسی گروہ یا نسل کے گروی نہیں ہو سکتے اور حقیقت کا سورج جب دنیا کے کسی کونے سے طلوع ہوتا ہے تو وہ سابقہ افکار کو ضرور بدلتا ہے اور زیرک و دانا لوگ وہ ہوتے ہیں جو اُس طلوع وغروب پر نظر رکھیں دن اور رات کی تمیز کریں اور آنکھیں بند کر کے اپنے لئے رات کو جاوداں کرنے کی کوشش نہ کریں۔ جو کوئی دوسروں کے افکار کے مثبت پہلوؤں سے مستفیض نہیں ہوتا تو قوتِ فکر اِس کی دست گیری نہیں کرتی۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ جائیں اور دوسروں کے افکار کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کیا سوچتے ہیں تا کہ اُن کا منہ توڑ جواب دیا جا سکے بلکہ اِس کا تصور یہ ہے کہ حقیقت کو پہچانا جائے تا کہ خود کو بہتر طور پر ایڈجسٹ کیا جا سکے اور نئے اسرار و افکار کو پایا جائے تا کہ کائنات شناسی میں آگے

Marfat.com

بڑھ سکیں اور دیکھ سکیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ تاکہ اِس طرح دینی فکر و فہم کی تجدید ہوتی رہے۔ جو شخص دین کا عصری عرفان حاصل نہیں کرتا تو وہ اپنے ہم عصروں کی رہبری بھی نہیں کر سکتا۔ ماضی پرستوں کی افیون اور ہیگل مشربوں کا افشوں نہایت چالاک راہ زن ہے جو حقیقت کو رطب و یابس میں بدل دیتا ہے۔ یہ ذہن نشین رہے ہمارا مقصد حلال و حرام میں کچھ گھٹانا یا بڑھانا نہیں اور نہ ہی کسی نسخ آیت یا یا نسخ روایت سے بحث ہے جو کچھ بدلتا ہے وہ لوگوں کی شریعت سے متعلق فہم اور تعبیر ہے اور جو ثابت رہتا ہے اور وہ خود شریعت ہے اور اِس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اِس حقیقت نے ماضی میں بھی منکرین کے آئینہ ادراک میں جلوہ ہائے گوناگوں اور رنگارنگ دکھائے ہیں اور اِسی سمندر میں سے کئی گوہر نکالے گئے ہیں اور اِسی پاک مٹی نے گل و ریحان اُگائے ہیں۔ شریعت کی تجلیات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ایک ہی نور کی مختلف تجلیات

یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک ہی بات سے فلسفی کوئی میوہ چنتا ہے اور ادیب یا فقیہ کوئی اور یہ فطری و طبعی ہے نہ تو فلسفی بات سمجھنے میں ٹھوکر کھا رہا ہوتا ہے نہ ہی ادیب یا فقیہ۔ تینوں کو ایک ہی حقیقت کا سامنا ہے اور ایک ہی نور کی مختلف تجلیات سے مستفید ہو رہے ہیں۔ لیکن اِن کے نتائج ایک جیسے نہیں ہوتے۔ علم تاریخ پر نگاہ دوڑائیے کہ ایک واقعہ سے مؤرخوں نے کیسی کیسی باتیں نکالی ہیں اور کتنے نئے راز کھل رہے جن سے مصادیق کلی طور پر مختلف ہو جاتے ہیں۔ نئے انکشافات پرانی معلومات کو اپنی پہلی حالت میں باقی نہیں رہنے دیتے اگر اُس بساط کو کُلی طور پر اُلٹ نہ سکیں تو کم از کم مفاہیم و معانی کو ایک نئی شکل ضرور دیتے ہیں۔ علوم اِنسانی یعنی فلسفہ، سائنس، دینی علوم آپس میں ایک ربط رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو سفر کرتے ہیں۔ جب کسی ایک علم

Marfat.com

میں اضافہ ہوتا ہے تو اُس کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے اور جہاں کہیں کوئی تغیر واقع ہوتا ہے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ شریعت فی نفسہٖ آسمانی ہے مگر فہم شریعت خاکی اور اِنسانی ہے اور یہ متغیر رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی اپنے علم کے ساتھ برسرِ جنگ ہے وہ اپنی معلومات پر مطمئن نہیں رہ سکتا۔

گلوبل سائنس

آج ہماری دنیا میں تبدیلی ہو چکی ہے۔ بہت بڑا صنعتی انقلاب آچکا ہے۔ نئی معلومات کو از سرِ نو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دیکھئے زر کا بین الاقوامی لین دین نیا انداز اختیار کر چکا ہے جس سے زندگی ایک نیا رُوپ دھار چکی ہے۔ ٹیکنالوجی نے اِنسان کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ دُور دراز کے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ پہاڑوں کی بلندیاں، سمندروں کی رفعتیں، صحراؤں کی وُسعتیں اِنسان کے تابع ہو چکی ہیں اِتنی بڑی کائنات ایک چھوٹی سی بستی میں تبدیل ہو چکی ہے۔ فطرت نے نہایت سخاوت سے اپنے خزانوں کی کنجیاں اِنسان کے ہاتھ میں دے دی ہیں اور اس کی خوراک، پوشاک، رہن سہن سب کچھ تبدیل ہو چکا ہے۔ اِس لئے اہل علم وخبر کا طرزِ استدلال بھی تبدیل ہونا چاہیے۔

تجدید فہم وبصیرت

روایت وتجدید کی بحث میں یہ نکتہ سمجھنا انتہائی ضروری ہے کہ فقہ کی تجدید کے ساتھ فہم وبصیرت کو بھی تازہ رہنا انتہائی ضروری ہے۔ کوئی بھی شخص جدید علوم میں گہرائی تک گئے بغیر تجدید فہم وبصیرت نہیں کر سکتا۔ روائتی لوگوں کی فہم اگر روائتی ہو تو اِن کی دین سے توقعات بھی روائتی ہوتی ہیں۔ مذہبی علوم اور سائنسی علوم ایک دوسرے کو متاثر بھی کرتے ہیں اور روشنی بھی دیتے ہیں۔

Marfat.com

زمین متحرک ہے ساکن نہیں

سوال: زمین کے متحرک یا ساکن ہونے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: زمین متحرک ہے ساکن نہیں ہے۔ اس نظریئے نے پُرانے علم فلسفہ کی تمام بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ علم کی دنیا میں یہ ایک انقلابی اعلان تھا۔ اُس وقت کے تمام علمی نظریات پر نظر ثانی کی دعوت تھی۔ حسی اور عقلی دلائل سے بڑے بڑے فلسفی کا نتیجہ یہ نکلا کہ زمین پر درخت، پہاڑ، سمندر سب گھومتے نظر آئے۔ اہل علم وفکر کے لیے نئے سوالات پیدا ہوئے کہ یہ درخت، پتھر، پانی وغیرہ فضا میں اُچھل کر تحلیل کیوں نہیں ہو جاتے؟ اس سے علم حرکت اجسام Dynomiqui میں نئے انکشافات واقع ہوئے۔ جس سے علم ریاضی میں نئے در وا ہو گئے۔ یہ دیکھ کر لکیر کے فقیر لوگوں کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں اور وہ مبہوت ہو کر رہ گئے اور وہ نئے سرے سے سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ جب حرکت زمین مسلم و محقق ہو گئی تو اہل علم وخبر نے قرآن حکیم کی بعض معنوں کی تفسیر میں اس نظریہ کو قبول کر کے شامل کر لیا اور تازہ تفسیر کی۔ اس نظریئے کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ''ظہور، امر مطلق نہیں'' انسان کی فہم وبصیرت جو دین اسلام کے لیے مخلصانہ ہے وہ بھی طبیعت کی مانند متحرک اور سیلانی ہے۔ اس سے تدبّر وتفکر کا ایک نیا باب کھلتا ہے اور انسان کو ایک روشن نکتہ ہاتھ آتا ہے کہ غیر دینی علوم، دینی علوم پر ایک ناقابل انکار اثر چھوڑتے ہیں۔

Marfat.com

مبلغ اِسلام الحاج مولانا محمد بوستان القادری
کے فکر انگیز تقریروں کا مجموعہ

21
22

خطبات بوستان

﴿جلد سوم﴾

مرتب: محمد عمر حیات الحسینی بوسن

عنوانات

☆ سماع موتی کی حقیقت
☆ عرس کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت
☆ مشاجرات صحابہ پر ایک فکر انگیز بحث
☆ صحابہؓ و اہلبیتؓ ''در والے اور گھر والے''
☆ اختلافی مسائل کا صحیح شعور و ادراک
☆ اِسلام اور مغرب
☆ اتحاد اور اجتہاد کے موضوع پر فکر انگیز مواد

ناشر: تحریک علماء و مشائخ جموں و کشمیر برطانیہ۔

Marfat.com

Marfat.com

الحاج مولانا بوستان القادری برطانیہ کی زندگی کے خوش رنگ پھولوں کی کیاریوں سے بھری ہوئی کتاب سامنے آئی ہے۔ آپ کے گلبار قلم نے اِس خوبصورت کتاب کو مولانا محمد بوستان القادری کے احوال وحالات سے رونقِ چمن بنادیا ہے۔ مجھے آپ کے قلم کی خوش خرامی نے بہت سے معاصر علمائے کرام اور مشائخ عصر کے حالات سے نوازا تو دل باغ باغ ہوگیا۔ آپ کی اس خوبصورت کاوش پر کن الفاظ سے داد دوں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آج سے تیس سال قبل میں نے علمائے اہلِ سنت لاہور کا تذکرہ لکھا تھا اس کے کئی ایڈیشن چھپے۔ میری دلی خواہش تھی تشکیل پاکستان کے بعد کے علمائے اہلِ سنت پر بھرپور انداز میں لکھا جائے ۔میں نے اپنے کئی اہل علم وقلم احباب کی خدمت میں گذارش کی مگر وہ سر ہلا کر چلے گئے۔ اگرچہ بعض حضرات نے تذکرے لکھے مگر لطف نہ آیا۔ آج ایک عرصہ کے بعد آپ کے ''گلہائے رنگا رنگ'' نے علماء کرام کے حسین خاکے، ان کی علمی اور سیاسی خدمات پھر ان کے شب روز کو جس انداز سے رقم کیا ہے دل خوش ہوگیا ہے۔ بعض اہل علم کو آپ نے ''ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا'' کے انداز میں قارئین کو دعوت مطالعہ دے کر میری تمنا کو پورا کر دیا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ان صفحات کی گلپاشی سے اپنے ''جہانِ رضا'' کے صفحات کو گلگوں کر کے قارئین کو دعوتِ مطالعہ دوں۔ اگرچہ الحاج بوستان القادری مدظلہ العالی کی حیات اور علمی کارناموں پر بہت سی چیزیں سامنے آئیں ہیں اور تصویری صفحات نے بہت سے چہروں کو سامنے لا رکھا ہے، مگر صفحہ صفحہ اور سطر سطر پر آپ کے قلم خوش خرام کی خوشبو مشامِ جان بن کر پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کے نوکِ قلم کی گل کاریاں دل ودماغ کو معطر ومعنبر بناتی ہیں۔ کتاب پر قیمت نہیں لکھی گئی مگر اہل ذوق قیمت کب پوچھتے ہیں۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

مدیر اعلیٰ۔ ماہنامہ جہانِ رضا لاہور

THINKERS 061-517975, 0300-6347401

Marfat.com